تربیتِ اولاد کا نبوی ﷺ انداز
اور
اس کے زرّیں اصول
ترجمہ
منهج التربية النبوية للطفل
بچوں کی علمی، فکری، نفسیاتی، عباداتی، معاشرتی، ادبی اور اخلاقی اصلاح و تربیت کا
اِنسائیکلوپیڈیا
مؤلف
محمد نور بن عبد الحفیظ سوید
مترجمین
لجنۃ المصنفین لاہور
دار القلم
لاہور۔ پاکستان

تربیتِ اولاد کا نبوی ﷺ انداز

اور

اس کے زرّیں اصول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تربیتِ اولاد کا نبوی ﷺ انداز

اور

اس کے زرّیں اصول

ترجمہ

منهج التربية النبوية للطفل

بچوں کی علمی، فکری، نفسیاتی، عباداتی، معاشرتی، ادبی اور اخلاقی اصلاح و تربیت کا

اِنسائیکلوپیڈیا

مؤلف

محمد نور بن عبد الحفیظ سوید

مترجمین

لجنة المصنفين لاهور

دار القلم

رحمان پلازہ احاطہ شاہ دریاں، اردو بازار لاہور

93- علی بلاک اعوان ٹاؤن ملتان روڈ لاہور

موبائل 0333-4248644

فہرست مضامین

فصل ثانی: ولادت سے دو سال تک کا مرحلہ

باب اوّل:

والدین اور مربّیین کے لیے تربیت کے بنیادی اصول

باب دوئم:

بچوں کی فکری تربیت کے بنیادی اصول

بابِ سوئم:

بچوں کی نفسیاتی تربیت کے بنیادی اصول

فصلِ رابع:

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور بدسلوکی کے بارے میں ترغیب وترہیب کا اسلوب

باب دوئم:

عباداتی تعمیر و تربیت

باب سوئم:

معاشرتی تعمیر وتربیت

باب چہارم:

اخلاقی تعمیر و تربیت

باب پنجم:

رحم دلی اور شفقت کی تعمیر وتربیت

باب ششم:

جسمانی تعمیر و تربیت

باب ہفتم:

علمی و فکری تعمیر و تربیت

باب ہشتم:

صحت سے متعلق تعمیر و تربیت کے چند اصول

باب نہم:

بچوں کے جنسی جذبات کی اصلاح وتہذیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مترجم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے دینی و اخلاقی موضوعات پر کام کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ پیشِ نظر کتاب ''تربیتِ اولاد کا نبویؐ انداز اور اس کے زرّیں اصول'' ایک بے مثال کتاب ہے جو دراصل محمد نور بن عبد الحفیظ سوید کی عربی کتاب کا "منهج التربية النبوّية للطفل" کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ ہے، مصنف نے اپنی کتاب کو مرتب کرنے میں جو ان تھک محنت اور کوشش صرف کی ہے اس کا اندازہ قارئین کرام مطالعہ سے ہی لگا سکتے ہیں، تقریباً ایک سو بیس سے زیادہ مختلف کتب سے یہ گلدستہ تیار کیا ہے، اپنی کتاب کو نہایت خوبصورت انداز میں مرتب کیا ہے کہ ہر شخص آسانی کے ساتھ کتاب سے مستفید ہوسکتا ہے۔

مصنف نے اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں کوئی پہلو اور گوشہ نہیں چھوڑا، اولاد کی اصلاح وتربیت کا مضمون شروع کرنے سے پہلے والدین اور تربیت کرنے والے حضرات کے متعلق چند اہم ہدایات ذکر کی ہیں تاکہ انہیں بھی معلوم ہو کہ خود انہیں کن صفات سے آراستہ ہونا چاہیے۔ اس کے بعد اولاد کی تربیت کے تمام مراحل کو ترتیب وار بیان کیا ہے اور بچوں کی فکری، نفسیاتی، عباداتی، معاشرتی، اخلاقی، جنسی، علمی اور دیگر بہت سے پہلوؤں کے متعلق نبویؐ طرزِ تربیت اور اسلافِ امت کے انداز کے مطابق وافر مواد جمع کردیا ہے۔ بناء بریں اگر اس کتاب کو بچوں کی اصلاح وتربیت کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ پھر انتہائی خوشی کی بات یہ ہے کہ اصل عربی کتاب پر بڑے بڑے علماء اور مصلحینِ امت کے تأثرات بھی درج ہیں، جن میں مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا پیش لفظ بھی شامل ہے

جو اس کتاب کو مزید چار چاند لگا دینے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس کتاب کو اردو زبان میں ڈھالنے کی ہمت و طاقت اور توفیق "لجنة المصنّفين" کے ارکان کو عطا فرمائی، جن میں استاذ الحدیث مولانا محمد انس صاحب چترالی، مولانا مفتی سیّد عبد العظیم صاحب ترمذی اور احقر شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی، مترجمین اور ناشر کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ (آمین)

اور ہمارے مخدوم و مکرم جناب مولانا ممتاز احمد شاہ صاحب (مدیر دار العلم) کو بھی جزائے خیر اور عطائے جزیل عطا فرمائے جنہوں نے اس کتاب کی نشر و اشاعت کا بیڑہ اٹھایا اور اپنے حسن ذوق کی بناء پر کتاب کو شایان شان طریقے سے طبع کرا دیا۔

فجزاهم الله تعالیٰ خَيْرًا.

ابو الحسان خالد محمود

(مدرس) جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

۸ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ/۴ فروری ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
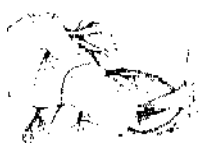
دُعا و دعوت

اللّٰھم لك الحمد مِلء السمٰوات وملء الارض وملء ما شئت من شيءٍ بعد:

یا رب لولا أنت ما اهتدینا ولا تصدّقنا ولا صلّینا

فأنزلن سکینة علینا وثبّت الاقدام إن لاقینا

''اے میرے پروردگار! اگر آپ نہ ہوتے تو نہ ہمیں ہدایت ملتی اور نہ ہم صدقہ و خیرات کرتے اور نہ نماز پڑھتے، پس تو ہم پر اطمینان اور سکون کی کیفیت نازل فرما اور میدانِ جنگ میں ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔''

(غزوۂ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دُعا)

اے اللہ! اے دلوں اور نگاہوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [آل عمران: ٨]

''اے ہمارے پروردگار! ہمارے دِلوں کو کج نہ کیجیے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمایئے، بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔''

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ○ وَ يَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ○ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ [طٰهٰ: ٢٥۔٢٨]

''اے میرے رب! میرا حوصلہ فراخ کر دیجیے اور میرا کام آسان فرما دیجیے اور میری زبان پر سے بستگی (لکنت کی) ہٹا دیجیے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔''

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ﴾

[الاعراف: ۸۹]

''اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان میں فیصلہ کر دیجیے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ [هود: ۵۲]

''اور اے میری قوم! تم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارشیں برسا دے گا اور تم کو اور قوت دے کر تمہاری قوت میں اضافہ کر دے گا اور تم مجرم بن کر اعراض مت کرو۔''

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يٰقَوْمَنَاۤ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

[الاحقاف: ۳۱،۳۲]

''اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کا کہا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں عاجز نہیں کر سکتا اور اس کے سوا کوئی اس کا حامی بھی نہ ہوگا ایسے لوگ صریح گمراہی

میں ہیں۔"

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَيٰقَوْمِ مَا لِيٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ﴾ [المؤمن: ٣٨۔٤٥]

"اور اس مومن نے کہا کہ اے میری قوم! تم میری راہ پر چلو میں تم کو درست راستہ بتلاتا ہوں اے میری قوم! یہ دنیاوی زندگی محض چند روزہ ہے اور ٹھہرنے کا مقام تو آخرت ہے جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے وہاں بے حساب ان کو رزق ملے گا اور اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو (یعنی) تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور ایسی چیز کو اس کا شریک بناؤں جس کی میرے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اور میں تم

جس چیز کی طرف مجھے بلاتے ہو وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ ہی آخرت میں اور یہ کہ ہم سب کو اللہ کے پاس جانا ہے اور یہ کہ جو لوگ حد سے نکل رہے ہیں وہ سب دوزخی ہوں گے سو آگے چل کر تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سب بندوں کا نگران ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس (مومن) کو ان لوگوں کی مضر تدبیروں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں پر موذی عذاب نازل ہوا۔"

محمد نور سوید

غفر اللّٰہ لہٗ، ولوالدیہ وللمسلمین

منگل کی شب ۱۶، رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

بمطابق اپریل ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین وافضل الصلاۃ واتم التسلیم علی سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین.

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہوگی تو حقیقت میں اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہی ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کے حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔'' (متفق علیہ)

تربیتی اقوال:

۱...... ایک شخص نے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ آپ کے گرد بچوں کا کیا کام ہے! انہوں نے کہا کہ خاموش رہو! یہ بچے دراصل تمہارے دینی امور کی حفاظت کر رہے ہیں۔

(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۱۱۵)

۲...... ایک آدمی نے جس کا بیٹا ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کرتا تھا، ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں اپنے ذاتی عمل کا ذمہ دار ہوں اور اپنے بیٹے کو اس کے کام سے غافل نہیں کروں گا، ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ تمہیں اس دینی تعلیم دلانے پر حج اور جہاد سے زیادہ اجر وثواب ملے گا۔

(التربیۃ فی الاسلام ص ۲۵)

۳...... ایک دانا شخص کا قول ہے کہ بچوں کی تعلیم میں جلدی کرو قبل اس کے کہ کاموں کا ہجوم پیش آئے، اگرچہ بڑی عمر کا آدمی روشن دماغ ہوتا ہے مگر اسے دلجمعی حاصل نہیں ہوتی۔

۴...... سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں معرفت کی قوت اور ثقافت وتہذیب کی قوت کو مانتا ہوں مگر تربیت کی قوت کو اس سے بھی زیادہ تسلیم کرتا ہوں۔

(مجلۃ الرسالۃ عدد ۹۹۵، ۱۹۵۲ء)

انتساب

میں اپنی اس کتاب کا انتساب اپنے والدِ محترم کے نام کرتا ہوں جنہوں نے بچپن میں حفظِ قرآن کریم اور سنّت شریفہ کی تعلیم کے لیے میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

نیز اپنی والدہ محترمہ کے نام بھی، جنہوں نے میرے دل و دماغ میں علم کی محبت، وفاداری اور اخلاص جیسی صفات پیوست کیں:

ابتی وامّی یا رجائی فی المُنٰی ابتی وامّی منبع الایثار

انّی جعلت ذخیرتی بدعاء کما ورضاکما عونی علی الاخطار

''میرے ماں باپ میری امیدوں کا مرکز، میرے ماں باپ محبت و ایثار کا سرچشمہ ہیں میں نے تم دونوں کی دعاؤں کو اپنا ذخیرہ و سرمایہ اور رضا مندی کو مشکلات کے لیے باعث امداد بنایا ہے۔''

میں کتاب کی اس تیسری اشاعت پر اس کا سارا اجر و ثواب اپنے محبوب والدین کو دوبارہ ہدیہ کرتا ہوں اور میں ان آیات کریمہ کے ساتھ قبولیت کی امید اور دنیا و آخرت میں حسنِ خاتمہ کی دعا کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں:

دُعا:

۞.....﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [المؤمن: ٦٠]

''اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔''

۞.....﴿رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾

[البقرہ: ١٢٨]
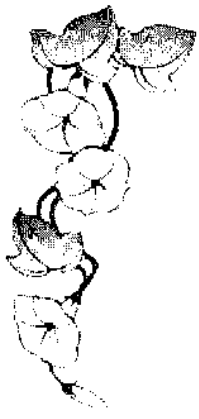
''اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا اور زیادہ فرماں بردار بنا لیجیے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا) کیجئے جو آپ کی اطاعت گزار ہو۔''

۞.....﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ [آل عمران: ۳۸]

''عرض کیا کہ اے میرے رب! عنایت کیجیے مجھے خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد بے شک آپ دُعاؤں کے بہت سننے والے ہیں۔''

۞.....﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِىْ وَبَنِىَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ [ابراهيم: ۳۵]

''اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب! اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امن والا بنا دیجیے اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھیے۔''

۞.....﴿رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾

[ابراهيم: ٤٠ تا ٤١]

''اے میرے رب! مجھے بھی نماز کا اہتمام کرنے والا بنائیے اور میری اولاد میں بھی بعضوں کو اے ہمارے رب! اور میری دعا قبول کیجئے، اے ہمارے رب! میری مغفرت کر دیجیے اور میرے ماں باپ کی بھی اور تمام مومنوں کی بھی حساب قائم ہونے کے دن۔''

۞.....﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ [الفرقان: ٧٤]

''اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔''

۞.....﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ [النمل: ۱۹]

''اے میرے رب! مجھے اس پر مداومت دیجیے کہ آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور یہ کہ میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالیجیے۔''

۞.....﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الاحقاف: ۱۵]

''اے میرے پروردگار! مجھے اس پر مداومت دیجیے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میری اولاد میں بھی میرے لیے صلاحیت پیدا کردیجیے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں بردار ہوں۔''

پیش لفظ

از:۔۔مبلغ دین

شیخ ابوالحسن علی الحسنی الندوی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيّدنا ونبيّنا محـمّـد وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين.

وبعد: برادرِ مکرم جناب محمد نور سوید نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں ان کی کتاب ''بچوں کے لیے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم طریقۂ تربیت'' پر چند سطور لکھوں اور اس کے لیے انہوں نے اپنی بیش بہا کتاب کا ایک نسخہ فراہم کیا۔ جب میں نے اس کتاب کی ورق گردانی کی تو معلوم ہوا کہ اس عظیم علمی کام کے لیے اہل قلم اور اسلامی فکر و تربیت کے ماہرین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جس سے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں پائے جانے والا ایک بہت بڑا خلا پُر ہوگیا ہے، مؤلف کی یہ کتاب کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، کیونکہ بہت سے معروف و مشہور انشا پردازوں نے اس کتاب کی تعریف کی ہے اور اس کا تعارف کرایا ہے، بلکہ کتاب کا خود عنوان کتاب کی بہترین تعریف کا حامل ہے، ایک ہی سال میں کتاب کی دو بار اشاعت سے اس کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے، یہ کتاب، قارئین کے لیے لائق استفادہ اور قابل قراءت ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اس نادر و عمدہ موضوع کے سلسلہ میں مواد کے جمع کرنے میں بھرپور جدوجہد صرف کی ہے جس کی طرف بہت سے مصنّفین متوجہ نہیں ہو پائے بلکہ اس کے برعکس ان مصنّفین کا مدار مغربی طریقۂ تربیت ہے، اس لیے کہ جس دور میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں یہ دور فکری یلغار کا دور ہے، مسلمانوں کو علم و تہذیب کے ہر میدان میں غلبہ حاصل ہوا ہے اور

تربیت اولاد کا یہ میدان بڑا وسیع ہے جس میں مادی و یورپی اثر و رسوخ سرایت کر چکا ہے، کیونکہ تربیت کے تمام خواص اور اوصاف کا بچوں کی تربیت میں بڑا دخل اور اثر ہے تا کہ وہ دنیوی خواہشات کے حصول پر قادر ہوسکیں اور اس پر وہ تجربات منطبق ہوتے ہیں جو حیوانات اور جانوروں پر کیے گئے ہیں، پھر اس مادّی تربیت اولاد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ ایسے انسان کے پیدا کرنے سے قاصر ہوجاتا ہے جو اعلیٰ انسانی صفات کا حامل ہو۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نبویہ اور سنت مصطفویہ کو اپنی تحقیق کی اساس اور بنیاد بناتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اولاد کی تربیت کا آغاز شادی سے ہی ہوجاتا ہے اور یہ کہ والدین کے باہمی تعلقات، ان کے نیک و صالح ہونے اور خیر کے کاموں میں دونوں کے درمیان ہم آہنگی ہونے کا بچوں کی ذہنی کیفیت و میلان میں بڑا دخل ہوتا ہے، نیز مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ماں کی گود اور گھر بار اور اردگرد کے ماحول میں بچوں کی پرورش، والدین اور عزیز و اقارب کے ساتھ ان کے تعلق کی اہمیت اور فکری تربیت اور پرورش کے مراحل میں اسلامی نمونے کی رعایت و لحاظ کا بھی ذکر کیا ہے، نیز مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے بچوں کی طبیعت کے موافق وسائل و ذرائع اختیار کرنے کی ضرورت اور اس سلسلہ میں نبوی طریقۂ تربیت اور ماہرین تربیت اسلامی کے اقوال سے استفادہ کرنے پر زور دیا ہے اور اسلامی حکایات و واقعات مختصر انداز میں پیش کیے ہیں جو بچوں کی ذہنی وفکری تربیت میں نہایت مفید ہیں تا کہ ایک مسلمان بچے کا ذہن اسلامی ماحول اور فضا کے ہم آہنگ بھی ہو اور اس میں اسلامی ذوق بھی پیدا ہو اور اس میں اسلامی مزاج وجود میں آئے جس سے وہ خیر و شر اور نفع و نقصان میں امتیاز کر سکے، نیز اس کی ذات میں قوت و عزت پیدا ہو سکے۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سطح پر اخلاقی تربیت کے بارے میں بھرپور ہدایات فراہم کرتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا کہ ”کان خلقه القرآن“ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا نمونہ قرآنِ کریم ہے۔ قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بطور نمونہ پیش کیا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب: ۲۱]

''البتہ تحقیق رسول اللہ ﷺ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔''

اب اس اُسوہ اور نمونہ کی اتباع آپ ﷺ کی سیرت کو اپنا کر ہی ممکن ہے، نیز ہر سطح پر نبوی طریق کو اختیار کر کے ہی اس نمونے کی پیروی ہوسکتی ہے۔ بچوں کی تربیت اور خانگی زندگی کی اصلاح کے لیے سیرتِ نبوی ﷺ ہی پہلا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ، محمد نور سوید کو اس عمدہ اور نادر موضوع کے پیش کرنے پر جزائے خیر عطا فرمائے اور دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ تمام مسلمانوں کو نفع پہنچائے، یہ کتاب اس بات کے لائق ہے کہ اسے ہر گھر میں رکھا جائے اور اسے تربیت اولاد کا نصاب اور سلیبس شمار کیا جائے جیسا کہ مؤلف کتاب نے اسے اسلامی فکر تربیت کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء

۱۴۱۳/۱۱/۱۷ھ۔ ۱۹۹۳/۵/۱۱ء

❁❁❁❁

تقدیم

از:- فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد فوزی فیض اللہ

سنتِ نبویہ کا مطالعہ و تحقیق اور سند و متن کے اعتبار سے احادیثِ مبارکہ کا اہتمام موجودہ اسلامی قوت و ترقی کے نمایاں مظاہر ہیں، اور اس کے چند اسباب ہیں:

1 ......امت کا اس وحی پر اعتماد، اس سے وابستگی جس کا نزول رسول اللہ ﷺ پر ہوا، خواہ وحی متلو یعنی قرآنِ کریم کی شکل میں ہو یا وحی غیر متلو یعنی احادیثِ رسول ﷺ کی صورت میں۔

2 ......امتِ اسلامیہ نے اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کے لیے جدید تمام وسائل ترقی کو اختیار کیا مگر اپنی کھوئی ہوئی عظمت و شرافت کو نہ پاسکی تو اسے یقین ہوگیا کہ اس امت کی صلاح و بہتری اسی طریقہ پر چلنے میں مضمر ہے جس پر اوائلِ امت کار بند تھے، ان کی صلاح و فلاح کا راز بھی کتاب و سنت پر عمل کرنے میں ہے۔

3 ......اس دور میں اُن مستشرقین اور مستغربین کے نظریات کی تردید کے لیے سنت نبویہ کا اہتمام بھی اس کا سبب ہے جنہوں نے لوگوں کو ان کے پیغمبر ﷺ کی سنت کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا کیا، احادیث کی روایت و سند اور متون میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو مطعون کیا اور کتبِ صحیح کو مجروح کیا اور ان کتابوں میں ضعف کا اختراع اور بعض روایات حدیث سے بے جا اختلاف کیا جس سے بعض مقتدر لوگوں کو بھی یہ جرأت پیدا ہوئی کہ وہ سنت کو ترک کردینے کے قائل ہونے لگے اور کتاب اللہ پر اکتفاء کرنے لگے۔ اسی کے پیش نظر اہل سنت کے علماء نے ایسے شکوک و شبہات کی تردید اور

سنت رسول ﷺ کے بارے میں ہونے والے پروپیگنڈے کے خلاف دقیق اور عمیق علمی کام پر توجہ مبذول کی، اسی لیے اس دور میں سنت کا اہتمام و اشتغال، اسلام اور علوم اسلام کی ایک گونہ خدمت اور شریعت اور ادلۂ شرعیہ کا دفاع قرار پا گیا ہے۔

علاوہ ازیں دورِ حاضر میں سنت شریفہ کا اہتمام یہ معنیٰ نہیں رکھتا کہ اس کا درجہ قرآن کریم پر مقدم ہے یا فقہ اسلامی بے کار چیز ہے اور لغت عربیہ اور اس کے فنون نا قابل توجہ ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے جو اس سنت شریعہ کے اشتغال و اہتمام میں مبتدی کا درجہ رکھتے ہیں، پس قرآن ہی مسلمانوں کی اوّل کتاب ہے اس میں کسی مسلمان کو کوئی شبہ نہیں ہوسکتا اور سنت کا درجہ اس کے بعد ہے جو قرآن کے عموم میں تخصیص اور مطلق کو مقیّد اور مجمل کو مبیّن اور اس کے معانی اور اہداف و مقاصد کی تشریح و توضیح کرتی ہے اور فقہ اسلامی کے احکام ان ہی دونوں (کتاب و سنت) سے مستنبط ہوتے ہیں اور اس کا تعلق اجتہاد کے ساتھ ہے جس میں شریعت کی روح کا اعتبار اور اس محرک کا لحاظ رکھا جاتا ہے جس سے فقہ اسلامی میں قوتِ حیات اور تسلسل پیدا ہوتا ہے۔

جیسا کہ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ”ہر مسئلہ پر علیحدہ اور مستقل نص موجود نہیں ہے بلکہ شریعت نے چند امورِ کلیہ اور مطلق عبارات دے دی ہیں جو بے شمار مسائل و جزئیات پر مشتمل ہیں۔“

اور غیر منصوص اور نت نئے پیش آمدہ مسائل میں احکام کے استنباط اور اجتہاد کا سلسلہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ سے جاری و ساری ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دی اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اجتہاد کو قائم اور برقرار رکھا، خود آنحضرت ﷺ نے بنوقریظہ کے فیصلہ میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ائمہ محدثین متعدد وسائل کے ساتھ اجتہاد کے ذریعہ مسئلہ کا حل نکالتے تھے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سنت رسول ﷺ پر سختی سے عمل پیرا ہونے کے باوجود مصالح مرسلہ پر عمل کرتے تھے، اور امام اہل مدینہ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ استصلاح اور قیاس پر عمل

کرتے تھے، اسی طرح دیگر محدثین و ائمہ کرام عرف اور سدّ ذرائع کو اختیار کرتے ہیں۔ احناف کے بارے میں جو یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ اصحاب رائے ہیں بایں معنی کہ وہ حدیث کے تارک ہیں اور اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، یہ بات درست نہیں، خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ صحیح قول مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ''جو حکم کتاب اللہ اور سنت رسول میں آجائے وہ ہمیں بسر وچشم قبول ہے۔''

بلکہ اہل علم کے ہاں یہ بات مشہور ہے کہ ''لوگ ہمیشہ صلاح و بہتری میں رہے جب تک کہ ان میں حدیث کی طلب رکھنے والا موجود رہا، لیکن جب بغیر حدیث کے علم کی طلب ہونے لگی تو لوگوں میں فساد اور خرابی پیدا ہوگئی''، اسی طرح یہ بات مشہور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں ذاتی رائے سے اجتناب کرو اور سنت کا اتباع لازم جانو، کیونکہ جو شخص سنت سے باہر ہوا وہ گمراہی میں پڑا'' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے مراد مذموم قول یعنی خواہش نفس ہے اور ایسی رائے مراد ہے جس کی کوئی اصل کتاب وسنت یا قیاس میں موجود نہ ہو، البتہ رائے کا یہ معنی کہ احکام کے استنباط میں مہارت و کمال، تو اس کی نسبت ان ائمہ احناف کی طرف درست ہے، بلکہ دوسروں کی طرف بھی درست ہے۔ اسی لیے ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المعارف'' میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو اصحابِ رائے میں شمار کیا ہے، حالانکہ یہ حضرات محدثین کرام کے اعلام (بڑے لوگوں) میں سے ہیں، بلکہ بعض مصنّفین نے امام مالک کے متبعین کو اصحابِ رائے کے وصف کے ساتھ بیان کیا ہے، جیسا کہ امام خشنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''قضاۃ قرطبۃ'' میں اسے نقل کیا ہے۔ اس امت مسلمہ میں (ان شاء اللہ) کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو اپنی رائے کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مقدم رکھتا ہو، اس کے لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہی کافی ہے جو ان کے مشہور رسالہ میں موجود ہے کہ ''کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت پہنچے اور وہ اس سنت کو کسی کے قول پر ترک کردے۔''

اس دور کی علمی ترقی کی صفت اور خوبی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اشتغال اور اہتمام ہے، تاکہ سنت رسول کے مخطوطے (قلمی نسخے) کی تحقیق اور اس کے متون کی تشریح اور اس کے

مسانید کی طرف توجہ اور اس کی تصنیفات کی طباعت کا اہتمام ہو، جس کا ظہور (اس پیمانہ پر) اس سے پہلے دیکھا نہیں گیا، اسی طرح احادیث کے الفاظ کی فہرست کی تیاری اور اطرافِ حدیث کی ترتیب کا کام ہوتا کہ احادیث کے بارے میں ریسرچ اور تحقیق کرنے والوں کو سہولت ہو اور صحیح اور ضعیف میں امتیاز ہو، حیاتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ و تحقیق اور اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنانے کی غرض سے ان کا مستقل تصنیف کی شکل میں لانا بھی اس میں شامل ہے، جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح و جنگ میں خانگی زندگی اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہ و احباب کے درمیان زندگی بسر کرنے کا انداز اور اہل الذمہ کفار اور منافقین کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک وغیرہ۔ اسی طرح عبادت وتعامل اور افتاء وقضاء، اقامتِ حدود، لوگوں کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کرنے، معاہدوں کی پابندی اور مخالفین کے درمیان صلح کروانے کے سلسلہ میں بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کی تحقیق اور اس کی اتباع اس میں شامل ہے، جیسا کہ بہت سے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ نے ان امور کی تحقیق کے لیے مستقل رسائل اور کتب تصنیف کی ہیں جن میں امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی اہم ترین کتاب ''زاد المعاد'' ہے۔

پیش نظر کتاب بھی ان اہم اور قیمتی کتابوں میں سے ایک ہے جس میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخصوص پہلو ''بچوں کے لیے تربیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز'' کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ اگر چہ اس سے پہلے بھی دینی تربیت اور نبوی تربیت کے حوالہ سے بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن خاص بچوں کے لیے (غالبًا) تربیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے لکھا نہیں گیا، لہٰذا سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر پہلوؤں میں سے یہ ایک مستقل اور اہم ترین پہلو ہے، مؤلف نے ان سب امور کو مومنانہ عقیدے، راجح اور پختہ فکر اور عمیق اور بصیرت افروز نظر اور باذوق مرتب کی۔ ترتیب و تنظیم کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اپنی کتاب کو چند فصول پر مرتب کیا ہے، ایک فصل میں والدین کے لیے نصیحتیں مذکور ہیں، اور دوسری میں شیر خوار بچے کے حقوق کا ذکر ہے اور تیسری فصل میں بچے کے دودھ چھڑانے سے لے کر بالغ ہونے تک کا مرحلہ مذکور ہے اور یہ فصل کتاب کی اہم ترین فصل ہے، اور بچے کی تربیت و اصلاح کا محور ہے، چناں چہ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں معاشرتی، اخلاقی، فکری، جسمانی، جنسی اور عبادت وعقیدے کی بنیادیں بیان کی ہیں، جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل فصل قائم کی جس میں انہوں نے والدین کے ساتھ بچوں کے حسن سلوک اور ان کے حقوق کی رعایت کا ذکر کیا ہے اور ایک فصل میں فکری ونفسیاتی مؤثر تربیت کے مختلف نبوی اسالیب بیان کیے ہیں، پھر آخر میں ایک اور فصل ذکر کی ہے جس میں بچوں کی بالخصوص تادیب وتہذیب کا ذکر آیا ہے، اور کتاب کا اختتام دوطرح کی چہل حدیث پر کیا ہے، ایک میں وہ احادیث جن کا تعلق والدین سے ہے، ذکر کی ہیں اور دوسری میں وہ احادیث ذکر کی ہیں جن کا تعلق اولاد سے ہے۔

مصنف کتاب نے اپنی بحث وتحقیق میں جن مصادر ومراجع کی طرف رجوع کیا ہے ان میں تفسیر وسنت، فقہ وتاریخ، دعوت اور اسلامی ثقافت اور عالم اسلامی کی موجودہ کتابیں ہیں اور اپنی ہر بات کا باقاعدہ حوالہ اور ماٗخذ بھی ذکر کیا ہے اور ہر تربیتی نظریہ کو تقویت پہنچائی ہے اور اسے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف کی تطبیقات اور ائمہ کرام اور اہل علم مربیّین کے مسالک سے قلمبند کیا ہے اور بچوں کے لیے تربیتی افکار ونظریات کو مضبوط دینی حقائق، تاریخی واقعات اور اسلامی مربیّین کی نظر میں مقررہ مشاہد سے مستحکم اور مضبوط کیا ہے، اور اس سلسلہ میں بہت سی عجیب باتیں ذکر کی ہیں، جس کی بناء پر یہ کتاب بچوں کا دینی انسائیکلوپیڈیا کہلانے کے لائق ہے، اس میں احادیث مبارکہ، سلف صالحین کے آثار اور مسلمان اولاد کی تربیت میں مربیّین کے مسالک کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ قیمتی کتاب ایک مسلم معاشرہ میں اپنا علمی اثر ورسوخ اور وسیع تشکیل رکھتی ہے اور اس کتاب سے والدین بھی اور بالغ ونابالغ اولاد بھی استفادہ کرسکتی ہے، اس میں انتہائی سہل اسلوب اور آسان زبان اختیار کی گئی ہے، قرآنی آیات سے مزیّن اور سنّت مطہرہ سے آراستہ ہے، اس میں قصص وواقعات اور اسلاف سے منقول اقوال وحِکَم بھی مذکور ہیں، مسلمانوں کے لیے ایسی مسلمہ باتیں تسلیم کرنا اور ان سے اثر قبول کرنا واضح ہے۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ مجھے کتاب کی ان فصول سے بہت فوائد حاصل ہوئے اور میری

تمنا ہے کہ میں اس کتاب کا مطالعہ کروں اور اگر مجھے اس کا موقع ملا تو تربیت اولاد کے سلسلہ میں اپنے اخلاق و کردار کو سنواروں گا اور اولاد کو فائدہ پہنچاؤں گا اور ان کو معاشرہ کی ظاہری چمک دمک سے بچاؤں گا، اور ان وسائل و ذرائع سے دور رکھوں گا جو ان کے لیے غیر مفید ہیں اور ان کی کوششوں میں ذرا بھی کام آنے والے نہیں ہیں، ان کے ذریعہ نہ تو ان بچوں میں علم کی محبت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی کسی مستقبل کی بناء وابستہ ہے، اور نہ ہی نیک امور کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے راہِ راست حاصل ہوتی ہے۔

میں اس کتاب کو استفادہ کی نظر سے ضرور پڑھوں گا اور بہت سے لوگ بھی اسے پڑھ کر مستفید ہوں گے اور اس کے مؤلف کے لیے دُعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید توفیق عطاء فرمائے اور دونوں جہانوں میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے کہ انہوں نے امت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا اور ایک مسلمان بچے کے تربیتی مکتب کو مالدار کر دیا۔

میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کو پاک صاف نہیں کہتا، سنت نبوی ﷺ کا چشمہ ہمیشہ سے سیراب کرتا رہا ہے اور حوضِ نبوت پر تمام لوگ آتے رہیں گے، خواہ ساری کائنات کے لوگ ہوں، اسلاف نے اخلاف کے لیے بہت کم باتیں چھوڑی ہیں۔

جزى الله عنّا نبيّنا وسيّدنا محمّدا ﷺ ما هو اهله .

ڈاکٹر محمد فوزی فیض اللہ

(سابق) استاذ و رئیس شعبہ فقہ اسلامی و مذاہب
جامعہ دمشق
و رئیس شعبہ فقہ و اصول۔ كلية الشريعة
والدراسات الاسلامية۔ جامعہ کویت
۱۱ ذی القعدہ ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹۸۴/۸/۸ء

تقدیم

از:- علامہ شیخ عبد الرحمٰن حسن حبنکہ

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی خیر المعلمین من البشر وسیّد المربیّن والمؤدبین سیّدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین.

وبعد! ایک نوجوان مومن محمد نور عبد الحفیظ سوید نے مجھے اپنی ایک کتاب کی طرف توجہ دلائی جسے انہوں نے بہ عنوان ''بچوں کے لیے نبوی ﷺ طریقۂ تربیت'' نشر وطباعت کے لیے تیار کیا، جب میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو مجھے اس کی تیاری سے یہ معلوم ہوا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مضامین جمع کرنے میں کئی سال لگا دیے ہیں، احادیث اور اسلامی اخلاق وتربیت کی کتب سے بہت زیادہ مواد جمع کیا ہے، اور کتاب کے ابواب اور فصول کو اچھے انداز سے مرتب کیا ہے، اور ان کے اس مبارک کام کے انجام دینے کا اصل سبب، اس نبوی ﷺ طریقۂ تربیت کے موافق اسلامی خاندان کی تشکیل اور اس کی رہنمائی کی حرص و خواہش ہے جو اسلامی تربیت میں عملی تشکیل اور قولی توضیح کی صورت میں انجام دی جائے، اس سلسلہ میں انہوں نے بچوں سے متعلق تمام امور کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، جیسے رشتۂ ازدواج کے لیے مسلمان میاں بیوی کا انتخاب، حتیٰ کہ جنین کا مرحلہ تک ذکر کیا ہے، اور بچہ کی ولادت، طفولیت، تمییز، مراہقت، بلوغ اور سن رشد وغیرہ بہت سے امور کتاب میں درج کردیے ہیں، اور موضوع سے متعلق تمام مضامین کے مراجع ومصادر کے ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ میرے خیال میں مصنف نے اپنی بھرپور طاقت اس کی تیاری میں صرف کردی ہے،

لہٰذا جو شخص بچوں کی تربیت کے بارے میں نبوی ﷺ طریقۂ تربیت سے آگاہ ہونا چاہتا ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے، اسے اس کتاب میں انتہائی مفید زادِ راہ اور عمدہ مضامین ملیں گے جس سے وہ خیر کثیر حاصل کرسکتا ہے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بھائی محمد نور عبد الحفیظ سوید کو اس کام پر اجر عطا فرمائے اور اپنے فضل سے مزید توفیق عنایت فرمائے، نیز بارگاہِ رب العزت میں التجاء ہے کہ اللہ جل شانہ، اس کتاب کو نافع بنائے اور اس کے ذریعہ ہمارے اسلامی خاندانوں کے قلوب کو بھی منور فرمائے تاکہ وہ اپنے بچوں کی صحیح اسلامی تربیت کے لیے اپنے نبی ﷺ کے مبارک طریقہ کو اپنا سکیں۔

اے اللہ! ہمیں درست راہ دکھا دیجیے اور درست بات دل میں ڈال دیجیے اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

انك كريم منّان، وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين .

عبد الرحمن حسن حبنكه الميداني

استاذ: جامعه ام القرىٰ: مكة المكرمه

٢٨ رمضان المبارك ١٤٠٥هـ

❁❁❁❁

تقریظ

از:۔علامہ و مربی شیخ احمد قلاش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ بے مثال تصنیف ہے، اور یہ حقیقت ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعہ بچوں کے دل، سیّد الابرار ﷺ کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، پھر تربیت اولاد کے سلسلہ میں مذکور ہر بحث کی اصل مربی اکبر ﷺ کے ارشادات میں موجود ہے خدا گواہ ہے کہ بہت سے مواقع پر میری آنکھوں سے آنسورواں ہوگئے اور کئی بار اس کے پڑھنے سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

پس اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ وہ اپنے بچوں کو اس کی ہدایات کے مطابق ڈھال دیں، کیا ہی اچھا ہو کہ اسلامی تربیت کے مضمون میں اس کتاب کو داخل نصاب کرلیا جائے، بالخصوص پرائمری سکول میں۔

احمد القلاش

تقدیم

از:- ڈاکٹر محمود الطحان

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی امام المربّین سیّدنا ونبیّنا محمّد، وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین.

امابعد: برادرِ مکرم جناب محمد نور سوید نے اپنی بیش بہا کتاب ''بچوں کے لیے نبوی ﷺ طریقۂ تربیت'' کا ایک نسخہ بطور تحفہ عنایت فرمایا اور فرمائش کی کہ میں اس کا مطالعہ بھی کروں اور اس پر مختصر چند کلمات بھی رقم کروں، میں نے کتاب کی ورق گردانی کی اور اس کی فہرست کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کتاب بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں فوائد کثیرہ سے لبریز ہے۔

اس کتاب کے متعلق لائق ذکر بات یہ ہے کہ صاحب کتاب نے مسلمانوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی ہے کہ بچوں کی تربیت کے لیے مکمل تربیتی پروگرام موجود ہے جس کی سیرابی حضور ﷺ کے طریقہ اور آپ ﷺ کی سنت مطہرہ سے ہوئی ہے، نیز یہ کہ مسلمانوں کو اس بات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ وہ ملحدین یا غیر مسلموں کے تربیتی افکار و نظریات کی طرف نگاہ بھی اٹھا کر دیکھیں، کیونکہ ان کے نبی ﷺ کی سنت میں وہ تمام امور موجود ہیں جو انہیں اغیار کی تمام باتوں سے مستغنی کردینے والے ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے خوب محنت صرف کی ہے اور سچے جذبے اور مخلصانہ نیت سے اسے مرتب کیا ہے جیسا کہ قارئین کے سامنے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

مؤلف کتاب نے اس میں بچوں کی تربیت کے حوالہ سے جدید چیزیں بھی جمع کی ہیں جو بڑی عجیب ہیں، اس کتاب کی جمع وترتیب میں مصنف کو کامیابی حاصل ہوئی ہے، انہوں نے ہر

بات کو موقع و محل کے مناسب بیان کیا ہے۔ کتاب کی ترتیب بھی بڑی ممتاز صفات کی حامل ہے، جس سے مصنف کی فکری سلامتی، پاکیزگی عقل اور بلند ذوقی کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہ اس کتاب سے کوئی مسلم گھرانہ مستغنی نہیں ہے، گھر کے مکتبہ میں رکھی جائے تاکہ گھر کے لوگ اسے پڑھیں اور اس کتاب میں تمام نبوی ﷺ ہدایات کو عملی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر بلادِ عربیہ و اسلامیہ کی مذہبی وزارتیں اس کتاب کو اپنے سکولوں میں بھی داخل نصاب کرلیں تو بہت اچھا ہوگا، اگر ساری کتاب نہ سہی، اس کی چند فصول ہی سکولوں کے نصاب میں شامل ہو جائیں تو بہت بہتر ہوگا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف کو اجر جزیل عطا فرمائے اور اسے ان کے میزانِ حسنات میں شامل فرمائے جس دن نہ کوئی مال نفع دے گا اور نہ اولاد کام آئے گی، بس وہی کامیابی سے ہمکنار ہوگا جو قلب سلیم لے کر بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگیا۔

والحمد للہ رب العالمین

محمود الطحان

رئیس شعبہ تفسیر و حدیث

كلية الشريعة، جامعہ کویت

کویت ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ بمطابق

۹ فروری ۱۹۸۸ء
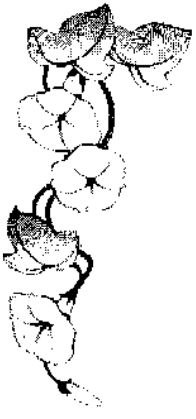
طرزِ تحقیق

کتابِ ہٰذا کا طرزِ تحقیق یہ ہے کہ اس میں اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ بچوں کے افکار وخیالات کی تربیت وتہذیب کے سلسلہ میں چشمۂ نبوی کو ہی اساس اور بنیاد بنایا جائے۔ راقم السطور کے پیش نظر پہلے سے کوئی نظریات یا افکار طے شدہ نہیں تھے کہ ان کی تائید کے لیے احادیث نبویہ ﷺ کی کوئی دلیل تلاش کی گئی ہو اور اس کو ان طے شدہ خیالات پر چسپاں کیا گیا ہو، بلکہ راقم کا حال یہ ہے کہ تربیت اولاد کے سلسلہ میں مغربی کتب کے مطالعہ میں ایک معتد بہ وقت صرف کرنے کے بعد جب اسے کوئی حدیث دستیاب ہوتی تو اس کا دل اس نور سے روشن ہو جاتا تھا جو نور اللہ تعالیٰ نے اس کے دِل میں پیدا کیا، راقم الحروف کو ان مغرب زدہ لوگوں کی تصنیف کردہ کتابوں میں سوائے مختلف آراء اور مذاہب واقوال کے کچھ حاصل نہ ہوا، وہاں تو ہر شخص اپنے مطلب کی بات کرتا ہے اور اپنا ناقص اور ادھورا تجربہ بیان کرتا ہے، اس کے برعکس احادیث نبویہ میں ہر بات موقع ومحل کے مناسب بیان کی گئی ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی، جس سے ہر بات خوب واضح انداز میں معلوم ہوتی ہے اور ان احادیث مبارکہ کے مطالعہ وتحقیق کے ساتھ ساتھ بندے کے ایمان میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، جس سے بچے نہ ہی اکتاہٹ کا شکار ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی مشکل محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ درست روی کے ساتھ ساتھ ان کے یقین میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ربط وتعلق بھی استوار ہوتا ہے اور ان احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے اُنہیں ہدایت ملتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تمام لوگوں کو چشمۂ نبوی سے فیض یاب ہونے کی ہدایت کی

ہے، دراصل یہی درست روش اور طرزِ عمل ہے۔ انہوں نے فرمایا: جب میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کروں تو اس پر یقین کیا کرو کہ وہی سیدھا راستہ اور تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ ہے۔" (رواہ ابویعلی فی مسندہ ۱/۴۴۴، بسند صحیح)

یہ کتاب درج ذیل امتیازات وخصوصیات کی حامل ہے:

[۱]...... حدیث نبوی ﷺ کو ہی کتاب کے ہر مضمون کی اساس اور بنیاد بنایا گیا ہے، اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور دیگر اسلافِ امت کی تطبیقات بیان کی گئی ہیں۔

[۲]...... اس صاف وشفاف چشمہ سے کتاب کا سارا مواد لیا گیا ہے جو ثبات و دوام کی صفت سے موصوف ہے، جبکہ دیگر مذاہب کا حال اس کے خلاف ہے۔

[۳]...... رسول اللہ ﷺ کی اقتداء واتباع اور احکامِ خداوندی کی تعمیل وتنفیذ۔

ایک بزرگ سعید بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "جو شخص اپنی ذات پر سنت کو قول اور فعل دونوں اعتبار سے لازم کرتا ہے اس کی زبان سے حکمت و دانائی کی باتیں صادر ہوتی ہیں اور جو شخص خواہش نفس کو اپنا حاکم بناتا ہے اس کی زبان سے بدعات نکلتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا﴾ [النور: ٥٤]

"اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔"

[۴]...... بچوں کے علم میں بہت سے امور ایسے مجہول قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کو جاننے اور سمجھنے کے لیے کسی کامل انسان کی ضرورت ہوتی ہے جو ان مخفی امور سے واقف ہو اور ایسی شخصیت رسول اللہ ﷺ کی ہی ہوسکتی ہے، تاکہ بچوں کے مجہول قسم کے امور ہم پر کھل سکیں۔

[۵]...... یہ کتاب ان مشکلات کا حل پیش نہیں کرتی جن میں والدین یا بچوں کے مربی حضرات مبتلا ہیں یا خود بچوں کی مشکلات کا اس میں حل موجود نہیں ہے، بلکہ اس کا طرز یہ ہے کہ کتاب ایسی غذا پیش کرتی ہے جس سے ان تمام امراض اور مشکلات کا جڑ سے ہی خاتمہ ہو جاتا ہے، یعنی اس نبوی ﷺ تربیت کی غذا فراہم کرنے سے

تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مربی کے ذمہ بس یہ ہے کہ وہ کتاب میں دی گئی غذا کی طرف مراجعت کرے اور اسے اچھے اور خوبصورت انداز میں بچوں کے سامنے پیش کرے، اس سے ان مشکلات کا خاتمہ ہو سکے گا، اور اگر کوئی مسئلہ اجتماعی (معاشرتی) ہو تو اجتماعی بناء (حل) کی طرف رجوع کرے۔

٦ ...... اس کتاب کا مطالعہ ہر طرح کے مربی، والدین اور مسئول (ذمہ دار) کر سکتے ہیں اور اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

٧ ...... اس کتاب میں مشرقی یا مغربی تربیتی مدارس کے ساتھ موازنہ کا ذکر نہیں ہے اور اس کے چند اسباب ہیں: (ا)...... مغربی سکالر اپنی بحث و تحقیق میں ذہنی الجھاؤ کا شکار ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کے افکار و نظریات ناقص درجے کے ہوتے ہیں۔ (ب)...... نیز اس کے اقوال اور آراء تضادات کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان بچے کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم کے تجربات کا میدان بنے یا تختۂ مشق بنے جبکہ اس کے پاس قابل اقتداء پیغمبر علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات موجود ہے۔ (ج) مغربی مصنف کا اعتماد عملی تجربات اور مخصوص نوعیت کے حالات پر ہوتا ہے۔

٨ ...... جس طرح یہ کتاب بچوں کی تربیت و اصلاح کے لیے ہے اسی طرح والدین اور مربی حضرات کی تربیت بھی کرتی ہے اور ان کے مزاج کو سنوارتی ہے اور ان کی ذمہ داری پر بھی ان کو متوجہ کرتی ہے۔

٩ ...... یہ کتاب اس اعتبار سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں وسیع پیمانہ پر احادیث نبویہ اور عملی صورتوں کے نمونے جابجا ذکر کیے گئے ہیں اور حتی الامکان اپنی (راقم) گفتگو کو کم سے کم لایا گیا ہے، اور سلف صالحین کا کلام بھی لایا گیا ہے۔

١٠ ...... مصنف نے سلف صالحین کی زندگی کے عملی نمونے بھی پیش کیے ہیں تاکہ بات کی مزید وضاحت بھی ہو اور مربی کے سامنے بھی اس کی عملی صورت رہے اور وہ اس سے استفادہ کر سکے اور پھر بچوں کے دل و دماغ میں بھی مناسب موقع پر اس کو نقش

کر سکے، جیسا کہ کہا جاتا ہے "عند ذکر الصالحین تتنزل الرحمات" یعنی نیک لوگوں کے تذکرے کرنے سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

١١ ...... ہر واقعہ اور نقل کردہ مضمون کا باقاعدہ حوالہ بھی دیا گیا ہے۔

١٢ ...... یہ کتاب چھ فصول پر مشتمل ہے پہلی فصل میں والدین اور مربی حضرات کے متعلق ہدایات درج ہیں، دوسری فصل میں ولادت سے لے کر دو سال تک کے مرحلہ کا ذکر ہے، تیسری فصل میں بچہ کی شخصیت کی تعمیر کا بیان ہے جس کا تعلق دو سال کی عمر سے لے کر بالغ ہونے تک سے ہے، پھر چوتھی فصل میں والدین کی فرماں برداری کی ترغیب اور نافرمانی پر تنبیہ کا ذکر کیا گیا ہے اور پانچویں فصل میں بچوں کی نبوی ﷺ طرزِ تربیت کے مختلف اسالیب کا بیان ہے اور چھٹی فصل میں بچوں کی تادیب وتہذیب کا ذکر ہے۔

١٣ ...... علاوہ ازیں یہ کتاب مندرجہ ذیل امور کی بناء پر ممتاز درجہ رکھتی ہے۔

1 ...... شمولیت: یعنی یہ کتاب بچوں کی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتی ہے۔

2 ...... واقعیت: یعنی یہ کتاب فی الواقع ان ارشادات و ہدایات پر مشتمل ہے جو ہدایات رسول اللہ ﷺ نے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیں یا آنحضور ﷺ نے براہِ راست وہ ہدایات بچوں کو دیں، مغربی طرزِ تربیت کا ذکر نہیں کیا گیا جو محض سنے سنائے تجربات پر مبنی ہوتے ہیں۔

3 ...... عالمیت: یعنی یہ کتاب تمام مسلمان بچوں سے مخاطب ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں رہتے ہوں۔

4 ...... مساوات: یعنی اس کتاب کا روئے سخن ہر طرح کے بچے ہیں خواہ وہ مال دار ہوں یا نادار، حاکم کے بچے ہوں یا محکوم کے، گورے ہوں یا کالے۔

5 ...... **یکسانیت:** یعنی یہ کتاب بچوں کی تمام ضروریات کو پورا کرتی ہے اور ان کو حال و مستقبل میں متوازن زندگی گزارنے کے قابل بناتی ہے۔

6 ...... **رشتۂ وحدت:** چوں کہ مسلمانوں کے بچے چشمۂ نبوی ﷺ سے فیض یاب ہوتے ہیں، اس لیے اس کتاب سے ان کو فکری وشعوری اور اخلاقی وحدت حاصل ہوتی ہے۔

۱۴ ...... بحث و تحقیق کے چند مراحل ذکر کرتے ہوئے، یعنی جمع و ترتیب، تبویب (باب بندی)، اصولی طرزِ نگارش اور عمدہ ترتیب و ترکیب، اس سے بچوں کی شخصیت کی تعمیر ہوگی اور مشکلات حل ہوں گی اور جب تربیت کے وہ امور ان کے ذہنوں میں پیوست ہوں گے تو ان شاء اللہ العزیز وہ صحیح معنی میں مسلمان بچے کہلائیں گے۔

جب والدین نبوی ﷺ طرز پر بچوں کے سامنے اس پروگرام کو پیش کریں گے تو ان کا رول اور کردار ختم ہو جاتا ہے اور نتیجہ اور انجام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں رہ جاتا ہے۔ یعنی پھر تربیت اولاد کی ذمہ واری سے وہ عہدہ برآں ہو جاتے ہیں، کیونکہ انہوں نے تربیت کے ان اسالیب کو اختیار کیا جن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم کیا تھا یعنی پیغمبر خدا ﷺ کی اقتداء اور پیروی کا حکم، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ [الاحزاب: ۲۱]

”تحقیق رسول اللہ ﷺ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔“

نیز فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ [النساء: ۸۰]

''جو شخص پیغمبر ﷺ کا کہا مانتا ہے وہ یقیناً اللہ کا کہا مانتا ہے اور جو روگردانی کرے گا تو ہم نے آپ ﷺ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔''

کتاب کے اختتام پر والدین کی سہولت کے لیے چالیس احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے مخاطب والدین ہیں اور اس کے بعد چالیس ایسی احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں بچوں کے لیے ارشادات وہدایات ہیں، تاکہ بچے انہیں یاد کرسکیں۔

15 ...... آخر میں قارئین کی خدمت میں عرض ہے کہ بندہ اپنی یہ کاوش آپ کے سامنے پیش کررہا ہے جس کو تیار کرنے میں دس سال کا عرصہ صرف ہوچکا ہے، اس میں جو بھی درست بات مذکور ہے وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کا ثمرہ ہے اور جہاں کوئی غلطی اور نقص نظر آئے وہ دراصل میری کوتاہی کی وجہ سے ہے، بہرکیف! میں اپنی کم مائیگی اور عجز و ناتوانی کے باوجود اپنے مقصد تک پہنچا ہوں اور میں اپنی اس تربیتی کوشش کو بالکلیہ درست اور قطعی قرار نہیں دیتا اور نہ یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ یہ اللہ کا یا رسول ﷺ کا کوئی حکم ہے، اس لیے کہ یہ میری شان نہیں ہے، میرے لیے بس امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ یہ روایت کافی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ امیر لشکر کو تاکیدی حکم دیا کرتے تھے کہ ''جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ لوگ ارادہ کریں کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اتارو تو ایسا نہ کرو بلکہ ان کو اپنے حکم پر اتارو، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ کیا تم ان کے متعلق اللہ کے حکم کو ٹھیک ٹھیک پورا کر پاؤ گے بھی یا نہیں۔''

دانش مندوں کا قدیم قول ہے کہ ''جو شخص کتاب تصنیف کرتا ہے اسے نشانۂ ملامت بنایا جاتا ہے اگر اچھا لکھتا ہے تو مہربانی کا طالب ہوتا ہے اور اگر بُرا لکھتا ہے تو اسے مطعون کیا جاتا ہے۔'' (الحلل فی اصلاح الخلل)

آخر میں دِلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام معاونین اور محسنین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو اس روز اجر جزیل سے نواز دے جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد، بس وہی

شخص کامیاب ہوگا جو قلب سلیم لے کر بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوگیا۔

راقم الحروف ان تمام لوگوں کا بھی شکر گزار ہے جنہوں نے کوئی اچھی نصیحت کی یا کسی غلطی اور قصور پر مجھے متنبہ کیا اور مستفید ہونے والے قارئین سے بھی امید واثق ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں گے تا کہ فرشتے بھی ان دُعاؤں پر آمین کہیں کہ تمہیں بھی اس کے مثل حاصل ہو۔

کتبه الفقير الى الله تعالىٰ

محمد نور بن عبد الحفيظ سويد

غفر الله له ولوالديه وللمسلمين

كويت ١٢ ربيع الاوّل ١٤٠٤ھ بمطابق

١٥ دسمبر ١٩٨٣ء

کتاب کے عنوانات اور ان کی وضاحت

(۱)..... منہج: میم کے فتح اور کسرہ کے ساتھ بمعنی واضح راستہ، سوچی سمجھی اسکیم، اسی سے ماخوذ ہے لفظ منهاج الدراسة بمعنی نصابِ تعلیم اور منهاج التعليم بمعنی طریقۂ تعلیم۔ اس کی جمع مناهج آتی ہے۔ (المعجم الوسيط)

(۲)..... التربية: تربیت کے اصل معانی تین ہیں: (۱) رَبَا یَرْبُو بمعنی بڑھنا، اضافہ ہونا۔ (۲) رَبٰی یَرْبِیُ، خفي يخفي کے وزن پر بمعنی پرورش پانا (۳) رَبَّ یَرَبُّ، مَدّ یمدّ کے وزن پر بمعنی کسی کام کو ٹھیک کرنا اور ذمہ دار ہونا۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ: ''رب'' اصل میں تربیت کے معنی میں ہے، اور تربیت کا معنی ہوتا ہے کہ کسی چیز کو درجہ بدرجہ حد کمال تک پہنچانا، اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ بطورِ مبالغہ کے استعمال ہوتا ہے، اور امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''المفردات'' میں لکھتے ہیں کہ ''رب'' اصل میں تربیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور تربیت کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کی درجہ بدرجہ پرورش کر کے اسے حد کمال تک پہنچانا۔ (اصول التربية الاسلامية واساليبها ص ۱۲)

چنانچہ ان مذکورہ عبارات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ''تربیت'' دراصل بچہ کی تعمیری کاروائی کا نام ہے جو درجہ بدرجہ حد کمال تک پہنچتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تربیت میں اپنی مقدور بھر کوشش صرف کرنا اور ہر چیز کو اس کے مناسب محل اور موقع میں رکھنا اور بچے کو غفلت و لاپرواہی سے دور رکھتے ہوئے اس پر مسلسل نظر اور دیکھ بھال کرنا اور یہ کام درجہ بدرجہ ہو، یعنی جس چیز کا حصول (بالفرض) آج مشکل نظر آتا ہو تو ممکن ہے کہ اس چیز کا حصول کل کو آسان ہو جائے اور حد کمال تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تربیت اس حد
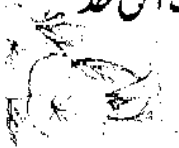
تک کی جائے کہ اس تک پہنچ کر وہ بچہ خود اللہ کی عطا کردہ شریعت پر عمل پیرا ہو جائے اور اپنا محاسبہ خود کر سکے اور تلاوتِ قرآن اور شریعت مطہرہ پر عمل کر کے اپنی مسلسل تربیت کر سکے۔

(۳)..... النبـــوّية: اس سے مراد ہر وہ قول، فعل اور تقریر ہے جس کا صدور سرورِ دوعالم ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے ہوا ہے اور جس کا تعلق خاص بچوں کی طفولیت کے مرحلہ سے ہے۔

(۴)..... للطفل: ''طفل'' کا لفظ بالغ ہونے تک کے بچہ پر بولا جاتا ہے اور مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے یہ لفظ (الطفل) استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع اطفال آتی ہے۔ (المعجم الوسیط)

اطفال کے مرحلہ سے مراد ولادت سے لے کر بالغ ہونے تک کا زمانہ ہے، لہٰذا اس ابتدائی مرحلہ کا آغاز طفولیت سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ [الحج: ٥] ''یعنی پھر ہم نے تم کو طفل کی صورت میں (پیٹ سے) باہر نکالا'' اور انتہائی مرحلہ کا آغاز بلوغ سے ہوتا ہے: جیسا کہ فرمایا: ﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ [النور: ٥٩] ''جب تمہارے اطفال بلوغ کی حد کو پہنچ جائیں تو ان کو اجازت لینی چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں نے اجازت لی۔''

(۵)..... غلمة: غلام کی جمع ہے بمعنی نوجوان لڑکا۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ غلام اس نوجوان لڑکے کو کہتے ہیں جس کی مونچھیں نکل آئی ہوں، اور مجازاً امرد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ (فیض القدیر ٦/٣٥٤، تفسیر کبیر ٢١/١٥٥)

(٦)..... الصّبيان: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''الصبيان'' صاد کے کسرہ کے ساتھ مشہور لغت ہے، ابن درید رحمۃ اللہ علیہ نے صاد کا ضمہ نقل کیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم، باب حکم بول الطفل)

لغت کی مشہور کتاب ''مختار الصحاح'' میں ہے کہ ''الصبّی'' کا معنی ہے غلام (لڑکا) اور اس کی جمع صبية و صبيان آئی ہے اور ''الجارية'' بمعنی صبیہ (بچی) اس کی جمع

صبایا آتی ہے، جیسے مطیة کی جمع مطایا آتی ہے۔ ابن نجیم نے "الاشباہ والنظائر" میں صبیان کے احکام کے باب کے ذیل میں لکھا ہے کہ جب تک بچہ شکم مادر میں ہو اسے جنین کہتے ہیں اور جب باہر آئے اور نر ہو تو اسے صبی کہتے ہیں، اور رجل کہتے ہیں جیسا کہ آیت میراث میں (مجازاً) بالغ ہونے تک، پھر انیس سال کی عمر تک کو غلام اور چونتیس سال کی عمر تک شاب، پھر اکاون سال کی عمر تک کھل اور پھر آخر عمر تک کے انسان کو شیخ کہتے ہیں۔ (غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ۳/۳۰۹) لغت کی کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے۔

اور اصطلاح شریعت میں بلوغ تک کو غلام اور اس کے بعد شاب، پھر تیس سال تک کو فتیٰ، پھر پچاس سال تک کو کھل اور پھر شیخ کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

❁❁❁❁

فصلِ اوّل:

والدین سے متعلق چند ہدایات

۱ ...... تمہید

بچہ اپنی زندگی میں سب سے پہلے اپنے گھر اور گھر کے افراد کو دیکھتا ہے اور ان کے حالات اور طرزِ زندگی کو دیکھ کر اس کے ذہن پر اس کی صورت نقش ہو جاتی ہے اور وہ اس ابتدائی ماحول کے منظر سے پوری طرح متاثر ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''بچہ اپنے والدین کے پاس امانت ہوتا ہے اور اس کا پاک دل ایسا خالص جوہر ہوتا ہے جو ہر قسم کے نقش اور صورت سے خالی ہوتا ہے اور جو چیز اس پر نقش ہو جائے اسے قبول کر لیتا ہے اور اسے جس چیز کی طرف مائل کیا جائے وہ مائل ہو جاتا ہے، پس اگر اُسے خیر کا عادی بنایا جائے گا اور خیر کی تعلیم دی جائے گی تو اس کی پرورش اسی کے مطابق ہوگی اور اس کے والدین دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں گے بلکہ اس کے تمام معلّمین اور مؤدبین سعادت مند ہوں گے اور اگر اُسے شر اور برائی کا عادی بنایا جائے گا اور جانوروں کی طرح مہمل اور بے کار چھوڑا جائے گا تو بدبخت اور برباد ہوگا اور گناہ کا سارا بوجھ اس کے ذمہ دار کی گردن پر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ یا تو اُسے یہودی بنا دیتے ہیں یا مجوسی اور یا پھر نصرانی بنا دیتے ہیں۔''

''دل و دماغ میں ہر وہ چیز پیوست کی جائے جس سے دین کا اصل جذبہ اور فضیلت حاصل ہو۔'' (انجع الوسائل)

۲ ...... تربیت کی ذمہ داری:

''اے بچوں کے کفیل! جب تمہیں بچہ کی تربیت کی ذمہ داری کا احساس نہ ہوگا تو مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم دگنے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور اس قیمتی جوہر کو بگاڑنے پر عبرتناک سزا سے دوچار نہ ہو جاؤ اور تم اس عام جرم میں سے اپنا مقررہ حصہ حاصل کر رہے ہو۔'' (السعادۃ العظمیٰ ص ۹۰)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تربیت کی مکمل ذمہ داری

والدین کے کندھوں پر ڈالی ہے، چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعایا کے امور کا مسئول (ذمہ دار) ہے، حاکم بھی نگران ہے اور وہ رعایا کے امور کا مسئول ہے اور آدمی بھی اپنے گھر کا نگران ہے اور اپنی رعایا کا مسئول ہے اور عورت بھی اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے اور اپنی رعایا کے امور کی مسئول ہے اور خادم بھی اپنے مالک کے مال کا نگران ہے اور اپنی رعایا کا مسئول ہے اور تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اپنی رعایا کا مسئول ہے۔'' (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارک میں ایک بنیادی ضابطہ بیان فرمادیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین کے دین کے مطابق پرورش پاتی ہے اور والدین اس پر بڑا گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح جانور صحیح سالم بچہ جنتا ہے، کیا تم اس میں کوئی مقطوع الاعضاء دیکھتے ہو؟'' اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ [الروم: ٣٠] ''اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کردہ چیز کو بدلنا نہ چاہیے، پس سیدھا اور درست دین یہی ہے۔''

(صحیح البخاری، باب ۸۰، ۹۳، صحیح مسلم، رقم: ۲۲، ۲۵، ابو داود، باب ۱۷)

نیز اللہ تعالیٰ نے والدین کو اولاد کی تربیت و اصلاح کا حکم دیا ہے اور ان کو اس کی ترغیب دی اور ان کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ [التحريم: ٦]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندخو مضبوط فرشتے متعین ہیں جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد مبارک ''قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: یعنی اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خیر کی (دین کی) تعلیم دو۔

(مستدرك الحاكم ٤/٤٩٤)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ''قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے ان سے باز آؤ۔ (التفسير الكبير ٣٠/٤٦)

امام مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی ادب سکھائے اور ان کو اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کرے۔

امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ ''تفسیر کشاف'' میں رقمطراز ہیں کہ ''قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو معاصی ترک کر کے اور طاعات بجالا کر دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو اس طرح بچاؤ کہ جیسے تم اپنا مؤاخذہ اور محاسبہ کرتے ہو اسی طرح ان کا بھی مؤاخذہ کیا کرو۔

معلوم ہوا کہ بچوں کی اصلاح و تربیت کا کام تندہی سے کرتے رہنا اور ان کو اچھے کاموں کا عادی بنانا انتہائی ضروری ہے اور یہی انبیاء و مرسلین کا راستہ ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ایمان کی طرف دعوت دی اور ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی وصیت کی۔ وغیرہ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''بستان العارفین ص ۴۵'' میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ

سے حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک بار داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی! تو میرے بیٹے کے لیے بھی ایسا ہو جا جیسے تو میرے لیے ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ میرے لیے ایسا ہو جائے جیسے تم میرے لیے ہو تو میں بھی اس کے لیے ایسا ہی ہو جاؤں گا جیسے میں تیرے لیے ہوں۔''

یہی وجہ ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "ایھا الولد" میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تربیت کا مفہوم اس کاشتکار کے کام سے مشابہت رکھتا ہے جو زمین سے کانٹے نکالتا ہے اور کھیت میں سے ناموزوں گھاس وغیرہ اکھاڑ ڈالتا ہے، تاکہ اس کی پیداوار اچھی بھی ہو اور مکمل طور پر بھی حاصل ہو۔

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس ذمہ داری کو پرزور انداز میں بیان کیا ہے اور اس پر انتہائی کارآمد گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''بعض اہل علم کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اولاد سے پہلے اس کے والد سے اس کی اولاد کے متعلق باز پرس ہوگی، کیونکہ جس طرح باپ کا اپنے بیٹے پر حق ہے اسی طرح بیٹے کا بھی اس کے باپ پر حق ہے، ارشاد فرمایا:

﴿وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ حُسۡنًا﴾ [العنکبوت: ۸]

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّ قُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ﴾

[التحریم: ٦]

''تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔''

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو تعلیم دو اور انہیں ادب سکھاؤ۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَیۡـًٔا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِی

الْقُرْبٰى﴾ [النساء: ٣٦]

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرو اور والدین اور قرابت داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

نیز حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اپنی اولاد کے درمیان مساوی سلوک کرو۔'' (صحیح الجامع الصغیر: ١٠٤٦)

اس سے پتہ چلا کہ اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو حکم والدین کو دیا ہے وہ اس حکم پر مقدم ہے جس میں اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا کہا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا﴾ [بنی اسرائیل: ٣١]

''اور اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کو قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے۔''

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''لہٰذا جو شخص اپنی اولاد کو مفید تعلیم دلانے سے غفلت برتتا ہے اور انہیں بے کار چھوڑے رکھتا ہے وہ بہت برا کام انجام دیتا ہے، اور عموماً بچوں کا بگاڑ ان کے والدین کی غفلت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ انہیں دین کے فرائض اور سنن کی تعلیم نہیں دلاتے، وہ بچپن میں اُنہیں برباد کرتے ہیں، پھر وہ خود بھی نفع نہیں اٹھاتے اور بڑے ہو کر بھی اپنے ماں باپ کے لیے مفید ثابت نہیں ہوتے، جیسا کہ ایک باپ نے نافرمانی پر اپنے بیٹے کی سرزنش کی تو بیٹا بولا کہ ابا جان! آپ نے بچپن میں میری نافرمانی کی تو میں نے بھی بڑے ہو کر آپ کی نافرمانی کی، آپ نے مجھے بچپن میں ضائع کیا تو میں نے بھی آپ کو بڑھاپے کی عمر میں ضائع اور برباد کر دیا۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ شادی اور اولاد کی تربیت کی ذمہ داری بہت اہمیت کی حامل ہے، قیامت کے روز انسان سے اس کے متعلق سوال جواب ہوں گے۔

چناں چہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے روز بندے کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے: کہ کیا میں نے تجھے کان، آنکھیں اور مال و اولاد عطا نہیں کیے تھے؟ اور چوپائے اور کھیت تمہاری خدمت میں نہیں لگا دیئے تھے اور تجھے خوشحال اور بلند مرتبہ نہیں بنایا تھا؟ پس کیا تو گمان رکھتا تھا کہ تجھے آج کے دن مجھ سے ملاقات کرنا ہے؟ وہ کہے گا کہ نہیں، اس پر اللہ تعالیٰ اس کو فرمائیں گے کہ جیسے تم نے مجھے فراموش کر دیا تھا آج میں بھی تجھے فراموش کرتا ہوں۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

''کیا میں نے تمہاری شادی نہیں کرائی تھی؟''

پس انسان کی نادانی اور عقل و شعور کے فقدان پر اس سے بڑی کیا شہادت ہوسکتی ہے جو اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے، وہ زمانہ جس میں بچہ اپنی عقل کی پختگی کی عمر کو پہنچتا ہے اور اس کا ذہن مختلف چیزوں کا منظر کھینچتا ہے وہ رجولیت کے دائرے کو کیسے منظم اور مرتب کرے گا اور حسن تربیت اسے سردار اور دانش مند کے قابل کیسے بنائے گی۔''

(السعادة العظمیٰ ص ۹)

بہرحال! حسن تربیت اولاد کا حق ہے، یہ کوئی ہدیہ یا ہبہ نہیں ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ ''اللہ نے اُن کا نام ابرار اس لیے رکھا ہے کہ انہوں نے والدین اور اولاد دونوں سے نیک سلوک کیا اور جیسے تیرے والد کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا بھی تجھ پر حق ہے۔'' (الادب المفرد)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''صحیح'' میں مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ

ہر نگران سے اس کی رعایا کی ذمہ داری کے متعلق سوال کریں گے کہ کیا اس نے حقوق کی محافظت کی یا انہیں ضائع کردیا؟ حتیٰ کہ آدمی سے اس کے گھر والوں کے متعلق بھی باز پرس ہوگی۔'' (دستور الاسرة فی ظلال القرآن، ص ۱۱۲)

مصنف عبد الرزاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''اللہ تعالیٰ ہر صاحب رعایا سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کریں گے کہ آیا اس نے اللہ کے حکم کو قائم کیا یا ضائع کر دیا؟ یہاں تک کہ آدمی سے اس کے گھر کے افراد کے متعلق بھی باز پرس ہوگی۔''

۳ ......تربیت یافتہ نیک عورت سے شادی کرنا:

یقیناً اسلام میں خاندان کے متعلق بھی احکام و ہدایات دیے گئے ہیں اور مسلمان کی گھریلو ذمہ داریوں پر بھی خوب روشنی ڈالی گئی ہے اور مسلمان گھرانہ، اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہے اور وہ ایسے اجزاء ہیں جن سے وہ مرکب ہوتا ہے۔ بچوں کی عملی تربیت ونگرانی میں ایسی نیک بیوی بڑی معاون ہوتی ہے جو اپنے کردار اور ذمہ داری سے واقف ہو اور اسے اچھے انداز سے انجام دیتی ہو، ایسی بیوی اس کام میں بنیادی رکن کی حیثیت رکھتی ہے بلکہ معاشرے کی حیات میں اس کا یہ کام ایک تاریخی کردار رکھتا ہے کہ وہ بسا اوقات ایسی اولاد کو جنم دیتی ہے جو معاشرہ کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بنتی ہے اور ساری امت کو خیر و بھلائی اور قوت و طاقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

مسلمان کا گھرانہ اس عقیدہ وفکر کا ایک قلعہ ہے جسے اپنی ذات میں بھی اور اندر سے بھی مضبوط ہونا بہت ضروری ہے کہ اس کا ہر فرد اس میں کوئی رخنہ اندازی نہ ہونے دیتا ہو، بصورتِ دیگر دشمن کا لشکر بہ سہولت اس قلعہ میں گھس آئے گا اور کسی حملہ آور کو روکنا بھی ممکن نہ ہوگا۔ مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ اس قلعہ کو اندر سے بھی محفوظ بنائے اور اس کی رخنہ بندی بھی کرتا رہے، قبل اس کے کہ وہ اس قلعہ سے کہیں دور چلا جائے۔

اور پھر مسلمان ماں باپ دونوں مل کر اس قلعہ کو محفوظ بنا سکتے ہیں، اکیلا مسلمان باپ یہ

کام نہیں کرسکتا، دونوں بچوں اور بچیوں کی دیکھ بھال کریں گے، مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی معاشرہ کی تشکیل میں کردار ہوتا ہے عورتیں اولاد کی پرورش کی نگران مقرر کی گئی ہیں جو مستقبل کی بنیاد اور ثمرہ ہے۔

اسلام کے مبلغین حضرات کو اس امر کا ادراک کرنا چاہیے اور اس بات کو خوب سمجھنا چاہیے۔

''پہلی کوشش کا رخ اپنے گھر، بیوی اور مال کی طرف ہو پھر اولاد کی طرف، اس کے بعد دیگر افراد کی طرف، اور مسلمان گھرانے کے لیے ان کو صحیح معنی میں مسلمان بنانا بہت ضروری ہے اور اس کا خوب اہتمام کرنا لازمی ہے یعنی جو شخص مسلمان گھرانہ کی بناء پر تعمیر کی خواہش رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس کے لیے اولاً مسلمان بیوی کی تلاش کرے، ورنہ اسلامی معاشرے کی بنا مؤخر ہو جائے گی اور بنیادیں بھی کمزور ہوں گی اور اس میں شگاف بھی بہت زیادہ پیدا ہوں گے۔''

(سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ١٦٣٦)

بہترین بنیاد جس پر کسی عورت سے نکاح کیا جاسکتا ہے وہ عورت کا نیک و متقی ہونا ہے، ایسی عورت، آنکھوں کی بھی ٹھنڈک اور اپنی ذات اور خاوند کے مال اور اولاد کی تربیت کے معاملہ میں بھی امانت دار ہوتی ہے۔ ایسی عورت اولاد کو کھانے کے ساتھ ایمان کی غذا بھی فراہم کرتی ہے اور دودھ پلانے کے ساتھ ساتھ اس میں اچھی صفات پیدا کر دیتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام کے تذکرے سناتی ہے جس سے اس میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور مرتے دم تک اسلام کی محبت دلوں میں جاگزیں رہتی ہے اور قاعدہ ہے کہ انسان ان ہی صفات پر قائم رہ کر عمر رسیدہ ہوتا ہے جن پر وہ نشو ونما پاتا ہے اور والدین کی صفات ان کی اولاد میں ضرور منتقل ہوتی ہیں۔

''عام طور پر اولاد میں تقویٰ و پرہیز گاری کا ظہور والدین یا ان میں سے کسی ایک کی وجہ سے ہوتا ہے یا چچا یا ماموں کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک ارشادِ

نبوی ﷺ میں اسی پر متنبہ کیا گیا ہے جسے ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے نطفہ کے لیے اچھا انتخاب کرو، کیوں کہ عورتیں اپنے بھائی بہنوں کے مشابہ پیدا ہوتی ہیں۔" (رحمة الاسلام بالنساء ص ٤٠-٤١)

دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"اپنے نطفہ کے لیے نیک جگہوں کا انتخاب کرو۔"

"خاوند کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی میں تہذیب و صلاح کو بھی تلاش کرے، کیونکہ یہ چیز تدبیر منزل اور اولاد کی صالح تربیت میں بڑی معین ہوتی ہے اور عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مناسب طریقہ پر جتنے چاہے علوم اور ان میں کمال حاصل کرے اور مرد و عورت شعر کے بیت کی طرح ہیں، شعر کے بیت میں یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ اس کا ایک حصہ تو مضبوط ہو اور دوسرا کمزور۔"

(دراسات فی الشريعة الاسلامية ص ٩٨)

نیز رسول اللہ ﷺ نے قریش کی عورتوں کی تعریف فرمائی ہے جو اپنی اولاد کے ساتھ شفقت و مہربانی اور اپنے شوہروں کا خیال رکھتی تھیں۔ چناں چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"بہترین عورتیں جو اونٹوں پر سواری کرتی ہیں وہ قریش کی نیک عورتیں ہیں جو اولاد پر بچپن میں انتہائی شفیق و مہربان ہوتی ہیں اور شوہر کے معاملہ میں خوب دیکھ بھال کرتی ہیں۔"

عورت کا اپنے بچوں کی عملی تربیت اور اپنے شوہر کی خدمت کرنا ایسی چیز ہے جو اسے بلند درجات تک پہنچا دیتی ہے، اور اسے بلند و باکمال خواتین کی صف میں لا کھڑا کر دیتی ہے اور اس کا یہ عمل جہاد کے برابر ہے جو کوئی مرد کسی معرکہ میں انجام دیتا ہے، نیز مسجدوں میں نماز جمعہ پڑھنے کے برابر ہے۔

جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ''صحیح مسلم'' میں یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''اسماء بنت یزید بن السکن رضی اللہ عنہا، بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں مسلمان عورتوں کی طرف سے قاصد بن کر آئی ہوں، سب میری طرح ایک ہی بات کہہ رہی ہیں اور میری طرح ان سب کی بھی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے، پھر ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لائے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بھی کی، (لیکن) ہم پردہ نشیں عورتیں گھروں میں محصور ہیں، جبکہ مرد حضرات کو جمعہ کی نماز، جنازے کی نماز اور جہاد وغیرہ میں شرکت کی وجہ سے ہم پر فضیلت حاصل ہوگئی، ہم ان کے مال کی دیکھ بھال کرتی ہیں، ان کی اولاد کی تربیت کرتی ہیں تو آیا ہم اجر وثواب میں ان کے ساتھ شریک ہوں گی یا نہیں یارسول اللہ! (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ''کیا تم نے اس عورت کی بات کو سنا، اس سے زیادہ اچھے انداز میں اپنے دین کے بارے میں کوئی سوال کرنے والا دیکھا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ نہیں، یارسول اللہ! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماء! واپس جاؤ اور ان عورتوں کو جا کر یہ بتاؤ کہ تمہارا اپنے شوہر کے ساتھ حسن اطاعت اور اس کی رضا جوئی اور موافقت کی اتباع ان تمام چیزوں کے برابر ہے جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔''

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ تو بیوی کے انتخاب کو اولاد کا حق قرار دیتے ہیں، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے اقتباس کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''اولاد کا اولیں حق یہ ہے کہ اس کی ماں کا انتخاب کرے اور اولاد کے طالب ہونے سے قبل اس بات کا انتخاب کرے کہ وہ خوبصورت، شریف، دیانت دار، پاک دامن، اور اپنے امور کی عقلمند، پسندیدہ اخلاق کی حامل، حسن عقل اور کمال

عقل میں آزمودہ اور تمام امور واحوال میں خاوند کی ہم نوا ہو۔''

(نصيحة الملوك ص ١٦٢)

رسول کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نظر انتخاب کو برقرار رکھا اور اسے درست قرار دیا، جب انہوں نے اپنی اولاد کے ساتھ اپنی چھوٹی بہنوں کی تربیت کی خاطر بھی ثیبہ (غیر کنواری) سے نکاح کیا۔ چناں چہ ائمہ خمسہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث نقل کی ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تم نے کنواری عورت سے نکاح کیا ہے یا غیر کنواری (ثیبہ) سے؟ تو انہوں نے کہا کہ کنواری سے نہیں، بلکہ ثیبہ سے نکاح کیا ہے، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ''تم نے کنواری عورت سے کیوں نہیں نکاح کیا کہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے والد فوت ہو چکے ہیں اور میری چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں، اس لیے مجھے اچھا نہ لگا کہ میں ان بہنوں کی ہم عمر کسی لڑکی سے نکاح کروں جو ان کو نہ ادب سکھا سکے اور نہ ہی ان کی دیکھ بھال کر سکے، اس لیے میں نے ثیبہ سے نکاح کیا تا کہ وہ ان کی بھی دیکھ بھال کرے اور انہیں ادب بھی سکھائے۔'' (تيسير الوصول ٦٢/١)

اسی بناء پر شوہر کے حوالہ سے عورت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صبر وتحمل اور رحم وشفقت کے ساتھ اپنے خاوند کی اولاد کی تربیت بحسن وخوبی بجالائے، خاوند کے سامنے اپنی اولاد پر غصے نہ ہو اور نہ ان کو بُرا بھلا کہے اور نہ ہی بددعائیں دے اور نہ ہی مارے کیونکہ بسا اوقات ان چیزوں سے خاوند کو تکلیف پہنچتی ہے اور بعض اوقات ایسی بددعائیں پوری بھی ہو جاتی ہیں جس سے عظیم نقصان اور آفت ومصیبت آسکتی ہے۔ (المرأة المسلمة ص ١٥٣)

بہر حال! نیک بیوی ہی حقیقی خزانہ ہے جسے آدمی دنیا وآخرت میں جمع کرتا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ﴾ [التوبہ: ٣٤] اس وقت ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے تو آپ ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ یہ آیت

سونے اور چاندی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، پس اگر ہمیں معلوم ہو جائے کون سا مال زیادہ بہتر ہے تو ہم اسے ضرور حاصل کریں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل اور بہتر ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور وہ نیک بیوی ہے جو مومن کی اس کے ایمان پر مددگار ہوتی ہے۔''

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر اس کا نزول بڑا گراں گزرا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں تمہاری پریشانی دور کرتا ہوں، چنانچہ وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ آیت آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر بڑی گراں بار ہوئی ہے (اس پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے تاکہ تمہارے بقیہ مال پاک کردے اور میراث کی فرضیت اس لیے ہوئی تاکہ تمہارے بعد والے اس کے وارث ہوں'' (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا، پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: ''کیا میں تمہیں وہ خزانہ نہ بتادوں جو انسان جمع کرتا ہے وہ نیک بیوی ہے کہ جب خاوند اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اسے خوش کرتی ہے اور جب اسے حکم دیتا ہے تو اس حکم کو بجالاتی ہے اور جب کہیں چلا جاتا ہے (یعنی عدم موجودگی میں) اس کی حفاظت کرتی ہے۔''

اے اللہ مسلمانوں کی بیویوں کو بھی ایسا ہی بنادے کہ وہ نیک و صالح بھی ہوں، خاوند کی انتہائی اطاعت گزار بھی ہوں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی امانت کی دیکھ بھال اور حفاظت کرتی ہوں۔

[۴] ...... بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب:

بچوں کی عملی تربیت میں ان پر خرچ کرنے کا بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے، خصوصاً جب اس تربیت کا سرچشمہ شریعت مطہرہ ہو، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ﴾ (الطلاق : ۷) ''وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔'' لہٰذا اس میں نہ اسراف ہو نہ تبذیر اور نہ ہی بخل و کنجوسی، بلکہ اعتدال اور میانہ روی سے خرچ کیا جائے، بلکہ یہ چیز بھی

نشوونما پانے والے بچہ کی تربیت میں شامل ہے کہ وہ بھی گھر کے معاملات کو اچھے انداز میں مقدور بھر خرچ کے مطابق چلائے گا۔

بہت سی احادیث مبارکہ اولاد پر خرچ کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور یہ کہ اسے اس عمل پر اجر بھی دیا جاتا ہے بلکہ اسے افضل ترین صدقہ قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک وہ دینار جسے تم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہو، اور ایک وہ دینار جسے تم غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کرتے ہو اور ایک وہ دینار جسے تم کسی فقیر و مسکین پر خرچ کرتے ہو اور ایک وہ دینار جسے تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے ہو، ان سب میں عظیم ترین وہ ہے جسے تم اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے ہو۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اپنے گھر والوں پر جو کچھ خرچ کرتے ہو اس پر تمہیں اجر ملے گا، یہاں تک کہ وہ لقمہ جسے تم اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو، اس پر بھی اجر ملے گا۔''

(مسند ابی یعلی ۲/ ۸۱ بسند صحیح، مسند احمد ۱/ ۱۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''کم مایہ آدمی کا طاقت کے بقدر خرچ کرنا اور اس کی ابتداء اپنے زیر پرورش بچوں سے کرو۔'' (مستدرك الحاكم ۱/ ٤١٤، مسند احمد ۲/ ٤-٩٤)

نیز امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسنادِ جید کے ساتھ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو چیز تم اپنے آپ کو کھلاؤ وہ تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو چیز تم اپنی اولاد کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تم اپنی بیوی کو کھلاؤ وہ بھی

تمہارے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تم اپنے خادم کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے۔"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مسند" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص رنج وغم کی حالت میں وفات پاتا ہے تو اس کا مرتبہ اللہ کے ہاں جہاد فی سبیل اللہ میں ہزار بار شمشیر زنی سے زیادہ افضل ہے۔"

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: "رنج وغم کی حالت" سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا غمزدہ ہو کہ اس کا دل مغموم ہو جس کا سبب عیال (کی کثرت) اور کسب حلال ہو جو کہ اہل کمال کے نزدیک فرضِ عین ہے، تو ایسا شخص ایسی حالت میں ایسے جہاد میں ہزار بار شمشیر زنی سے افضل ہوتا ہے جو کہ عام حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے۔

قضاعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "الحلیۃ" میں نقل کیا ہے کہ "حلال مال کی طلب جہاد ہے۔"

اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ "حلال مال کی طلب ایک فریضہ ہے۔"

اور دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ "حلال مال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔"

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ "جو شخص طلب حلال میں درماندہ ہو کر فوت ہو جائے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انسان کے گنہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو ضائع اور برباد چھوڑ کر مرجائے۔" (شرح مسند ابی حنیفہ ص ٦٢)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت بھی اپنے صاحبزادے کو اپنی اولاد کے لیے کسب

حلال کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الزہد'' میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی کسی گلی میں چلے جا رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر ایک بچی پر پڑی جو کبھی اٹھتی اور کبھی بیٹھتی تھی، آپ نے کہا کہ ہائے اس کی یہ حالت غیر! یہ بچی کس کی ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اے امیر المومنین! یہ آپ کی ہی ایک بیٹی ہے، آپ نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ اپنا مال اس کو نہیں دیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم عاجز آگئے کہ جب میں نے اپنے پاس سے اس کو نہیں دیا تو تم خود اس کے لیے کماؤ، جس طرح دوسرے لوگ اپنی بچیوں کے لیے کسب معاش کرتے ہیں؟ خدا کی قسم! تمہارے لیے میرے پاس وہی کچھ ہے جو عام مسلمانوں میں سے کسی آدمی کے لیے ہوسکتا ہے اور میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب (فیصلہ کرنے والی) ہے، حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ جھگڑا کیا۔'' (الزھد والرقائق، ص ۳۷۵)

بیوی کے خرچ کرنے پر ثواب کا تذکرہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوکر مسجد میں موجود عورتوں کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے کھڑے ہوکر فرمایا:

''اے عورتوں کی جماعت! میں نے ناقص العقل اور ناقص الدین ہونے کے باوجود تم سے زیادہ کسی اور کو عقلمند اور ہوشیار آدمیوں کے دلوں (عقلوں) کو اچکنے والا نہیں دیکھا، میں نے دیکھا ہے کہ تم قیامت کے روز (دوسروں سے) زیادہ جہنم میں جانے والی ہو، لہٰذا تم حتیٰ المقدور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو، ان عورتوں میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی بھی موجود تھیں وہ فوراً عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس گئیں، اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سنایا۔ پھر اپنے زیورات لیے، ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہنے لگے کہ تم یہ زیورات کہاں لے جا رہی ہو؟ بیوی نے کہا کہ میں اس کے ذریعہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب حاصل کروں

گی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تیرا ناس ہو! ادھر لاؤ، یہ مجھ پر صدقہ کردو اور میرے بچوں پر، ہم اس کے مستحق ہیں، بیوی نے کہا کہ نہیں، جب تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر نہ ہوجاؤں (اور ان سے مسئلہ دریافت نہ کرلوں، تمہیں نہیں دے سکتی) چنانچہ وہ گئیں اور وہاں پہنچ کر اجازت چاہی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ زینب ہے، اندر آنے کی اجازت چاہتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ کون سی زینب ہے؟'' لوگوں نے بتایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دی تو وہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تو ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس جاکر میں نے وہ بات ان کو بتائی اور پھر اللہ تعالیٰ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کچھ زیورات لیے اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے جہنم والوں میں سے نہ بنادے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہما کہنے لگے کہ تم یہ زیور مجھ پر اور میرے بچوں پر صدقہ کردو، ہم بھی اس کے مستحق ہیں میں نے جواب میں کہا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل نہ کرلوں گی میں آپ پر صدقہ نہیں کرسکتی، (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ زیور اس پر اور اس کے بچوں پر صدقہ کردو، کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں۔''

(صحیح ابن خزیمہ ٤/١٠٦) و اسنادہ صحیح)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہما سچ کہتے ہیں: تمہارے شوہر اور تمہاری اولاد تمہارے صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''ہاں، ان دونوں پر خرچ کرنے کا دوہرا اجر ہے، ایک قرابت داری کا اجر اور دوسرا صدقہ کرنے کا اجر۔''

۵......اسلامی شادی کے اہداف و مقاصد:

اسلامی شادی سے مقصود زوجین کی جنسی تسکین نہیں ہے، گو یہ ثانوی درجہ کا ہدف اور مقصد ہے جو جسم کے محرکات کو پورا کرنے کے لیے ہوتا ہے جبکہ اسلامی شادی سے اعلیٰ اہداف و مقاصد مطلوب ہوتے ہیں جن سے اہم ترین یہ ہیں:

۱: **مسلمانوں کی تعداد کو بڑھانا اور رسول اللہ ﷺ کے دل کو خوش کرنا:** چنانچہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی، حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے حسن و جمال والی عورت (نکاح کے لیے) ملتی ہے مگر وہ بانجھ ہے کیا میں اس سے شادی کرلوں'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں'' پھر دوسری بار حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے پھر منع فرمایا، تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو کہ میں دوسری امتوں پر تمہاری کثرت کے بل بوتے فخر کروں گا۔'' (رواہ ابو داود والنسائی)
ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سنت پر عمل نہیں کرتا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور تم شادی کیا کرو کہ میں قیامت کے روز دوسری امتوں پر تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔''

۲: **پاکدامنی اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا:** جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''تمہارا اپنی بیوی سے مباشرت کرنا بھی صدقہ ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ تو اپنی خواہش کو پورا کرتا ہے تو کیا اس پر بھی اسے اجر ملے گا! آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم مجھے بتاؤ کہ اگر وہ حرام جگہ پر اپنی خواہش کو پورا کرے تو کیا اس پر گناہ کا بوجھ نہ ہوگا؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ کیوں نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''بس اسی طرح اگر وہ حلال جگہ پر اپنی خواہش کو پورا کرے گا تو اس پر اسے اجر ملے گا۔''
(رواہ مسلم والنسائی واحمد)

مسلم نسل کی تخلیق: جیسا کہ عملِ مباشرت کے وقت نیک اولاد کے حصول کی نیت کی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری میں "باب من طلب الولد للجهاد" کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(ایک دن) سلیمان علیہ السلام نے (اپنے دل میں) کہا کہ آج رات میں ننانوے یا سو بیویوں کے پاس جاؤں گا، ہر عورت ایک شہسوار پیدا کرے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، (اس پر) ان کے ساتھی نے ان سے کہا کہ ان شاء اللہ کہو، لیکن انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا، جس کا اثر یہ ہوا کہ صرف ایک عورت (بیوی) حاملہ ہوئی، وہ بھی ادھورا بچہ لائی (جنم دیا)، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب کے سب شہسوار بن کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''فتح الباری'' ۲۷۷/۲ پر "باب من طلب الولد للجهاد" کے تحت رقمطراز ہیں کہ ''یعنی مباشرت کے وقت اولاد کے حصول کی نیت کرے تا کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور اس پر اسے اجر حاصل ہو، اگرچہ یہ بات واقع نہ ہو۔''

ابوالحسن الماوردی رحمۃ اللہ علیہ اسی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''جماع کے موقع پر اولاد کی نیت کرے اور شیطان مردود سے پناہ مانگے اور اولاد کے متعلق یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسی اولاد عطا فرمائے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ہاتھوں مخلوق کی اصلاح اور حق بات کا قیام اور سچائی کی تائید بندوں کی منفعت اور شہروں کی تعمیر کا سامان ہو۔'' (نصيحة الملوك ص ٦٦)

انسان کی نسل و اولاد کا قائم رکھنا: امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوحفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اولاد کے حصول کو ترک نہ کرے، کیونکہ آدمی جب فوت ہو جاتا ہے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔'' (المجمع ٢٥٨/٤)

قابل توجہ امر یہ ہے کہ دورِ حاضر میں دنیائے کفر اور ان کے ہم نوا مسلمان بھی مسلمانوں کو تحدیدِ نسل پر آمادہ کرتے ہیں اور ان کے افکار و خیالات کو بدلتے ہیں جبکہ اس کے بالمقابل کفار کی نسل بڑھانے پر حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح مسلمانوں کی تعداد کم ہوجائے گی اور کفار کی تعداد زیادہ ہوجائے گی۔ اسی مقصد کی خاطر حضور نبی کریم ﷺ نے نسل بڑھانے پر مسلمانوں کو ابھارا ہے تاکہ مسلمان عزت اور قوت حاصل کرسکیں۔ چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی گھر میں جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا ہے تو گھر والوں کو وہ عزت ملتی ہے جو اس سے پہلے انہیں حاصل نہیں تھی۔'' (رواہ الطبرانی فی الاوسط، المجمع ۸/۱۵۵)

[۶] ...... کامیاب مربی کی صفات:

چند بنیادی صفات ایسی ہیں کہ مربی ان سے موصوف ہو تو عملی تربیت میں بڑی مدد حاصل ہوسکتی ہے، بشری کمال تو اللہ کے پیغمبروں کو ہی حاصل ہوتا ہے، لیکن انسان اپنی مقدور بھر طاقت اور کوشش کرسکتا ہے کہ حتی الوسع اپنی ذات کو بھی ملحوظ رکھے اور اس کی صورت یہ ہے کہ عمدہ اخلاق اور کریمانہ صفات اپنے اندر پیدا کرے، بالخصوص جب وہ تربیت کے میدان میں پیشوا کی حیثیت رکھتا ہو کہ نئی نسل اُسے اپنا مربی اور اپنا رہبر خیال کرتی ہو۔ ذیل میں ایسی چند صفات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے حصول کی مربی کو کوشش کرنی چاہیے۔

[۱]: تحمل اور بردباری اور آہستہ روی: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشج عبد القیس سے فرمایا: ''تمہارے اندر دو ایسی صفات موجود ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور وہ ہیں حلم و بردباری اور ہر کام میں آہستہ روی اختیار کرنا۔''

یہاں ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے جس سے نئی نسل کے اخلاق کی تعمیر میں ان دو صفات، حلم و بردباری اور آہستہ روی کی اہمیت پر خوب روشنی پڑتی ہے:

''عبد اللہ بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن مامون کے پاس بیٹھا تھا کہ

اس نے خادم کو آواز دی کہ اے غلام! کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے دوبارہ زور سے آواز دی کہ اے غلام! تو ایک ترکی غلام آیا اور وہ کہہ رہا تھا کہ کیا غلام کے لیے کچھ کھانا پینا بھی نامناسب ہے؟ جب سے ہم آپ کے پاس سے ہوکر باہر آئے ہیں، آپ یہی چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ اے غلام، اے غلام، (یہ سن کر) مامون نے کافی دیر تک اپنا سر جھکائے رکھا، مجھے یقین ہو چلا کہ وہ مجھے اس غلام کی گردن اڑانے کا حکم دیں گے، تھوڑی دیر کے بعد میری طرف دیکھا اور کہا کہ اے عبد اللہ! انسان جب اپنے اخلاق کو سنوارتا ہے تو اس کے خادموں کے اخلاق بگڑنے لگتے ہیں، ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ اپنے خادموں کے اخلاق کی اصلاح و بہتری کے لیے اپنے اخلاق بگاڑ لیں۔"

(تربیۃ الاولاد فی الاسلام ۲/۲۸۵)

[۲]: نرم برتاؤ کرنا اور سختی سے اجتناب کرنا: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرم برتاؤ کرنے والے ہیں۔ نرم روی کو پسند کرتے ہیں اور نرم برتاؤ کرنے پر وہ اجر عطا کرتے ہیں جو سخت روی پر عطا نہیں کرتے، نیز جو اس کے ماسوا پر عطا نہیں کرتے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والے ہیں اور تمام کاموں میں نرم روی کو پسند کرتے ہیں۔" (متفق علیہ)

نیز ان ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس کام میں بھی نرم روی ہوتی ہے وہ کام خوبصورت ہو جاتا ہے اور جس چیز سے بھی نرم روی کو نکال دیا جائے گا وہ چیز عیب دار ہو جائے گی۔" (رواہ مسلم)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

''جو شخص نرم روی سے محروم رہا وہ ساری خیر سے ہی محروم رہا۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اے عائشہ! نرمی کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ کو جب کسی گھر کے افراد کے ساتھ خیر و بھلائی کرنا منظور ہوتا ہے تو نرم روی پر ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔''

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ:

''جب اللہ تعالیٰ کو کسی گھرانہ کے ساتھ کوئی خیر و بھلائی کرنا منظور ہوتا ہے تو ان میں نرم روی کو پیدا کر دیتے ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم عشاء کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھ رہے تھے کہ دورانِ نماز جب آپ ﷺ سجدہ میں گئے تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما کود کر آپ ﷺ کی کمر مبارک پر بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے جب سر مبارک اٹھایا تو ان کو پکڑا اور آرام سے ایک طرف کو کر دیا، جب دوبارہ سجدہ میں گئے تو ان دونوں نے دوبارہ ایسا ہی کیا، جب نماز پڑھ لی تو آپ ﷺ نے ایک کو ایک طرف اور دوسرے کو دوسری طرف کر دیا، میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں ان دونوں کو ان کی اماں کے پاس نہ لے جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں'' پھر اچانک بجلی سی چمکی تو آپ ﷺ نے (بچوں سے) فرمایا کہ ''جاؤ اپنی ماں کے پاس'' چنانچہ وہ دونوں اس کی روشنی میں چلتے چلتے گھر میں داخل ہو گئے۔'' (مستدرك الحاكم ۱۶۷/۳)

محترم قارئین! اب ہم ایک انوکھا قصہ بیان کرتے ہیں، تاکہ ہمیں اسلاف کا تعامل اور ان کے تحمل کا پتہ چل سکے، منقول ہے کہ حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک غلام مٹی کے بنے ایک لوٹے سے ان پر پانی انڈیل رہا تھا کہ اچانک وہ لوٹا زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں پر گر کر ٹوٹ گیا اور پاؤں زخمی ہو گیا، غلام نے فوراً کہا کہ اے میرے آقا! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ [آل عمران: ۱۳۴] ''اور وہ غصہ کو پی جانے والے ہیں۔''

زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اپنے غصہ کو پی لیا، پھر اس غلام نے (اگلا جملہ) پڑھا، ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ ''یعنی وہ لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے ہیں۔'' زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری خطا سے درگزر کردیا، غلام نے کہا کہ اس کے بعد ارشاد ہے کہ ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''یعنی اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔'' زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''تم اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہو۔''

(تربیۃ الاولاد ۲/۲۸۵)

۳: مہربان دل: ابوسلیمان مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور ہم نوجوان قریب العمر تھے، بیس روز تک ہم نے قیام کیا (اس عرصہ میں ہم نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی رحیم اور مہربان پایا، پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ ہمیں اپنے گھر جانے کا شوق ہوا ہے تو ہم سے پوچھا کہ گھروں میں کن کو چھوڑ کر آئے ہو؟ ہم نے ساری بات بتائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے گھر واپس جاؤ اور ان میں قیام کرو اور ان لوگوں کو دین سکھاؤ اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور فلاں وقت میں فلاں نماز اور فلاں وقت میں فلاں نماز پڑھو اور جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور تم میں سے جو (عمر میں) بڑا ہو وہ نماز پڑھائے۔'' (متفق علیہ)

امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر درخت کا ایک پھل ہوتا ہے اور دل کا پھل اولاد ہے، جو شخص اپنی اولاد پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جنت میں رحم کرنے والا ہی داخل ہوگا'' ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! رحم تو ہم میں سے ہر ایک کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''رحم یہ نہیں ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنے صاحب (ساتھی) پر رحم کرے بلکہ رحم یہ ہے کہ تمام لوگوں پر رحم کرتا ہو۔''

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک بار) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک

عورت پر پڑی جس کے ساتھ دو بچیاں تھیں، اس نے ایک کو اٹھا رکھا تھا اور دوسری بچی کو آگے آگے چلا رہی تھی، (اسے دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ مائیں بچے اٹھانے والی اور رحم کرنے والی ہیں اگر ان کا سلوک اپنے شوہروں کے ساتھ اچھا ہوتا تو ان میں نماز پڑھنے والیاں جنت میں داخل ہوجاتیں۔'' (مستدرك الحاكم ٤/١٧٣)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی اس کے ساتھ دو بچے تھے، آنحضور ﷺ نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں تو اس عورت نے دونوں بچوں کو ایک ایک کھجور دے دی، پھر ایک بچہ رونے لگا تو کھجور کو دو ٹکڑے کیا اور ہر ایک کو آدھی آدھی دے دی (اس پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ مائیں بچوں کو اٹھانے والی ہیں اور اپنی اولاد پر رحم کرنے والی ہیں، اگر ان کا سلوک اپنے خاوندوں کے ساتھ اچھا ہوتا تو ان میں نماز پڑھنے والیاں جنت میں داخل ہوجاتیں۔'' (مستدرك الحاكم ٤/١٧٤)

④: آسان صورت کو اختیار کرنا جبکہ وہ گناہ کا کام نہ ہو: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کے اختیار کا کہا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں آسان ترین کام کو اختیار کیا جبکہ وہ کام گناہ کا نہ ہو، اگر گناہ کا ہوتا تو آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ دور رہتے، اور رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا، البتہ اگر اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو پھر اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لیتے۔'' (متفق عليه)

⑤: نرم خوئی اور نرم مزاجی: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں ایسا شخص نہ بتاؤں جس پر دوزخ کی آگ حرام ہے؟ (تو سنو) ہر ایسے شخص پر دوزخ کی آگ حرام ہے جو نرم خو اور نرم مزاج ہو۔''

(رواه الترمذی، وقال حديث حسن)

۶: غصہ سے پرہیز کرنا: بچوں کی عملی تربیت میں غصہ اور جنونی اشتعال منفی اثرات رکھتا ہے، بلکہ معاشرتی پہلو سے بھی اس کے اثرات منفی ہوتے ہیں، جب انسان اپنے غیظ و غضب پر قابو پالے تو یہ اس کے لیے بھی فلاح کا ذریعہ ثابت ہوگا اور اس کی اولاد کے لیے بھی، بصورتِ دیگر معاملہ برعکس ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ نے اس آدمی کو جس نے اپنے لیے خاص طور پر وصیت کا سوال کیا تھا، تین مرتبہ یہی جواب دیا کہ "لا تغضب" یعنی غصہ مت کر۔"

(رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ)

نیز آنحضور ﷺ نے غصہ پر قابو پانے کو اصل بہادری قرار دیا۔

چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے۔'' (متفق علیہ)

نیز مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زین العابدین بن حسن رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کو دو مرتبہ بلایا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا، (جب غلام حاضر ہوا تو) زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ کیا تم نے میری آواز نہیں سنی؟ غلام نے جواب دیا کہ ہاں، سنی تھی، آپ نے فرمایا کہ پھر تم نے میری آواز پر جواب کیوں نہیں دیا؟ اس نے کہا کہ آپ سے کوئی خطرہ نہیں، میں آپ سے مطمئن اور بے خوف ہوں، اور مجھے آپ کے اخلاق کی پاکیزگی معلوم تھی، اسی لیے میں نے سستی سے کام لیا، (اس پر) زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ الحمد للہ! کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میرے غلام کو مجھ سے بے خوف رکھا۔ (تربیۃ الاولاد ۲/۳۵۲)

۷: اعتدال اور میانہ روی: حد اعتدال سے تجاوز کرنا ہر کام میں ناپسندیدہ ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دین کے کاموں میں اعتدال کو پسند کرتے تھے، جب دینی امور میں یہ حال ہے تو زندگی کے باقی امور میں کیا حال ہوگا، جن میں اہم ترین بچوں کی عملی تربیت ہے۔

چنانچہ حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمر البدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز میں لیٹ ہو جاتا ہوں، کیونکہ وہ طویل نماز پڑھاتا ہے، پس میں نے حضور ﷺ کو اس دن جس قدر غصہ میں دیکھا اس سے پہلے کبھی کسی وعظ و نصیحت میں غصہ کی حالت میں نہیں دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! تم میں سے بعض لوگ نفرت پھیلانے والے ہیں، تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے اسے مختصر نماز پڑھانی چاہیے، کیونکہ اس کے پیچھے بوڑھے اور بچے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔'' (متفق علیہ)

[۸]: **وعظ و نصیحت سے نگہداشت کرنا:** بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ زیادہ گفتگو سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ ہر وقت پند و نصیحت کی جائے، جبکہ اس کے برعکس وقفے وقفے سے وعظ و نصیحت کرنا اور اس سے بچوں کی نگہداشت کرنا مفید اور کارآمد ثابت ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''جو شخص فقہ کی طلب اور خواہش نہ رکھتا ہو اس سے فقہ بیان نہ کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی یہ نکتہ حضور اکرم ﷺ کے عمل سے سمجھا تھا۔

چنانچہ ابو وائل شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو ایک بار ہمیں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے، کسی نے ان سے عرض کیا کہ اے ابو عبد الرحمٰن! میری خواہش ہے کہ آپ ہر روز ہمیں پند و نصیحت کیا کریں، (اس پر) ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''مجھے اس بات سے یہ چیز مانع ہے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تمہیں ملول خاطر (اکتاہٹ) کروں اور میں وعظ و نصیحت سے تمہاری نگہداشت کروں گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری اکتاہٹ کے اندیشہ سے وعظ و نصیحت کے ذریعہ ہماری نگہداشت کیا کرتے تھے۔'' (متفق علیہ)

۷...... والدین کے لیے خوشخبری:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب انسان وفات پا جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں: صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے دوسرے نفع اٹھاتے ہوں اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا گو ہو۔''

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عمر میں اضافہ کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی شخص (کی موت) کو مؤخر نہیں کرتے جب اس کی اجل آجاتی ہے، بلکہ عمر میں اضافہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نیک اولاد عطا فرمادیں جو اس کے لیے دعائیں کرے اور ان کی دعا قبر میں اس کو پہنچے۔''

(تفسیر ابن کثیر ٤/٣٧٣، کنز العمال ١٦/٢٨١)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الادب المفرد" میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

''مرنے کے بعد میت کا درجہ بلند کیا جاتا ہے تو میت کہتی ہے کہ اے میرے رب! یہ کیا چیز ہے؟ رب تعالیٰ اس سے فرماتے ہیں کہ تیری اولاد نے تیرے لیے استغفار کیا ہے۔'' (رواہ الطبرانی فی الاوسط، المجمع ١٠/٢١٠)

ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:

''بچہ بالغ ہونے تک جو نیکی بھی کرتا ہے وہ نیکی اس کے والد یا والدین کے لیے لکھی جاتی ہے اور جو بدی کرتا ہے وہ نہ اس بچہ کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور نہ ہی اس کے والدین کے نامہ اعمال میں۔''

(الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد ٧/٥١)

۸...... اولاد دُنیا کی رونق ہے:

اولاد، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے ایک عطیہ ہے۔ جس کو دیکھ کر انسان کا

دل باغ باغ ہوجاتا ہے، اور آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور دل ان سے بات چیت کر کے تروتازہ ہوتا ہے، بس یہ اولاد اس دُنیا کی رونق ہے، بہت سی آیات قرآنی اس امر کی وضاحت کرتی ہیں:

1 ..... ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ [آل عمران: ١٤]

''لوگوں کو خوشنما معلوم ہوتی ہے محبت مرغوب چیزوں کی، عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی، یہ سب استعمال کی چیزیں ہیں دنیوی زندگی کی اور انجامِ کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے۔''

2 ..... ﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا﴾ [الكهف: ٤٦]

''مال اور اولاد حیاتِ دنیوی کی ایک رونق ہے اور جو اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی ہزار درجہ بہتر ہیں۔''

3 ..... ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ [الحديد: ٢٠]

''تم خوب جان لو کہ دُنیا کی زندگانی کھیل ہے اور دل بہلانا ہے اور بناؤ کرنا ہے اور آپس میں بڑائی کا اظہار کرنا ہے اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے۔''

اسی بناء پر کفار کو دنیا کی اس رونق سے دھوکہ لگا اور وہ مال و اولاد میں ایک دوسرے پر فخر

جتانے لگے اور انہوں نے مال واولاد کی کثرت کو دیکھ کر سمجھا کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ ان چیزوں کی وجہ سے مسلمانوں پر برتری رکھتے ہیں، لیکن مندرجہ ذیل آیات ان کے بوسیدہ خیالات اور جاہلانہ فخر ومباہات کی تردید کرتی ہیں اور مسلمانوں کو اس بات پر متنبہ کرتی ہیں کہ ایسی کثرت ان کو ذرا بھی فائدہ نہ دے سکے گی اور خدا کے عذاب سے بچا نہ سکے گی۔

4 .....﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

[آل عمران: ١١٦]

''جولوگ کافر رہے ان کے مال ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ذرا بھی اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''

5 .....﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ [التوبة: ٥٥]

''سو ان کے اموال واولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے۔''

6 .....﴿كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ [التوبة: ٦٩]

''(اے منافقو) تمہاری عادت ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں جو شدت قوت میں اور کثرتِ مال واولاد میں تم سے بھی زیادہ تھے تو انہوں نے

اپنے حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا تو تم نے بھی اپنے حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی بری باتوں میں ایسے ہی گھسے جیسے وہ لوگ گھسے تھے اور ان لوگوں کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔''

7 ...... ﴿اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِیۡنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ﴾ [المؤمنون: ٥٥،٥٦]

''کیا یہ لوگ یوں گمان کر رہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں (یہ بات ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ (اس کی وجہ) نہیں جانتے۔''

8 ...... ﴿وَ قَالُوۡا نَحۡنُ اَکۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّ اَوۡلَادًا ۙ وَّ مَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ ۝ قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَ مَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُکُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِکَ لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَ هُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ﴾ [سبا: ٣٥-٣٧]

''اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور ہم کو کبھی عذاب نہ ہوگا کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے لیکن اکثر لوگ واقف نہیں اور تمہارے اموال اور اولاد ایسی چیز نہیں جو درجے میں تم کو ہمارا مقرب بنا دیں مگر ہاں جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے سو ایسے لوگوں کے لیے ان کے عمل کا دوگنا صلہ ہے اور وہ (بہشت کے) بالاخانوں میں چین سے (بیٹھے) ہوں گے۔''

قرآنی آیات انسان کو اولاد کے فتنہ (امتحان و آزمائش) پر آگاہ کرتی ہیں یعنی ایسا نہ ہو کہ اولاد سے ان کی محبت اس درجہ تک ہو جائے کہ احکامِ خداوندی پامال ہونے لگیں اور وہ
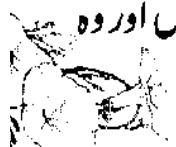
اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا سبب بن جائیں، اسی مقصد کی خاطر درج ذیل آیات میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

①.....﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ [الانفال: ۲۸]

''اورتم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر (موجود) ہے۔''

②.....﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَّاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

[التغابن: ۱۴تا۱۵]

''اے ایمان والو تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہارے (دین کی) دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش کی چیز ہے اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔''

③.....﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾

[لقمان: ۳۳]

''اے لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کر دے یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، سو تم کو دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ تم کو دھوکہ باز شیطان اللہ سے دھوکہ میں ڈالے۔''

اور اس آیت مبارکہ میں اس شخص کے لیے وعید اور تہدید آئی ہے جو اولاد کی محبت کو دین وشریعت پر مقدم رکھتا ہو:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [التوبة: ٢٤]

"آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔"

لیکن اگر اولاد دین وایمان سے دور کوئی راہ اپنالے اور فاسقوں فاجروں کے نقش قدم پر چلنے لگے تو پھر انہیں سدھارنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کی صورت یہی ہے کہ ان بچوں کو جسمانی، نفسیاتی اور اجتماعی ہر لحاظ سے دوسروں سے الگ کردیا جائے۔

ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

[المجادله: ٢٢]

''جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے برخلاف ہیں خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔''

فتنۂ اولاد میں کفارہ بننے والی چیزیں:

نماز، روزہ، صدقہ خیرات، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا، یہ ایسی چیزیں ہیں جو اولاد کے فتنہ میں پڑنے پر گناہوں سے کفارہ بنتی ہیں، جیسا کہ اس حدیث مبارک میں وارد ہوا ہے:
شیخین رحمہما اللہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث نقل کی ہے: جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

''آدمی کا فتنہ اس کے مال و اولاد اور اس کی ذات اور اس کے پڑوسی میں ہوتا ہے اور نماز، روزہ، صدقہ خیرات، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا اس کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ سب کو نیک اولاد عطا فرمائے جو اطاعت خداوندی پر ہماری معاون ہو اور جب ہم بھول جائیں تو ہمیں یاد دلائے اور راہ سے دور ہوں تو ہمیں نصیحت اور ہماری خیر خواہی کرے۔

۹ شیطان اور انسان کے درمیان کشمکش:

اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں شیطان اور انسان کے درمیان کشمکش، رسہ کشی اور ٹکراؤ بھی ہوا کرتا ہے، شیطان نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ اولادِ آدم کو اللہ کی راہ سے دور رکھنے اور اس

کو اطاعت خداوندی سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کرے گا اور یہ بات خود اللہ جل شانہ نے ہمیں بتائی ہے، تاکہ ہم حقیقت حال سے آگاہ ہوسکیں، اللہ تعالیٰ نے زمانۂ طفولیت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، تاکہ شیطان کے اثر سے پہلے ہی اس کی تربیت کرسکیں، وہ زمانہ ایک بنیادی دور ہوتا ہے، اگر والدین اس کو ضائع کردیں تو بڑا نقصان متوقع ہوتا ہے، لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کی اصلاح وتربیت کے لیے اپنی بھرپور جدوجہد صرف کریں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ز لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ٥ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ٥ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ط وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾

[بنی اسرائیل: ٦٢-٦٤]

”کہنے لگا کہ اس شخص کو جو آپ نے مجھ پر فوقیت دی ہے، تو بھلا بتائیے تو خیر اگر آپ نے مجھ کو قیامت کے زمانہ تک مہلت دے دی تو میں بھی چند لوگوں کے سوا اس کی تمام اولاد کو اپنے بس میں کروں گا، ارشاد ہوا کہ جو شخص ان میں سے تیرے ساتھ ہولے گا سو تم سب کی سزا جہنم ہے سزا پوری اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالانا اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا شریک کرلینا اور ان سے وعدہ کرنا اور شیطان ان لوگوں سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے۔“

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”میں نے اپنے بندوں کو گناہوں سے پاک پیدا کیا، پھر شیاطین نے آکر ان کو

اپنے جال میں پھنسایا اور گمراہ کر دیا۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ اولاد کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کی وجہ سے اس نعمت کی محرومی پر ان کا امتحان لیتے ہیں وہ اس لیے کہ ان کے دِل پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اولاد کی خواہش خصوصاً نیک اولاد کی چاہت اور اس کے حصول کے لیے بارگاہِ خداوندی میں گڑگڑا کر دُعائیں کریں۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ [الشوریٰ: ۴۹، ۵۰]

"اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔"

زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ اس مسئلہ (بے اولادی) کا حل یہ نکالتے کہ دوسروں کی اولاد کو اپنا متبنّٰی بنا لیتے تھے، ان کو پالتے پوستے اور ان کی نسبت اپنی طرف کرتے کہ یہ ان کی اولاد ہے۔ ان کے ایسے افکار و خیالات کی تردید کے لیے آیات اتریں کہ بچوں کو ان کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔

ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا

تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ط وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [الاحزاب: ٤،٥]

''اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ بتلاتا ہے تم ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کیا کرو یہی اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں اور تم کو اس میں جو بھول چوک ہو جائے تو اس سے تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا لیکن ہاں جو تم اپنے دل سے ارادہ کر کے کرو اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔''

١٠...... والدین کے نیک ہونے کے اولاد پر اثرات:

والدین چونکہ پرورش پانے والے بچہ کے لیے بہترین نمونہ ہوتے ہیں اس لیے بچوں کے ذہن پر ان کے بڑے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ان والدین کا تقویٰ و پرہیزگاری اور دین خداوندی کی اتباع کی صفت سے موصوف ہونا ایک ایسا وصف ہے کہ اگر وہ تھوڑی سی محنت اور کوشش اور آپس میں تعاون کریں تو وہ بچے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کا جذبہ لیے پروان چڑھ سکتے ہیں، اس آیت کریمہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ﴾ [آل عمران: ٣٤]

''یعنی بعضے ان کے بعض کی اولاد ہیں۔''

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات اولاد اس قاعدہ اور اصول سے باہر ہوتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی بھی کوئی حکمت پنہاں ہوتی ہے، نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح ان کے دِل بیدار اور ہوشیار رہیں اور نیک اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب گڑگڑائیں۔

ماں باپ کا نیک ہونا اولاد کے لیے مفید ہوتا ہے۔ دیکھئے! سیّدنا خضر علیہ السلام نے بلا اجرت دیوار تعمیر کی تو سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے اجرت نہ لینے کا سبب دریافت کیا تو خضر علیہ السلام کا جواب یہ تھا:

﴿وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ [الكهف: ٨٢]

''یعنی ان یتیموں کا باپ نیک تھا۔''

بلکہ فرشتے بھی مومن اور اس کے والدین اور اولاد کے لیے دعائیں کرتے ہیں:

﴿رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

[غافر: ۸]

''اے ہمارے پروردگار اور ان کو عدن کے باغات میں داخل فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے نیک باپوں اور بیویوں اور اولاد کو بھی، بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔''

اولاد کی پرورش جب اللہ کی اطاعت اور اس کے دین کی دعوت پر ہوگی تو یہ چیز جنت میں آپس میں ملاقات کا باعث بنے گی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ ۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾

[الطور: ۲۱]

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ شامل کردیں گے اور ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے، ہر شخص اپنے اعمال میں محبوس رہے گا۔''

اسی بناء پر ایک بزرگ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا! میں تیری خاطر ہی کثرت سے نمازیں پڑھتا ہوں۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ اولاد کی پیدائش سے پہلے ہی نیک اعمال بجالاتے تھے اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ انہیں نیک لڑکا عطا فرمائیں گے، وہ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے جو عہد و میثاق عالم ارواح میں لیا تھا میں اس کا پابند ہوں اور میں اپنی اولاد کی اس وقت سے نگہداشت کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو عالم

شہود (دنیا) میں لے آئے۔“

اس سے پتہ چلا کہ سلف صالحین، نیک اولاد کی کس قدر خواہش اور تمنا رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک اولاد نصیب فرمائے کہ وہ ذات سننے والی اور قریب ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاعتقاد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ [النجم: ٣٩] تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: ﴿اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ [الطور: ٢١] اس سے مراد ایمان میں متابعت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آباء و اجداد کے نیک ہونے کی برکت سے ان کی اولاد کو بھی جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (حاشية ابن عابدين ١/ ٥٣)

ایک روایت میں یوں ہے کہ ”اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ“ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

”اللہ تعالیٰ مؤمن کی اولاد کو بھی اس کے ساتھ جنت میں اس کے مقررہ درجہ میں پہنچا دیں گے اگرچہ عمل کے اعتبار سے وہ (اولاد) اس سے کم تھی، پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ [الطور: ٢١] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے اعمال میں کچھ کمی نہیں کریں گے۔“

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی آدمی سے سرگوشی فرما رہے تھے، (یہ دیکھ کر) وہ بیٹھ گئے، سلام بھی نہیں کیا، جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اگر یہ سلام کرتے تو ہم اس کا انہیں جواب دیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا تم اسے جانتے ہو؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ہاں، یہ شخص ان اسّی لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے حنین کے دن ثابت قدمی دکھائی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اور ان کی اولاد کو بھی جنت عطا فرمائی ہے۔ (الاصابه ١/ ٣١٢)

سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نماز میں مجھے اولاد یاد آتی ہے تو میں نماز میں اضافہ کر دیتا ہوں، (کیونکہ) مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ سات پشتوں تک نیک آدمی کی نیکی کو محفوظ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس پر دلالت کرتا ہے:

﴿إِنَّ وَلِيِّـيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾

[الاعراف: ١٩٦]

''اور یقیناً میرا دوست اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں سے دوستی کرتا ہے۔'' (قاله القرطبي۔ حسن الاسوة (٩٤))

[11]......شادی اور رشتۂ مصاہرت:

شادی انسان کو ملنے والی ایک نعمت ربانی ہے اور یہ تمام پیغمبروں کی سنت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے مذکر و مؤنث کے ملاپ اور جوڑ سے حیاتِ انسانی کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے اسے سنت قرار دیا ہے اور اس ارتباط اور تعلق سے تقدیر الٰہی کا ظہور ہوتا ہے کہ اس نے زوجین کو جمع کر دیا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ﴾ [النحل: ٧٢]

''اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اور (پھر) تمہاری بیویوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں کیا پھر بھی بے بنیاد خبر پر ایمان رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے رہیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس شادی کی کیفیت اور صورت میں غور و فکر کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے اور یہ زمین پر اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ اس نعمت اور نشانی کی عظمت میں غور کر کے انسان اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اس پر ایمان لا سکتا ہے اور اس کے

دین کی تصدیق کرسکتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

[الروم: ٢١]

''اوراس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کی بیوی بنائی تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔''

اور یہ عجیب رشتۂ مصاہرت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان مقرر کردیا اور اس سے اپنا خاص کرم اور عنایت کا اظہار کیا اس رشتہ کو اپنی رحمت ومودّت اور سکون کی غذا سے تقویت پہنچائی۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاۗءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا﴾ [الفرقان: ٥٤]

''وہ ایسا ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔''

۱۲ ...... نیک اولاد کی اُمید سے صحبت کے وقت دُعا کرنا:

عبدالرزاق رحمہ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس آتے وقت یہ دُعا پڑھ لے:

((بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رُزِقْنَا))

اور اس کے نتیجہ میں بچہ ہوا تو شیطان اسے کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔''

(اخرجه الشیخان)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: اگر کوئی شخص صحبت کے وقت یہ دُعا پڑھ لے:

((اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رُزِقْنَا .))

اوران کے لیے بچہ مقدر ہوا تو اسے ان شاء اللہ شیطان نقصان نہ پہنچا سکے گا۔''

نیز عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

''جب آدمی اپنی بیوی کے پاس آتے وقت یہ پڑھے: ''باسم الله اللهم بارك لنا فيما رزقتنا ولا تجعل للشيطان نصيبًا فيما رزقتنا'' تو امید ہے کہ اگر عورت حاملہ ہوئی تو نیک بچہ پیدا ہوگا۔''

[۱۳]...... بچہ اس سے پہلے ایک بے حقیقت چیز تھا:

شادی بیاہ کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچنے کے بعد میاں بیوی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر اس سے نیک اولاد مانگتے ہیں کہ وہ ذات ان پر نیک و صالح اولاد عطا فرما کر اپنا احسان کرے، جوں جوں اس نعمت اولاد کے حصول میں تاخیر ہوتی جاتی ہے ان کی طلب اور خواہش میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور ان کا اصرار بڑھتا جاتا ہے، اس موقع پر قرآن کی ایک آیت ذکر کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پیدائش سے قبل ایک بے حقیقت چیز تھا اور اسے اس دُنیا میں لانے والی ذات اللہ ہی کی ہے، لہٰذا انسان پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے خالق کی عبادت کو ہر جگہ مقدم رکھے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا﴾

[الدهر : ١]

''بے شک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔''

[۱۴]...... بچہ کی حقیقت ایک نطفہ کی ہے:

قرآنی آیات انسان کو اپنی اصلیت کے بارے میں غور وفکر کرنے کی طرف دعوت دیتی ہیں کہ وہ کن اجزاء سے مرکب ہوکر وجود میں آیا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اسے

پہچان ہو اور غرور و تکبر نہ کرے، اپنی بڑائی نہ جتائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی سے اعراض نہ کرے۔

ارشاد فرمایا:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾ [الطارق: ۵۔۷]

''اور انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا، اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۝ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ﴾ [عبس: ۱۷۔۱۹]

''آدمی پر خدا کی مار، وہ کیسا ناشکرا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا، نطفہ سے، اس کی صورت بنائی، پھر اس کو اندازے سے بنایا۔''

نیز فرمایا:

﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ۝ ءَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ﴾

[الواقعہ: ۵۸،۵۹]

''اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو کیا اس کو تم آدمی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [الدھر: ۲]

''تحقیق ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلّف بنائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔''

۱۵ ......رحم مادر میں صورت گری اور جنین کے تدریجی مراحل پر سرسری نظر:

مرد و عورت کے ملاپ کے بعد جنین کی صورت گری کا آغاز ہوتا ہے اور نر اور مادہ کی تعیین اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اور اس کی صورت و شکل بھی وہی بناتے ہیں،

ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ [آل عمران: ٦]

''وہ ایسی ذات ہے جو رحم مادر میں تمہاری صورت بناتی ہے جیسے چاہتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی غالب حکمت والا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ط وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ج اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ [لقمان: ٣٤]

''بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا بے شک اللہ تعالیٰ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ ط وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّکُمْ ج وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَ مِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا ط

وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ﴾ [الحج: ۵]

''اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے کہ بعض پوری ہوتی ہے اور بعض ادھوری بھی تا کہ ہم تمہارے سامنے ظاہر کر دیں اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں پھر تا کہ تم اپنی بھری جوانی تک پہنچ جاؤ اور بعض تم میں وہ بھی ہیں جو مرجاتے ہیں اور بعض تم میں وہ ہیں جو نکمّی عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے اور تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اگاتی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ مَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾

[فاطر: ۱۱]

''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا اور کسی عورت کو نہ حمل رہتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور نہ کسی کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے مگر یہ سب لوح محفوظ میں ہوتا ہے، بے شک یہ اللہ کو آسان ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ [الزمر: ٦]

''وہ تم کو ماں کے پیٹوں میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین اندھیروں میں۔''

حمل کا عمل شروع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس نئے جنین کی نگہداشت کرتا ہے اور حاملہ ماں بسا اوقات ایسی تکلیف جھیلتی ہے جو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ [الاحقاف: ١٥]

''اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا اس کی ماں نے تکلیف میں اس کو اٹھایا۔''

حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بیان کی گئی ہے:

﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ [الاحقاف: ١٥]

''اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینے میں پورا ہوتا ہے۔''

پس حمل اور رضاعت دونوں کی مدت تیس ماہ کے مساوی ہوتی ہے کہ مدت رضاعت دو سال اور حمل کا زمانہ چھ ماہ کا ہے۔اسی پر حضرت علی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں جنین کے ان ہی تدریجی مراحل کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ صادق و مصدوق ہیں)، نے ہم سے بیان فرمایا کہ:

''تم میں سے ہر ایک کی تخلیق کا مرحلہ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن تک بستہ خون بنتا ہے، پھر اتنے ہی دن تک لوتھڑا بنتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج دیتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے

چار باتوں کے لکھنے کا حکم ہوتا ہے کہ وہ اس کا رزق، اس کی عمر، اس کا عمل اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھتا ہے۔''

١٦...... بانجھ پن کا نبوی علاج:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک انصاری آدمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری کوئی اولاد نہیں ہے اور کوئی بچہ نہیں ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کثرت سے استغفار اور صدقہ کرو تمہیں اولاد نصیب ہوگی، چنانچہ وہ آدمی کثرت سے استغفار اور صدقہ خیرات کرتا رہا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر اس کے ہاں نو لڑکے پیدا ہوئے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارک کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ شاید یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے جس میں نوح علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾ [نوح: ١٠-١٢]

''پس میں نے (ان سے کہا) کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو وہ بڑا بخشنے والا ہے آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور مال و اولاد سے تمہاری امداد کرے گا اور تمہیں باغات اور نہریں دے گا۔''

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مروی ہے کہ:

''جو شخص کثرت سے استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کو دور کرتے ہیں اور مشکل آسان کردیتے ہیں اور اسے ایسی جگہ سے رزق فراہم کرتے ہیں جہاں سے اسے وہم و گمان تک نہیں ہوتا۔'' (رواہ احمد والحاکم)

١٧...... اولاد سے اظہارِ برأت پر سزا و عذاب:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنی اولاد سے نسبت کی نفی کرتا ہے کہ اسے دنیا میں رسوا کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سب کے روبرو اسے رسوا کریں گے تاکہ اس کا بدلہ ہوجائے۔'' (رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے کلام نہ فرمائیں گے اور نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور نہ ہی ان کی طرف دیکھیں گے، کسی نے پوچھا یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اپنے والدین سے اظہار برأت اور ان سے اعراض کرنے والا اور (دوسرا) اپنی اولاد سے اظہارِ برأت کرنے والا۔''

(رواہ احمد والطبرانی)

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

''اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسناد صحیح کے ساتھ نیز ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ، بغوی رحمۃ اللہ علیہ، ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ، ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ خشخاش عنبری کہتے ہیں کہ:

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نہ تم اس پر الزام لگاؤ اور نہ وہ تم پر کوئی الزام لگائے۔''

(سلسلة الاحادیث الصحیحة، رقم: ۹۹۰)

نیز حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا اور اسے صحیح الاسناد کہا ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ثابت قرار دیا کہ ابورمثہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بارگاہ میں حاضر ہوا، میرے والد نے سلام بحضور ﷺ پیش کیا، ہم کچھ دیر بیٹھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے والد سے فرمایا کہ کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟'' انہوں نے کہا کہ رب کعبہ کی قسم! جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''واقعی ایسا ہے'' انہوں نے کہا میں اس کی گواہی دیتا ہوں، (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ ان کی قسم کھانے اور باپ کے ساتھ میری مشابہت ہونے پر مسکرا کر دیئے، پھر فرمایا کہ ''یاد رکھو! تمہارا یہ بیٹا تم پر کوئی الزام نہ لگائے اور تم بھی اس پر کوئی الزام نہ لگاؤ'' پھر آپ ﷺ نے سورۃ النجم کی آیات ۳۸ تا ۵۶ یعنی ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (سے لے کر) ﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى﴾ (تک) تلاوت فرمائیں۔

فصلِ ثانی:

ولادت سے دو سال تک کا مرحلہ

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

''جو شخص بچے کی پرورش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ لآ الہ الا اللہ پڑھنے لگے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب نہیں لیں گے۔'' (مجمع الزوائد ۸/۱۵۹)

❀......تمہید: عسرِ ولادت کی دُعائیں [۱]...... ولادت کے پہلے دن کا عمل ❀......صدقہ و خیرات کرنا ❀...... وراثت کا استحقاق ❀...... بشارت دینا ❀......اذان اور اقامت کہنا ❀......دُعا ❀...... تحنیک [۲]...... ولادت کے ساتویں دن کا عمل ❀...... نام رکھنا ❀...... بال مونڈنا ❀......عقیقہ کرنا ❀......ختنہ کروانا [۳]...... دو سال تک دودھ پلانا [۴]......شیر خوار بچہ کے پیشاب کا حکم اور اسے پاک کرنے کا طریقہ [۵]...... مسجد میں شیر خوار بچہ کو ساتھ لے جانے کا جواز [۶]...... بول و براز پر قابو نہ پانے کی صورت میں بچہ کو مسجد میں لے جانے کی کراہت [۷]......حقِ حضانت (پرورش کا حق) ماں کو حاصل ہے [۸]......حقِ ولایت باپ کو حاصل ہے

❀❀❀❀

تمہید

عسرِ ولادت کی دعائیں:

بچہ کی پیدائش پر جسمانی اور نفسیاتی دونوں طرح کی تکالیف ہوتی ہیں، اور بچہ کی ولادت کا مرحلہ انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے اور یہ بات میاں بیوی دونوں کے لیے باعث پریشانی ہوتی ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام بھی اس صورتِ حال سے دو چار ہوئیں، جیسا کہ اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا﴾

[مریم: ۲۲،۲۳]

''پھر وہ اس کے ساتھ حاملہ ہوگئیں پھر اس حمل کو لیے ہوئے کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں پھر دردِ زہ کے مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور ایسی نیست و نابود ہو جاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔''

دردِ زہ کے وقت وہ دُعا پڑھنا مستحب ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو سکھائی تھی، چنانچہ ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ سند ضعیف کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جب بچہ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ تم دونوں جاؤ اور اس کے پاس بیٹھ کر آیت الکرسی اور یہ آیات پڑھو:

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الاعراف: ٥٤]

﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾ [یونس: ٣]

اور معوّذتین سورتیں پڑھ کر اسے اللہ کی حفظ و پناہ میں دو۔"

(الكلم الطيب ص ٨٧، عمل اليوم والليلة ٦٢٥)

نیز ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب عورت پر ولادت کی تنگی ہو تو ایک صاف برتن لے کر اس میں یہ آیت لکھے: ﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ﴾ [الاعراف: ٣٥] آخر تک، اور یہ آیت بھی لکھے: ﴿كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا﴾ [النازعات: ٤٦] اور یہ آیت بھی لکھے: ﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ [یوسف: ١١١] اس کے بعد اسے دھو کر اس عورت کو پلائے اور اس کے پیٹ اور شرمگاہ پر پانی چھڑک دے۔"

(عمل اليوم والليلة، رقم: ٦٢٤)

ان مشکل گھڑیوں میں عورت کو صدق و اخلاص اور سچی توبہ کے ساتھ پوری طرح متوجہ الی اللہ ہونے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی برکت سے اس کے لیے ولادت کا مرحلہ آسان کر دیں گے اور درد و الم کو برداشت کرنے کے اسباب فراہم کریں گے۔

شیخ ابن ظفر المکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ابوالسری منصور بن عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ دردِ ولادت

میں مبتلا ہوئیں، ان کے پاس ان کی دایہ موجود تھی اور وہ (منصور بن عمار) اس وقت بچے تھے، والدہ نے ان سے کہا کہ جلدی سے اپنے والد کو بلا لاؤ، (جب وہ آئے تو) انہوں نے والدہ سے کہا کہ کیا تم اس مشکل وقت میں مخلوق سے مدد کی خواہاں ہو جو نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتی، والدہ کہنے لگیں کہ میں (اس تکلیف سے) ابھی مرجاؤں گی، انہوں نے کہا کہ تم یوں کہو کہ اے اللہ! میری مدد فرما، جب والدہ نے یہ کہا تو اسی وقت بچہ کی ولادت ہوگئی۔"

(انباء نجباء الابناء ص ۱٦٣)

اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت انسان پر ہر وقت جاری رہتی ہے، وہ ذات اس کے پہلے مرحلہ پر بھی اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کرتی ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ﴾ [عبس: ۲۰] "پھر اس کے نکلنے کا راستہ آسان کر دیا۔" چنانچہ بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اور جنین والی زندگی ختم ہو کر طفولیت کی حیات کا آغاز ہوتا ہے پھر اس موقع پر اس کے ولی اور سرپرست (باپ وغیرہ) پر اس کے چند حقوق لازم ہو جاتے ہیں:

۱...... ولادت کے پہلے دن کا عمل:

❀: صدقہ وخیرات کرنا:

اس پر ہم ان شاء اللہ فصل ثالث میں گفتگو کریں گے۔

❀: وراثت کا استحقاق:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بچہ جب چلّائے تو وراثت کا حقدار ہوگا۔" (رواہ ابو داود)

نیز سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا ہے کہ:

"بچہ اس وقت تک وارث نہ ہوگا جب تک کہ زور سے نہ چلّائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ چیخے یا چھینکے یا روئے۔" (سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ۱٥۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے بیٹے عبد اللہ کی روایت میں اس کو ذکر کیا ہے، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

"شرح السنة" میں مذکور ہے کہ:

''اگر کوئی انسان فوت ہو جائے اور اس کا وارث حمل ہو تو اس کی وراثت کی تقسیم کو موقوف رکھا جائے گا، پس اگر وہ زندہ حالت میں پیدا ہوا تو اس کا وارث ہوگا اور اگر مردہ حالت میں پیدا ہوا تو وارث نہ ہوگا بلکہ دیگر ورثاء وارث ہوں گے اور اگر زندہ پیدا ہو کر پھر مر جائے تو اس کا وارث ہوگا خواہ چلایا ہو یا نہ چلایا ہو بعد ازیں کہ اس میں زندگی کی کوئی علامت پائی گئی ہو جیسے چھینکنا، سانس لینا یا کوئی ایسی حرکت جس سے اس کی زندگی کا پتہ چلتا ہو۔''

(المنتقى من اخبار المصطفىٰ ٢/٤٦٧)

❀: بشارت دینا:

غمی خوشی کے موقع پر اسلامی معاشرہ کے افراد پوری طرح شریک ہوتے ہیں تاکہ اس معاشرہ کی بنیاد مضبوط شکل میں سامنے آئے، لہٰذا ایک نئے بچے کے معاشرے میں آنے پر معاشرہ کے لوگ اسے خوش آمدید کہتے ہیں اور بچہ کے والدین کو خوشخبری دینے میں جلدی کرتے ہیں اور اس طرح وہ فرشتوں کی بشارت کو بطورِ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [آل عمران: ٣٩]

''پس ان سے فرشتوں نے پکار کر کہا اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ علیہ السلام کی جن کے احوال یہ ہوں

گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور مقتدا ہوں گے اور اپنے نفس کو روکنے والے ہوں گے اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے۔''

بچہ کی پیدائش پر فوری طور پر مبارک باد دینا والدین کے دل کی خوشی کو بڑھا دیتا ہے اور اس سے اسلامی معاشرہ کا باہمی ربط و تعلق بھی مضبوط ہوتا ہے۔

چنانچہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت پر ایک مہمان نے ان کے والدین کو یوں مبارک باد پیش کی کہ:

''اس عطا کردہ نعمت میں برکت ہو اور تم عطا کرنے والے کا بھی شکر بجالاؤ اور یہ بچہ نیک ہو اور جوانی کی عمر کو پہنچے۔'' (تحفة المولود لابن القيم رحمۃ اللہ علیہ)

۞: دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ:

'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جب بچہ کی ولادت ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کان میں نماز والی اذان کہی۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی چند حکمتیں بیان کی ہیں:

1. ...اذان اسلامی شعائر میں سے ہے۔
2. ...دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان۔
3. ...پھر اس اذان سے نومولود کی تخصیص ضروری ہے کہ اس کے کان میں آواز لگائی جائے۔
4. ...آپ جانتے ہی ہیں کہ اذان کی خاصیت یہ ہے کہ اسے سن کر شیطان بھاگتا ہے اور شیطان ابتدائی مرحلہ میں بچہ کو تکلیف بھی دیتا ہے اور حدیث مبارک میں بھی آیا ہے کہ وہ اسی وجہ سے چیختا ہے۔ (حجة الله البالغة)

شیخین رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اولادِ آدم میں سے ہر نومولود کو ولادت کے وقت شیطان چوکا دیتا ہے تو وہ چیخنے لگتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَ اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ یعنی میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔''

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ بچہ کے کان میں اذان دینے کے اسرار و حِکَم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

5 ...اس کی حکمت یہ ہے کہ انسان کے کان میں سب سے پہلے ایسے کلمات اور اس کی آواز پڑے جن میں رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ذکر ہے اور اس شہادت اور گواہی کو سنیں جس کے ذریعہ انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے، یہ ایسا ہے جیسے اُسے دنیا میں آتے وقت اسلامی شعائر کی تلقین کی جارہی ہو جس طرح دنیا سے جاتے وقت بھی توحید کی تلقین کی جاتی ہے۔

6 ...بچہ کے دل میں اذان کا اثر پہنچے اگرچہ وہ اس کا شعور نہیں رکھتا، اس کے باوجود اس میں اور فائدہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ

7 ...اذان کے کلمات سن کر شیطان کا بھاگنا جو کہ اس کی پیدائش تک گھات میں بیٹھا ہوتا ہے کہ کب پیدا ہو اور وہ اس کا ساتھی بنے جس میں اس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مقدر کردیا ہے، لیکن جب وہ اذان کے کلمات سنتا ہے تو اس کے حوصلے پست ہوجاتے ہیں اور تعلق کے آغاز ہی میں برافروختہ ہوجاتا ہے۔

8 ...اس کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے، وہ یہ ہے کہ، اذان دینے میں حکمت یہ ہے کہ اس طرح دعوت الی اللہ اور دین وعبادت کی طرف دعوت کو شیطان کی دعوت پر تقدم حاصل ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فطرت کو شیطان کی حرکت پر سبقت حاصل ہوتی ہے، علاوہ ازیں اور بھی حکمتیں ہیں۔ (احکام المولود)

نومولود خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، بہر صورت وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور نعمت ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے جو جلدی سے برکت کی خبر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک کمزور جان، کمزور انسان (کے پیٹ) سے نکلی ہے، اور اس کے متولی کی قیامت کے دن تک مدد کی جائے گی اور جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کی پیشانی کو چومتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں۔''

۞: دُعا کرنا اور شکر ادا کرنا:

حافظ ابو یعلیٰ الموصلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ بندے کو اولاد کی نعمت سے نوازتے ہیں اور بندہ اس پر کہتا ہے کہ ''ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ'' تو موت کے سوا ہر آفت سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔''

۞: تحنیک:

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے ہاں لڑکا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور چبا کر اس کے تالو کو لگا دی (گٹی دی) اور بخاری شریف میں اتنا اضافہ ہے کہ ''اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی پھر مجھے دے دیا۔''

صحیحین میں ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ میں عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاملہ تھیں تو میں قریب الولادت حالت ہی میں مدینہ منورہ پہنچی، یہاں مقام قبا میں ولادت ہوئی، پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بچہ کو آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا، آپ ﷺ نے کھجور منگوائی پھر اس کو چبایا، پھر اس میں لعاب ڈالا، پس سب سے پہلی چیز جو بچہ کے پیٹ میں گئی وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا لعاب مبارک تھا، وہ کہتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے کھجور کے ساتھ بچہ کی

تحنیک فرمائی اور پھر برکت کی دعا فرمائی اور یہ بچہ مہاجرین کے ہاں اسلام میں پیدا ہونے والا پہلا بچہ تھا، جو مدینہ منورہ میں پیدا ہوا، وہ کہتی ہیں کہ اس بچہ کی پیدائش پر لوگ بہت زیادہ خوش ہوئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ مشہور تھا کہ یہود نے جادو کردیا ہے، اب تمہارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوگی۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بچے لائے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے برکت کی دُعا بھی فرماتے اور اُنہیں تحنیک بھی کرتے، چنانچہ ایک دفعہ ایک بچہ لایا گیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر اس کے پیشاب پر ڈال دیا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت فرماتے ہیں کہ ''برکت کی دُعا بھی فرماتے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ان بچوں کے لیے دعا فرماتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور برکت کا اصل معنی ہے خیر کا ثابت ہونا اور کثیر ہونا اور ''اُنہیں تحنیک بھی کرتے''

اہل لغت کے نزدیک تحنیک کا معنی یہ ہے کہ کھجور وغیرہ چبا کر بچہ کے تالو کو لگا دی جائے، اس لفظ میں دو مشہور لغات ہیں حَنَّکْتُهُ: تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ، اور اس حدیث مبارک میں تشدید کے ساتھ پڑھنا زیادہ مشہور لغت ہے۔ بہرحال اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں:

① اس سے معلوم ہوا کہ نومولود کی تحنیک مستحب ہے۔

② نیک لوگوں سے برکت کی دعا لینی چاہیے۔

③ حصولِ برکت کے لیے بزرگوں کے پاس بچوں کو لے جانا مستحب ہے خواہ ولادت کی حالت میں جائے یا بعد میں۔

④ بچوں کے ساتھ حسن معاشرت اور لطف و مہربانی کا سلوک کرنا مستحب ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تحنیک:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ام سلیم رضی اللہ عنہا (ان کی والدہ) کے ہاں لڑکا پیدا

ہوا تو انہوں نے میرے ہاتھ وہ بچہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور کچھ کھجوریں بھی ساتھ دے دیں، میں اسے لے کر بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے عبا (چوغہ) پہنی ہوئی تھی اور اپنے اونٹ کو تارکول مل رہے تھے، آنحضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کھجوریں ہیں؟ میں نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے چند کھجوریں لیں اور ان کو اپنے منہ میں ڈال کر چبایا، پھر اپنا لعاب مبارک جمع کر کے بچہ کا منہ کھول کر اس میں ڈال دیا۔ بچہ اس کا مزہ لینے لگا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''کھجور انصار کی پسندیدہ چیز ہے'' پھر اس کے تالو میں لگایا اور اس کا نام عبداللہ رکھا، پس انصار میں اس سے زیادہ اچھا نوجوان نہ ہوا۔

(رواہ احمد فی مسندہ ۳/۸۸ و مختصراً فی ۳/۱۸۸، ومسلم والبخاری)

[۲]...... ولادت کے ساتویں دِن کا عمل:

❀...... بچہ کا نام رکھنا:

پیدائش کے بعد بچہ کے ساتھ سب سے پہلا نیک سلوک اور اس کا اکرام یہ ہے کہ اسے کسی اچھے نام کے ساتھ آراستہ کیا جائے اور اس کی کنیت بھی عمدہ اور اچھی سی ہو، کیونکہ اچھے نام کا بڑا اثر پڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور ان پر یہ امر واجب کیا ہے کہ بندے اس کو اسمائے حسنیٰ (اچھے نام) کے ساتھ پکاریں، ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الاعراف: ۱۸۰]

''اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں پس تم ان ناموں کے ساتھ اس کو پکارا کرو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کیے کی ضرور سزا ملے گی۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسے اعلیٰ صفات سے موصوف کیا جائے، فرمایا:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى﴾ [بنی اسرائیل: ۱۱۰]

''آپ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے بھی پکارو گے سو اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی اولاد کے بھی اچھے نام منتخب کیے اور اس کے بعد محمد بن الحنفیہ کو تعظیماً اور احتراماً اپنا نام عطا کیا۔ (مغنی المحتاج ٤/٢٩٥)

جیسا کہ ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند (۲۵۹/۱) میں سند صحیح کے ساتھ محمد بن الحنفیہ کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی تھی کہ اب کے بعد کوئی لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام آپ ﷺ کے نام پر اور کنیت بھی آپ ﷺ کی کنیت پر رکھ لے، آپ ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ چنانچہ ان کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی۔

(رواہ ابوداود والترمذی وابن سعد فی الطبقات والحاکم فی المستدرك)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو وہب الجشمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم انبیاء کے نام رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کو ناموں میں عبداللہ اور عبدالرحمٰن سب سے پیارے ہیں اور سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں اور سب سے قبیح نام حرب اور مُرّہ ہیں۔''

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز تمہیں تمہارے ناموں اور تمہارے آباء واجداد کے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا، لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔'' (صحیح ابن حبان)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو ناموں میں عبداللہ اور عبدالرحمٰن سب سے زیادہ پیارے ہیں۔''

طبرانی نے ابو یسرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ:

''تمہارے بہترین نام عبد اللہ، عبد الرحمٰن اور حارث ہیں۔''

(صحیح الجامع ۳۲٦۹)

ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عبد اللہ نام کے ۲۲۰ اشخاص ہیں۔ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سب کو ملایا جائے تو تقریباً ۳۰۰ آدمی اس نام کے ہوتے ہیں۔

(المنهل اللطيف فى اصول الحديث ص ۲۳۰)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ابن عباس رضی اللہ عنہ کا نام ولادت کے دن عبد اللہ رکھا تھا۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک دن میں گزر رہی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ حجر میں موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی ''اے ام الفضل''! میں نے کہا کہ لبیک یا رسول اللہ! (میں حاضر ہوں)، آپ نے فرمایا کہ کیا تو لڑکے کے ساتھ حاملہ ہے؟'' میں نے کہا کہ کیا قریش نے باہم قسم کھالی ہے کہ ان کے ہاں لڑکیاں پیدا نہ ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جب بچہ ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا، جب بچہ ہوا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبد اللہ رکھا، پھر فرمایا کہ: اسے لے جاؤ،تم اس بچہ کو عقلمند پاؤ گی'' وہ کہتی ہیں کہ میں عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور انہیں ساری بات بتائی تو وہ مسکرائے، پھر وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ انتہائی خوبرو اور دراز قد تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور ان کی پیشانی کو چوما اور اپنی دائیں طرف بٹھایا پھر فرمایا کہ ''یہ میرے چچا ہیں، جو چاہے اپنے چچا کو باپ کا درجہ دے اور یہ میرے باقی ماندہ آباء و اجداد میں سے ہیں اور چچا باپ ہی ہوتا ہے۔''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''آج رات میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام اپنے باپ

ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"ہمارے ایک آدمی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام قاسم رکھا، ہم نے اسے کہا کہ ہم تمہیں ابوالقاسم کی کنیت سے نہیں پکاریں گے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری بات ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھ لو۔"

نیز وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اس نے اس کا نام محمد رکھا، اس کی قوم کے لوگوں نے اسے کہا کہ ہم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں رکھنے دیں گے، وہ شخص اپنے بیٹے کو پشت پر اٹھائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا کہ یارسول اللہ! میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام محمد رکھا مگر میری قوم کہتی ہے کہ ہم تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں رکھنے دیں گے۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم میرے نام پر نام رکھ لیا کرو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو کیونکہ میں قاسم ہوں کہ تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔"

سابقہ ایمان والی امتیں اپنے بچوں کا نام اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کے ناموں پر رکھا کرتی تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امر کو برقرار رکھتے تھے۔ چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب میں نجران گیا تو انہوں نے مجھ سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگ پڑھتے ہو: "يَـا أُخْـتَ هَارُوْنَ" حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے اتنا پہلے کا ہے؟ (پھر کیسے فرمایا کہ ہارون کی بہن)، (راوی فرماتے ہیں کہ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میں نے اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"وہ لوگ اپنے نبیوں اور پہلے گزرے ہوئے نیک لوگوں کے نام پر اپنے بچوں کا نام رکھا کرتے تھے۔" (رواہ احمد والترمذی والنسائی) (دیکھئے حسن الاسوۃ ص ۱۳۵)

ایک جلیل القدر صحابی رسول ﷺ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کے لیے شہدائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی تجویز کیے اس امید پر کہ وہ بھی ان کے نقش قدم پر چلیں گے اور درجۂ شہادت حاصل کریں گے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''طلحہ بن عبید اللہ التیمی بھی اپنے بچوں کے نام انبیاء کرام کے ناموں پر رکھتے تھے جب کہ انہیں معلوم تھا کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور میں بھی اپنے بچوں کے نام شہداءِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام پر رکھتا ہوں کہ شاید اُنہیں بھی شہادت کا مرتبہ حاصل ہو۔''

اسی بنیاد پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے بچوں کا نام رکھا، چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ کا نام، شہید غزوۂ احد حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نام پر، منذر کا نام، منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کے نام پر، عروہ کا نام، عروہ بن مسعود الثقفی رضی اللہ عنہ کے نام پر، حمزہ کا نام، شہید احد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کے نام پر، جعفر کا نام، شہید غزوۂ موتہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے نام پر، مصعب کا نام، شہید احد اور حامل لوا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام پر، عبیدہ بیٹے کا نام، شہید بدر حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے نام پر، خالد کا نام، شہید مرج الصفر خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے نام پر اور عمر کا نام، شہید یرموک حضرت عمر بن سعید رضی اللہ عنہ (خالد کے بھائی) کے نام پر رکھا۔ (تربیۃ النشء فی ظل الاسلام ص ۱۲٤)

❀......نام رکھنے کے بعد اپنی کنیت رکھنا:

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوشریح رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کو لوگ ابوالحَکَم کہا کرتے تھے (ایک مرتبہ) حضورِ اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ:

''حَکَم تو صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور اسی کی طرف حکم کی نسبت ہوتی ہے'' انہوں نے عرض کیا کہ میری قوم اپنے اختلافی مسائل میں میرے پاس آتی ہے اور میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو دونوں فریق راضی ہوجاتے ہیں، (اس لیے مجھے

ابوالحَکَم کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ بات کتنی اچھی ہے! کیا تمہارے بچے بھی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ (جی ہاں) شریح، مسلم، عبد اللہ میرے بچے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ان میں بڑا کون ہے، میں نے کہا کہ شریح، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر ''تم ابوشریح ہو''۔ (جامع الاصول ۱/۳۷۳)

حاکم نے اسے روایت کیا ہے اور اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ پھر آپ ﷺ نے اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے دُعا بھی فرمائی۔ ''شرح السنۃ'' میں ہے کہ الحَکَم اس حاکم کو کہتے ہیں کہ جس کا حکم ٹالا نہ جاتا ہو اور یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ﴾ [الرعد: ٤١]

''یعنی اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے اور اس کے حکم کو کوئی ہٹانے والا نہیں ہے۔''

اور اس میں یہ بھی ہے کہ:

''آدمی اپنے بڑے بیٹے کے نام پر کنیت رکھے، اگر اس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو بڑی بیٹی کے نام پر کنیت رکھ لے، یہی حکم عورت کا بھی ہے کہ وہ اپنے بڑے بیٹے کے نام پر کنیت رکھے گی، اگر اس کا بیٹا نہ ہو تو بڑی بیٹی کے نام پر رکھ لے۔''

(شرح السنة ٦/٤٩٤)

بلکہ نومولود بچہ کی کنیت رکھنا بھی درست ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ازراہِ مزاح ایک چھوٹے بچے کو کنیت کے ساتھ پکارا، فرمایا کہ:

''اے ابوعمیر! تیرے نغیر کا کیا ہوا۔'' (رواہ مسلم)

❀...... برے اور غیر شرعی نام شیطان سجھاتا ہے:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب حواء علیہا السلام حاملہ ہوئیں تو ابلیس ان کے پاس چکر لگاتا تھا، حواء علیہا السلام کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، شیطان نے کہا کہ اس بچے کا نام عبد الحارث رکھو تو یہ زندہ

رہے گا، چنانچہ حوا علیہا السلام نے عبد الحارث نام رکھا تو وہ زندہ رہا، حالانکہ یہ بات شیطان نے ان کے دل میں ڈالی تھی۔"

❀......وہ نام جن کا رکھنا برا ہے:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"اپنے لڑکے کا نام یسار نہ رکھو اور نہ ہی رباح اور نجیح اور افلح رکھو۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہیں رافع، برکت اور یسار نام رکھنے سے منع کرتا ہوں۔"

(جامع الاصول ۳۷۱/۱)

❀......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برے نام تبدیل کر دیا کرتے تھے:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُرا نام تبدیل کر دیا کرتے تھے۔" (حوالہ بالا)

اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برّہ نام بدل کر زینب رکھ دیا تھا، چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن عمرو بن عطار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام برّہ رکھا تھا زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، میرا نام بھی برّہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اپنے آپ کو پاک صاف (نیک) نہ کہو، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے نیک کون ہے" پوچھا گیا کہ پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا نام زینب رکھ لو۔"

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصیہ نام تبدیل کر کے جمیلہ رکھا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بشیر بن میمون رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ان کے چچا اسامہ بن الخدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

''ایک آدمی کا نام اصرم تھا، جو کہ ایک وفد میں موجود تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اصرم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (نہیں) بلکہ تیرا نام زرعہ ہے۔''

❀......اچھا نام منتخب کیا جائے؟

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اچھا نام منتخب کرنے کے سلسلہ میں تین امور کی رعایت رکھی جائے۔

① وہ نام اہل دین کے ناموں سے ماخوذ ہو، جیسے انبیاء و مرسلین اور صالحین، اور اس میں نیت ان کی محبت، ان کے ناموں کا احیاء اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کی کرے، جیسا کہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبداللہ اور اس جیسے نام بہت محبوب ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''جاننا چاہیے کہ مقاصد شریعہ میں سے عظیم مقصد یہ ہے کہ اللہ کا نام لوگوں کی تمام ضروریاتِ زندگی میں شامل ہو تا کہ تمام چیزیں حق کی طرف دعوت دینے والی ہوں، نومولود بچہ کا نام بھی اس کے مطابق رکھنے میں بھی توحید کا اشارہ ہے، نیز عرب وغیرہ اپنی اولاد کا نام اپنے معبودوں کے نام پر رکھا کرتے تھے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آدابِ توحید کو قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تو نام تجویز کرنے میں بھی اس طرح کی بات ضروری ہوئی اور دو نام (عبداللہ اور عبدالرحمٰن) دیگر ناموں کی بہ نسبت اس لیے زیادہ پسندیدہ ہیں کہ ان ناموں میں بندہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام کی طرف ہے، نیز اس لیے کہ یہ دو نام بہت مشہور بھی ہیں اور ان کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہوتا جبکہ دیگر ناموں کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوتا ہے، اس طرح آپ یہ راز معلوم

کر سکتے ہیں کہ بچہ کا نام محمد اور احمد رکھنا کیوں مستحب اور بہتر ہے اور کچھ لوگ اپنے بچوں کا نام اپنے قابل تعظیم اسلاف کے نام پر رکھنے میں دلدادہ ہوتے ہیں اور یہ بات دین کی تعظیم اور گویا کہ اس بات کا اقرار ہے کہ یہ بچہ اہل دین میں سے ہے۔" (حجة الله البالغة)

۲ وہ نام زبان پر ہلکا ہو اور تلفظ میں بھی آسان ہو۔

۳ وہ نام معنوی اعتبار سے بھی اچھا ہو اور بچہ کے حال کے بھی مناسب ہو اور اس کے طبقہ اور مرتبہ والوں میں مشہور ہو۔ (نصيحة الملوك ص ١٦٦)

...... بال مونڈنا:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بالوں کا وزن کر کے اس کے بقدر چاندی صدقہ کی۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! اس بچہ کا سر مونڈ دو اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔" چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم یا ایک درہم سے کچھ کم تھے۔"

اس حدیث مبارک پر روشنی ڈالتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"چاندی صدقہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ جب بچہ حالت جنین سے حالت طفولیت کی طرف منتقل ہوا تو یہ ایک نعمت خداوندی ہوئی جس کا شکر بجالانا ضروری ہے، اور شکر کی بہترین صورت وہ ہے کہ جس سے اس کے عوض اور بدل ہونے کا علم ہو، لہٰذا جب جنین کے بال اس جنین والی حالت کے باقی ماندہ تھے، اور اس کا دور کرنا طفولیت کی پرورش کے استقلال کی علامت ہے، تو لازم ہوا کہ ان بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا جاتا اور چاندی کی تخصیص اس

بناء پر ہے کہ سونا ایک تو مہنگا ہوتا ہے، مالدار شخص ہی اس کو حاصل کرسکتا ہے اور بچے کے بالوں کے وزن کے بقدر دیگر سامان میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

(حجة اللّٰہ البالغة)

❀......عقیقہ کرنا:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ام کرز الکعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے خواہ نر ہوں یا مادہ کوئی حرج نہیں۔"

اصحابِ سنن نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"ہر لڑکا اپنے عقیقہ میں محبوس ہوتا ہے، ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اور اسی دن اس کا نام رکھا جائے اور سر مونڈا جائے۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:

"عقیقہ حق (ثابت) ہے، لڑکے کی طرف برابر کی دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے۔" (صحیح الجامع رقم: ٤١٠٦)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ:

"لڑکے کی طرف سے دو عقیقے (جانور) اور لڑکی کی طرف سے ایک عقیقہ (جانور) ہے۔" (ایضاً، رقم: ٤١٣٢)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور ضیاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ:

"عقیقہ (کا جانور) ساتویں روز یا چودھویں دن یا اکیسویں دن ذبح کیا جائے۔"

(رواه الطبرانی فی الکبیر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کی طرف سے اونٹ ذبح کرتے تھے۔

چونکہ سلف صالحین عقیقہ کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے اس بناء پر وہ شخص جس کے پاس مال نہ ہو کہ اپنے بچہ کا عقیقہ کر سکے تو وہ چڑیا ذبح کر لے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ الموطا میں محمد بن ابراہیم بن حارث التیمی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''میں نے اپنے والد کو سنا کہ وہ عقیقہ کو مستحب قرار دیتے تھے خواہ ایک چڑیا کے ساتھ ہو۔''

اس کو نقل کرنے کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے نزدیک تو عقیقہ کا حکم یہ ہے کہ جو عقیقہ کرنا چاہتا ہو وہ بکری ذبح کرے گا اولاد خواہ مذکر ہو یا مؤنث، اور عقیقہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اس پر عمل کرنا، اور لوگ اس پر ہمیشہ سے عمل کرتے آئے ہیں، پس جو شخص اپنی اولاد کی طرف سے عقیقہ کرے تو اس کا حکم قربانی جیسا ہے لہٰذا اس میں بھی کانا جانور، لاغر یا بیمار یا جس کے دانت ٹوٹ ہوئے ہوں، جائز نہ ہوں گے، اور اس کا گوشت یا کھال فروخت کرنا ممنوع ہوگا اور اس کی ہڈیاں توڑنا جائز نہیں ہیں، اور گھر کے لوگ اس کا گوشت کھا سکتے ہیں اور اسے صدقہ بھی کر سکتے ہیں اور بچہ کو اس جانور کا خون کچھ بھی نہ لگایا جائے۔'' (موطا امام مالك، كتاب العقيقة)

اور اس عقیقہ کے حکم کا سبب یہ ہے کہ عرب کے لوگ اپنی اولاد کا عقیقہ کیا کرتے تھے اور ان کے نزدیک عقیقہ ایک لازمی امر کی حیثیت رکھتا تھا اور لازمی سنت تھا، اور اس میں بہت سے مصلحتیں تھیں جیسے دینی، شہری اور نفسیاتی مصلحتیں، تو اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو باقی اور برقرار رکھا اور اس پر خود بھی عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کی رسومات کو بدل دیا:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

''ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں لڑکے کی پیدائش پر بکری ذبح کر کے اس کا خون بچہ

کے سر پر ملتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو ہم لڑکے کی پیدائش پر اس کی طرف سے بکری ذبح کرتے تھے اور اس کے سر کے بال مونڈتے اور اس کے سر پر زعفران ملتے تھے۔'' (رواه الحاكم في المستدرك ٤/٢٣٨)

شربینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''بچہ کے سر پر جانور کا خون ملنا مکروہ اس لیے ہے کہ یہ زمانۂ جاہلیت کا فعل ہے لیکن یہ کام حرام نہیں ہے کیونکہ ''المجموع'' میں حدیث صحیح منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لڑکے کے ہونے پر عقیقہ ہے پس تم اس پر خون بہادو اور اس کے بالوں کو دور کردو'' بلکہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ تو اس کو مستحب کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پھر اس کو دھو دیا جائے، ان کی دلیل یہی حدیث مبارک ہے اور بچہ کے سر پر زعفران اور خلوف (خوشبو) ملنا مسنون ہے جیسا کہ المجموع میں اس کی تصحیح کی گئی ہے۔''

(شرح المحتاج ٤/٢٩٤)

عقیقہ کی حکمتیں:

① اشاعت نسب: اس لیے کہ بچہ کے نام ونسب کی اشاعت ضروری ہے تاکہ اس کے بارے میں ناپسندیدہ بات کوئی نہ کہے، اور یہ بات اچھی نہیں ہے کہ وہ گلی کوچہ میں اعلان کرتا پھرے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے بلکہ اس طرح اچھے انداز میں لوگوں کو خبر دی جائے۔

② جذبۂ سخاوت کو اپنانا اور بخل کے جذبے کو ترک کرنا۔

③ نصاریٰ کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس کو زرد رنگ کے پانی سے رنگتے تھے جسے وہ معمودیہ کہتے ہیں، اور کہتے تھے کہ اس طرح بچہ پکا نصرانی بن جاتا ہے، اسی اسمی مشاکلت کے ساتھ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ [البقرہ: ١٣٨] لہٰذا ان کے فعل کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے بھی مستحب ہوا کہ وہ بھی ایسا کام کریں جس سے بچہ کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہو اور ملت ابراہیمی کی بھی اتباع ہو جائے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

اعمال کی بھی پیروی ہو، اور ان کے اعمال میں مشہور تر عمل جو پھر ان کی نسل میں بھی (قربانی کی شکل میں) جاری رہا، وہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا عمل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ایک عظیم قربانی کو اس کا فدیہ بنادیا اور ان کے احکام میں مشہور تر حکم حج کا ہے جس میں حلق اور ذبح دونوں ہوتے ہیں لہٰذا اس میں بھی ان حضرات کے عمل کی مشابہت حاصل ہوگی، ملت ابراہیمی کی تعظیم کی خاطر اور اس بات کے اعلان کے لیے کہ اس بچہ کے ساتھ بھی وہی عمل کیا گیا ہے جو اس ملت کے اعمال کا حصہ ہے۔

④ بچہ کی پیدائش کے آغاز میں عقیقہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے (گویا کہ) اپنے بچہ کو اللہ کی راہ میں قربان کردیا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، اور اس عمل میں تسلیم وانقیاد کے سلسلہ کو چلانا ہے۔

⑤ یہ ایک قربانی ہے کہ اس عمل کے ذریعہ دنیا میں اس کے آتے وقت ہی قرب حاصل کیا جاتا ہے اور بچہ کو اس سے بے حد فائدہ ہوتا ہے جیسا کہ اس کے لیے دُعا کرنے، مقامات عبادت میں اس کو لے جانے اور اس کی طرف سے دوسرے اعمال کرنے سے اس کو فائدہ ہوتا ہے۔

⑥ بچہ کی گردن آزاد ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنے عقیقہ میں محبوس ہوتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بچہ والدین کی شفاعت سے محبوس (روکا گیا ہوتا) ہے۔

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچہ اپنے عقیقہ میں محبوس ہوتا ہے اور فرمایا کہ شفاعت سے محروم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بچہ کی طرف سے قربانی کرنے کو شیطان کے تسلط سے آزادی کا سبب قرار دیا ہے کہ وہ بچہ دنیا میں آتے وقت شیطان کے زیر اثر ہوتا ہے اور وہ اس کی کوکھ پر چوکا لگاتا ہے پس یہ عقیقہ شیطان کے حبس وقید سے خلاصی اور فدیہ کا ذریعہ بنتا ہے کہ اس سے پہلے وہ شیطان کی قید میں تھا اور اپنے آخرت کے اعمال میں سعی کرنے سے مانع تھا تو گویا وہ شیطان

کو اس چھری سے ذبح کرنے میں محبوس تھا جو چھری اللہ نے اپنے اولیاء کے لیے تیار کی ہے اور اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ چند لوگوں کے سوا آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کی بیخ کنی کرے گا، اس لیے وہ پیدائش کے وقت بچہ کی گھات میں ہوتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے تو اسی وقت اس کے ساتھ اپنی دشمنی کا آغاز کر دیتا ہے اور اسے اپنے زیر اثر رکھنے اور اپنے جال میں پھنسانے کی شدید کوشش کرتا ہے اور اسے اپنے منجملہ دوستوں میں شامل کرنے کی سر توڑ کوشش کرتا ہے، اکثر نومولود اس کے زیر اثر آ جاتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ﴾ [بنی اسرائیل: ٦٤]

''اور ان کو مال و اولاد میں شریک کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾ [سبا: ٢٠]

''شیطان نے اپنا خیال و گمان سچ کر دکھایا۔''

معلوم ہوا کہ بچہ اس میں گرفتار ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کو حکم دیا کہ وہ قربانی دے کر اس کو اس چنگل سے نجات دلائیں، پس جب اس کی طرف سے قربانی نہیں کی جاتی تو وہ اس میں گرفتار رہتا ہے۔

ساتویں دن کی تخصیص کی حکمت:

اب ایک سوال باقی ہے کہ ساتویں روز کی تخصیص میں کیا حکمت ہے؟

چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ:

''بچہ کی پیدائش اور عقیقہ کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ گھر والے شروع سے بچہ اور زچہ کی صلاح و بہتری میں مشغول ہوتے ہیں، اس لیے اس وقت اُن کو کسی کام کی تکلیف نہیں دی گئی جس سے ان کی مشغولیت میں اضافہ ہو، نیز بسا اوقات انسان کو بڑی تگ و دو کے بعد جانور دستیاب ہوتا ہے، اگر

پہلے دن ہی عقیقہ کا حکم ہوتا تو گھر والوں کے لیے بہت مشکل پیدا ہو جاتی، سات دن کی مدت بہت مناسب ہے۔"

اور بالوں کا دور کرنا حجاجِ کرام کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کے لیے ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے اور نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ پیدائش سے پہلے تو اس کا نام رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی (اور اب اس کی ضرورت ہے)۔(حجة الله البالغة ٢/١٤٤)

"اور عقیقہ، نومولود کے مال سے کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ عقیقہ ایک تبرع ہے، اگر اس کے ولی نے ایسا کیا تو وہ ضامن ہوگا، جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المجموع میں اسے نقل کیا ہے۔" (شرح المحتاج ٤/٢٩٣)

❀......ختنہ کروانا:

ختنہ کا لغوی معنی ہوتا ہے آلۂ تناسل کے سرے پر موجود کھال کا کاٹنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ سپاری کا گول سرا کاٹنا یعنی آلۂ تناسل کی کاٹی ہوئی وہ جگہ جس پر شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ:

((اذا التقى الختانان فقد وجب الغسل .))

(سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ١٢٦١)

"یعنی جب دو شرمگاہیں آپس میں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔"

ختنہ کروانے کی ترغیب میں احادیث مبارکہ:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ چیزیں فطرت میں سے ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مونچھیں تراشنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف بال مونڈنا اور ختنہ کرانا۔"

صحیحین میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''پانچ چیزیں فطرت میں شامل ہیں: ختنہ کرانا، زیر ناف بال مونڈنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغل کے بال اکھیڑنا۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ختنہ مردوں کے لیے سنت اور عورتوں کے لیے عزت کی چیز ہے۔''

اسلام میں بچہ اور بچی کے ختنہ کا حکم بڑی اہمیت کے ساتھ دیا گیا ہے جس کا آغاز ساتویں روز کیا جاتا ہے، جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''رسول اکرم ﷺ نے ساتویں دن حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور ختنے کرائے۔''

سب سے پہلے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا اسّی سال کی عمر میں ختنہ ہوا، جیسا کہ بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''ابراہیم علیہ السلام کا اسّی سال کی عمر میں ختنہ ہوا۔''

ایک روایت میں یہ ہے کہ:

''ابراہیم علیہ السلام پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مہمان کی ضیافت کی اور پہلے آدمی ہیں جنہوں نے پائجامہ پہنا اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے ختنہ کرایا۔''

پھر ان کے بعد باقی تمام پیغمبروں اور ان کے ماننے والوں میں ختنہ کا عمل جاری رہا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔

ختنہ کرانا تمام انبیاء و مرسلین کی سنت ہے اور ان کی اتباع اور اقتداء تمام لوگ کرتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

''چار چیزیں انبیاء و مرسلین کی سنت ہیں: ختنہ کرانا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ:

''میں اس دن مختون (ختنہ شدہ) تھا، لوگ بالغ ہونے سے پہلے بچوں کا ختنہ نہیں کرتے تھے۔''

مستدرک حاکم ۳/۵۳۴ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت میں پندرہ سال کا تھا اور مختون تھا۔''

اس ختنہ پر کھانے کی دعوت، جسے ''اعذار'' کہتے ہیں، مستحب ہے، لیکن لڑکی کے ختنے کے موقع پر اس کی ستر پوشی کے سبب ایسا نہ کیا جائے۔ (القوانين الفقهية ص ٢١٤)

اسلام میں ختنہ کی اس قدر اہمیت ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور اس کے ختنے نہ ہوئے ہوں تو اس پر ختنہ کرنا واجب ہے اور غسل کرنا اس پر اس کے علاوہ ہے۔

جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عثیم بن کلیب کے حوالہ سے ان کے دادا سے روایت نقل کی ہے کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اسلام قبول کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''تم اپنے جسم سے کفر کے بال اتار دو اور ختنہ کراؤ۔''

حرب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسائل میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اسلام لائے اسے ختنہ کرانا چاہیے، اگرچہ وہ بڑی عمر کا ہو۔''

اس اہمیت اور تاکید کی بناء پر غیر مختون شخص کی نماز مقبول نہیں ہوتی۔

چنانچہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے سالم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ

انہوں نے فرمایا:

''غیر مختون شخص کی نہ نماز قبول ہوتی ہے اور نہ اس کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔''

اور اسی اہمیت کے پیش نظر ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ [البقرہ: ۱۳۸] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ختنہ کرانا ہے، جسے صبغہ کہا گیا ہے، اس لیے کہ نصاریٰ اپنے بچوں کو پانی میں رنگتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے یہ پاک ہوگیا ہے، جیسے مسلمانوں کے لیے ختنہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''صِبْغَةَ اللّٰهِ'' یعنی اللہ کے دیے ہوئے رنگ کو لازم جانو، نہ کہ نصاریٰ کے رنگ کو جو وہ اپنے بچوں کو دیتے ہیں اور اس صبغہ سے مراد ملت ابراہیمی ہے۔

(تاویل مشکل القرآن ص ۱٤۹)

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے ختنہ کے احکام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''بہر حال ختنہ کرانا، جس کا ذکر اگرچہ جملہ سنتوں میں ہو چکا ہے، یہ بہت سے علماء کے نزدیک واجب ہے، کیونکہ یہ دینی شعائر میں سے ہے اور اس سے مسلمان اور کافر میں امتیاز ہوتا ہے کہ جب مقتولین میں دونوں طرح کے لوگ موجود ہوں تو مختون کا جنازہ پڑھا جائے گا اور اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کیا جائے گا۔'' (تربیة الاولاد فی الاسلام)

[۳]......دو سال تک دودھ پلانا:

اسلام نے جب مرد و عورت کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا اور دونوں کو ایک خاندان میں جمع کیا اور صالح معاشرہ قائم کرنے کے لیے ہر ایک پر کچھ حقوق اور ذمہ داریاں مقرر کی ہیں، پس خاوند پر مال خرچ کرنے اور بیوی پر اپنے نومولود کو دودھ پلانے کی ذمہ داری ڈالی وہ بچہ جس کے ہاتھ بیش بہا نعمت اور راحت و سکون کے حصول کے لیے اپنی ماں کی چھاتی کو ڈھونڈتے ہیں، کہ وہ محبت و شفقت کے ساتھ ماں کا دودھ غذا کے طور پر حاصل کرے اور اس کی چھاتیوں سے دودھ کو نوش کرے جسے خالق نے تیار کر دیا ہے بلکہ ماں کی چھاتی میں دودھ

کا کارخانہ پیدا کر دیا ہے، ماں خواہ مال دار ہو یا نادار، تا کہ اس انوکھے جہاں میں اس نومولود شیر خوار کی پرورش کا بندوبست ہو سکے۔

عرب کے ہاں بھی دودھ پلانے کا رواج تھا بلکہ ان سے بھی پہلے تمام لوگوں کی عادت چلی آ رہی ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید نے سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتایا ہے کہ:

﴿وَ حَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ﴾ [القصص: ١٢]

''اور ہم نے ان پر دودھ پلانے والیوں (کا دودھ) حرام کر دیا تھا۔''

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی پرورش بھی اسی طرح ہوئی ہے کہ حلیمہ سعدیہ نے ان کو دودھ پلایا۔ اس طرح وہ آپ ﷺ کی رضاعی ماں بن گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس رضاعت کے کچھ احکام بندوں کو دیئے ہیں:

ارشاد فرمایا:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ [النساء: ٢٣]

''تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجی اور بھانجی اور تمہاری رضاعی مائیں اور رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔''

مصنوعی طریقہ پر دودھ پلانے کا رواج اس دور میں ہی ہوا ہے اس سے پہلے تو کوئی جانتا نہیں تھا، لیکن اب دوبارہ لوگ اسی اصلی اور فطری طریقہ کی طرف لوٹنے لگے ہیں، جو مسلمان اسلامی احکام کا پابند ہوتا ہے اسے قدرتی طریقہ رضاعت چھوڑ کر مصنوعی طریقہ اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، وہ تو اللہ کے دین پر چلتا ہے، اور اس کے سرچشمہ سے سیراب ہوتا ہے۔

قرآنی آیات میں ماں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر صورت میں اپنا دودھ بچہ کو پلائے، خواہ اس

کے تعلقات اپنے شوہر کے ساتھ اچھے نہ ہوں بلکہ اسے اپنے خاوند سے طلاق بھی ہوگئی ہو پھر بھی اس پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ اسے دودھ پلائے، یہ دراصل اس شیر خوار بچہ کے حق میں اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف بھی ہے اور اس کے حق کی رعایت اور خیال بھی ہے۔

ارشاد فرمایا:

﴿وَ الْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة: ۲۳۳]

''یعنی مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ اس کے لیے ہے جو رضاعت کو پورا کرنا چاہے۔''

شیر خوار بچہ کے سلسلہ میں مطلقہ ماں پر بھی دودھ پلانا واجب قرار دیا گیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے لازم قرار دیا ہے، اور اس کو عورت کی طبیعت پر نہیں چھوڑا جس کے ازدواجی حالات خراب ہوئے تو اس کا نقصان اس ننھے بچہ پر آئے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی کفالت خود فرماتے ہوئے دودھ پلانے کی ذمہ داری اس کی ماں پر لگا دی، اللہ تعالیٰ کی ذات لوگوں سے زیادہ مہربان اور ماں باپ سے زیادہ رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نومولود کی خاطر اس کی ماں پر فرض کر دیا کہ وہ پورے دو سال تک اسے دودھ پلائے، اس لیے کہ وہ ذات جانتی ہے کہ بچہ کے لیے یہ زمانہ صحت و تندرستی اور فکری و نفسیاتی ہر اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آج کل اس پر بحثیں جاری ہیں کہ بچہ کی صحت اور ذہنیت ہر دو اعتبار سے درست نشو ونما کے لیے دو سال کی مدت انتہائی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان اور کرم ہے کہ مسلمان قوم نے اس بات کو اپنے تجربات سے بھی ثابت کر دیا اور اسے خوب سمجھ لیا، انسانی تحقیق اتنی طویل مدت کے لیے اس بچہ کو جہالت کے منہ میں دینے کے لیے تیار نہ تھی، اور اللہ کی ذات اپنے بندوں پر خصوصاً ان کمزور اور رحمت و عاطفت کے حاجت مند بچوں پر بڑی رحیم اور مہربان ہے۔

اسلام نے صرف اس پر اکتفاء نہیں کیا کہ ماں باپ کی جدائی کے بعد اس بچہ کی

رضاعت کا بندوبست کردیا بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر فرمایا کہ اگر اس کی ماں بدکار بھی ہے تو اس پر حد زنا کے اجراء کو مؤخر کردیا جائے جب تک کہ وہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے دودھ پی کر رضاعت کی مدت کو مکمل نہ کرلے۔

یہ بھی درحقیقت اس بچہ پر اللہ کی رحمت ومہربانی ہے اور اس کے ساتھ اس بات کی بھی حرص ہے کہ وہ جسمانی اعتبار سے مضبوط وتوانا ہو اور اس کی نشوونما صحت وتندرستی کے ساتھ ہو، بیمار نہ ہو۔

مسند احمد (۵/ ۳۴۸) میں غامدیہ عورت کا قصہ مذکور ہے جس سے زنا کا ارتکاب ہوگیا تھا، حضورِ اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ:

''واپس جاؤ، یہاں تک کہ تم بچہ جنم دو'' جب اس نے بچہ جنم دیا تو اسے لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ بچہ میں نے جنم دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''واپس جاؤ اور اسے دودھ پلاؤ یہاں تک کہ اس کا دودھ چھڑالو'' جب اس نے دودھ چھڑالیا تو پھر بچہ کو لے کر آئی جس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! اب میں نے اس کا دودھ بھی چھڑالیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس بچہ کے بارے میں حکم دیا کہ کسی مسلمان کو دے دیا جائے، پھر اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیتے ہوئے اس کے لیے گڑھا کھودا گیا......'' اس کے بعد راوی نے حدیث رجم ذکر کی۔

ماہر طبیب ابن سینارحمۃ اللہ علیہ بھی قدرتی طریقہ رضاعت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''یہ بات ضروری ہے کہ بچہ کو حتی الامکان ماں کا دودھ پلایا جائے، کیونکہ ماں کی چھاتی کا بچہ کے منہ میں ڈالنا بے حد مفید ہے کہ اس سے بہت سے امراض دور ہوتے ہیں۔''

ڈاکٹر حضرات بھی یہ کہتے ہیں:

"ماں کا دودھ سب سے بہتر ہے کہ تمام بچوں کے لیے سب سے زیادہ یہی موافق ہوتا ہے بشرطیکہ ماں کو کوئی مرض وغیرہ نہ ہو جس سے دودھ خراب ہو جائے۔"

مزید برآں یہ کہ اس میں ماں اور بچہ دونوں کی صحت کی حفاظت بھی ہے اور فائدہ اور سلامتی بھی ہے۔ اس دور میں ڈاکٹر حضرات حکیموں پر سبقت لے گئے ہیں کہ بچہ کو ماں کا دودھ ہی پلانا چاہیے کہ اس طرح ماں بھی متعدد امراض جیسے چھاتی کا کینسر وغیرہ سے محفوظ رہتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دودھ چھڑانے تک بچہ کا وظیفہ (الاؤنس) مقرر نہیں کرتے تھے لیکن پھر بعد میں اس سے رجوع کرلیا اور بچہ کی پیدائش سے لے کر مدت رضاعت تک (ایک لمبے عرصہ) کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا، ایک رات وہ گشت کر رہے تھے کہ بچہ کے رونے کی آواز آئی، آپ نے بچہ کی ماں سے کہا کہ اسے دودھ پلاؤ، اس نے کہا کہ امیر المؤمنین بچہ کے لیے وظیفہ مقرر نہیں کیا کرتے جب تک کہ وہ دودھ نہ چھوڑ دے، اس لیے میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں، تم اسے دودھ پلاؤ، امیر المؤمنین اس کا وظیفہ ضرور مقرر کریں گے، پھر اس کے بعد بچہ کا وظیفہ پیدائش کے وقت ہی مقرر کر دیا۔

(مصنف عبد الرزق ٥/٣١١)

اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ثابت ہو گیا کہ ﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ [بنی اسرائیل: ٣١] یعنی ہم ہی ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔"

ماں کے دودھ کی خصوصیات:

بچہ جب حالت جنین میں ہوتا ہے تو وہ اپنی ماں کی غذا سے ہی پرورش پاتا ہے اس لیے دنیا میں آتے ہی اس کی غذا ماں کا دودھ ہونا چاہیے اور یہ قدرتی اور طبعی طور پر رضاعت کا قوی سبب ہے، اس قدرتی طریقہ رضاعت کی بعض اطباء نے حکمتیں اور خصوصیات بیان کی ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1 ...... بچہ جراثیم سے پاک صاف ستھرا دودھ پیتا ہے۔

[۲]......وہ دودھ نہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور نہ گرم۔ بلکہ درمیانہ ہوتا ہے۔

[۳]......اور یہ دودھ ہر وقت دستیاب ہوتا ہے۔

[۴]...... جمع کرنے سے خراب نہیں ہوتا۔

[۵]......شیر خوار بچہ کے معدے کے انتہائی مناسب ہے۔

[۶]...... بچہ کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

[۷]...... جراثیم کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا کرتا ہے۔

[۸]...... ماں کی چھاتی سے براہِ راست دودھ پینا بچہ کو بھی اور اس کی ماں کو بھی موٹاپے کے مرض سے بچاتا ہے۔

[۹]......اور اس سے ماں اور بچہ کے درمیان محبت وشفقت بڑھتی ہے۔

دودھ پلانے کے دوران عورت کو اچھی نیت رکھنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو طلب کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے اس کو بہت نفع ہوگا۔

جیسا کہ مروی ہے کہ عمرو بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے جو اپنے بیٹے کو دودھ پلا رہی تھی، یہ کہا کہ ''تم اپنے بچہ کو اس طرح دودھ نہ پلاؤ جس طرح کوئی جانور اپنے بچہ کو پلاتا ہے جو اس پر اپنی شفقت کا اظہار کرتا ہے بلکہ تم اس کو اس طرح دودھ پلاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر وثواب کی طالب ہو اور یہ خواہش رکھو کہ تمہارے دودھ پلانے سے ایک ایسا انسان پرورش پائے جو بڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرے اور اس کی عبادت و بندگی بجالائے۔'' (نصیحة الملوك ص ١٦٦)

رضاعت کے دوران جو امور ناپسندیدہ ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت حاملہ ہو، کیونکہ حمل سے عورت کا دودھ بگڑ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں شیر خوار بچہ قدرتی رضاعت سے محروم ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔

چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حمل کے دوران دودھ پلانے کو ناپسند کرتے تھے اور اس کی وجہ سے بچہ کے نقصان کا ذکر فرمایا۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

بچہ کے نقصان اور بگاڑ سے مراد ''غیلہ'' ہے یعنی حمل کے دوران بچہ کو ماں کا دودھ پلانا کہ اس سے عورت کا دودھ خراب ہوتا ہے (جس کا بچہ کی صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے)۔

۴...... شیر خوار بچہ کے پیشاب کا حکم اور اسے پاک کرنے کا طریقہ:

صحیح مسلم میں شیر خوار بچہ کے پیشاب کے دھونے کے متعلق بہت سی احادیث مبارکہ منقول ہیں، چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں بچوں کو لایا جاتا تھا، آپ ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے اور تحنیک بھی فرماتے، (ایک دن) ایک بچہ لایا گیا اس نے آپ ﷺ کے (کپڑوں پر) پیشاب کر دیا، آپ ﷺ نے پانی منگوا کر پیشاب پر ڈال دیا، اور اس کو نہیں دھویا۔

② ان ہی سے مروی ہے کہ ایک شیر خوار بچہ حضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، اس نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تو آپ ﷺ نے پانی منگوا کر اس پر انڈیل دیا۔

③ ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے مروی کہ وہ اپنے بیٹے کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، اس نے اس بچہ کو آپ ﷺ کی گود میں رکھا (اس نے پیشاب کر دیا تو) آپ ﷺ نے پانی چھڑک دیا اور کچھ نہیں کیا۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور اپنے کپڑوں پر اس کو چھڑک دیا اور اسے خوب نہیں دھویا۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نضح ماء (پانی کو چھڑکا دینا) کو اختیار کیا ہے اور حنفیہ اور مالکیہ کے مذہب میں اس کا دھونا ضروری ہے، البتہ بچہ کے پیشاب کا ناپاک ہونا متفق علیہ مسئلہ ہے جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

(شرح صحیح مسلم، باب حکم بول الطفل الرضیع و کیفیة غسلہ)

۵...... مسجد میں شیر خوار بچہ کو ساتھ لے جانے کا جواز:

ماں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے شیر خوار بچہ کو اپنے ساتھ مسجد میں لے جائے تا کہ وہ

جماعت کے ساتھ نماز پڑھے، جبکہ اسے اس کی رغبت ہو اور خاوند نے اسے اجازت دے دی ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چھوٹے بچوں پر شفقت اور مہربانی اور ان کی ماؤں کو پریشانی سے بچانے کی خاطر اپنی نماز میں تخفیف فرمایا کرتے تھے اور نماز جلدی ادا فرمالیتے تھے۔ چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ ان تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"میں بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس کی ماں کی پریشانی کے اندیشہ سے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔"

نیز مروی ہے کہ ایک دن آنحضور ﷺ نے فجر کی نماز میں معوذتین کی تلاوت فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ آپ ﷺ نے مختصر نماز پڑھائی! آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے بچہ کے رونے کی آواز سنی تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی ماں پریشان نہ ہو (اس لیے میں نے مختصر نماز پڑھائی)۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ "البدائع" میں اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"اس سے پتہ چلا کہ امام کو چاہیے کہ نمازیوں کے حالات کی رعایت کرے، نیز اس لیے کہ لوگوں کے حالات کی رعایت کرنا تکثیرِ جماعت کا بھی سبب ہے، لہٰذا یہ اس کے لیے مستحب ہوگا۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"رسول اللہ ﷺ ماں کے ساتھ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتے تو مختصر سی سورت پڑھتے۔" (رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ ۳/۵۰ و رواہ مسلم)

ان ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میں بسا اوقات نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ طویل نماز پڑھنے کا ہوتا ہے لیکن بچہ کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کے رونے سے مبادا

اس کی ماں کو پریشانی لاحق ہوگی۔" (ایضاً و رواہ البخاری و مسلم)

مسند احمد (۱۸۸/۳) کی روایت میں اس طرح منقول ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"(ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران بچہ کی آواز سنی تو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تخفیف کر دی پس ہم سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ پر شفقت کی خاطر ایسا کیا ہے، اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھا کہ نماز میں اس کے ساتھ اس کی ماں بھی ہے۔"

٦ ...... بول و براز پر قابو نہ پانے کی صورت میں بچہ کو مسجد میں لے جانے کی کراہت:

یہ ایک ایسا مرحلہ ہوتا ہے جس میں بچہ از خود قضائے حاجت پر قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ خود اس کے لیے بیت الخلاء جاسکتا ہے بلکہ وہ اپنی حاجت والدین کو بھی نہیں بتا سکتا تو ایسے بچہ کو مسجد میں نہ لایا جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کو منع فرمایا ہے کہ وہ ایسے مرحلہ میں بچوں کو مسجد میں نہ لے جائیں۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنی مساجد کو بچوں سے دور رکھو۔" (سندہ ضعیف)

٧ ......حق حضانت (پرورش کا حق) ماں کو حاصل ہے:

بچپن میں بچوں کی پرورش کا اہتمام، جسے فقہ کی اصطلاح میں "حضانت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ایک ایسا کام ہے جسے عورتیں ہی انجام دے سکتی ہیں، کیونکہ صبر و برداشت اور محبت و شفقت ان کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔ اسی لیے اس مسئلہ میں عورتوں کو مردوں پر ترجیح دی گئی ہے، لہٰذا حق حضانت میں ماں، اس کے باپ پر مقدم ہوگی اور دادی، اس کے باپ اور دادے اور اس کی جانب کے دیگر مردوں پر مقدم ہوگی۔" (دیکھئے: احکام المرأۃ فی

الفقہ الاسلامی ۱۴۹، ۱۵۰)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! میرا یہ بیٹا ہے جس کے لیے میرا پیٹ برتن اور چھاتی مشکیزہ ہے اور گود زمین ہے اور اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور مجھ سے یہ بچہ چھیننا چاہتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ''تم اس کی زیادہ حق دار ہو جب تک کہ نکاح نہ کرو۔''

۸ ......حق ولایت باپ کو حاصل ہے:

اولاد کی دیکھ بھال، ان کی نگرانی اور مال کا تصرف اور ہنر و پیشہ اور تعلیم کے لیے ان کی رہنمائی، اسی طرح فیصلے اور اجرائے حدود کے امور، جنہیں فقہ کی اصطلاح میں ''ولایت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ایسے امور ہیں جن میں مردوں کو عورتوں پر ترجیح اور فوقیت دی گئی ہے، اور انہیں مرد حضرات ہی عورتوں کی بہ نسبت زیادہ بہتر انجام دے سکتے ہیں، کیونکہ قوت و طاقت اور ثابت قدمی وغیرہ صفات ان کی جبلت میں رکھ دی گئیں ہیں اس میں عورتوں کا کچھ بھی حق نہیں ہے۔

فصلِ ثالث:

تربیّتِ نبوی ﷺ کے مختلف انداز

- تمہید

بابِ اوّل: والدین اور مربّیین کے لیے تربیت کے بنیادی اصول

باب دوئم: بچوں کی فکری تربیت کے اصول

باب سوئم: بچوں کی نفسیاتی تربیت کے بنیادی اصول

''بہت سے لوگ اس بات سے آگاہ نہیں ہیں کہ بچہ بھی امت کا ایک فرد ہے، بس فرق یہ ہے کہ وہ لباس طفولیت میں مستور ہے، اگر وہ لباس اس سے ہٹا دیا جائے تو وہ ذمہ دار مردوں کی صف میں کھڑا نظر آئے گا، لیکن سنت اللہ کچھ یوں جاری ہے کہ اس پر پڑے ہوئے پردے درجہ بدرجہ تربیت کے ذریعہ ہی دور ہوں اور وہ تربیت تدریجی انداز میں عمدہ حکمت عملی اور تدبیر سے انجام دی جائے۔''

(شیخ محمد خضر حسین رحمۃ اللہ علیہ) از:- سعادة العظمی ص ۹۰

تمہید

بچوں کی تربیت کے یہ مختلف اسالیب، احادیث نبویہ ﷺ سے استنباط اور بچوں اور ان کے والدین کے ساتھ براہِ راست رسولِ اکرم ﷺ کی گفتگو کے نتیجہ میں اخذ کیے گئے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں اس کے متعلق وافر ہدایات اور معلومات موجود ہیں کہ مغرب یا مشرق کی تقلید کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، ان کثیر ہدایات کی بدولت والدین اور مربّین حضرات بچوں کی ذہنی فکری اور نفسیاتی ہر اعتبار سے تربیت کر سکتے ہیں، اور اس استنباط کے دوران کچھ احادیث ایسی ہیں کہ ان میں تکرار بھی ہوا ہے لیکن وہ تکرار ایسا نہیں ہے جس سے طبعیتیں اُکتا جائیں بلکہ اس حدیث سے ایک نیا پہلو اجاگر ہوتا ہے اور ان تربیتی اسالیب کی تحقیق وجستجو کے بعد واضح ہوا کہ یہ اسالیب پانچ بنیادی اصولوں پر منقسم ہوتے ہیں جن میں سے ہر اصول سے بچوں کے لیے تربیت نبوی ﷺ کے مختلف انداز کے قواعد متفرع ہوتے ہیں۔

چنانچہ پہلا بنیادی اصول وہ ہے جس کا تعلق والدین اور مربّین حضرات سے ہے کہ اپنی اخلاقی اور فکری صلاح کے لیے ان پر کون سے قواعد کا التزام ضروری ہے اور دوسرا اصول بچوں کی فکری تربیت کے مختلف انداز سے متعلق ہے کہ والدین اور مربّین حضرات بچوں کی فکری اور ذہنی تربیت کس طرح کر سکتے ہیں اور ان بچوں کی شخصیت کی تعمیر اور عقلی مدارک کو کس طرح فروغ دیا جاسکتا ہے۔

اور تیسرا اصول بچوں کی نفسیاتی تربیت کے مختلف انداز سے متعلق ہے کہ والدین اور

مربّین حضرات بچوں پر کیسے اثر انداز ہوسکتے ہیں اور باہم اعتماد سازی کی فضا کو کیسے ہموار کرسکتے ہیں اور اعلیٰ وافضل چیز کے حصول کے لیے ان کی شخصیت کی تعمیر کس طرح کرسکتے ہیں اور چوتھا اصول والدین کی فرماں برداری کی ترغیب اور ان کی نافرمانی کی ترہیب (تنبیہ) کے مختلف اسالیب سے متعلق ہے۔ اس کا ذکر مکرر اس لیے کیا جارہا ہے کہ والدین کی فرماں برداری کا معاملہ تو محدود ہے لیکن نافرمانی ایسی چیز ہے جس کا اثر متعدی ہوتا ہے کہ بچے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اور محروم کو کچھ حاصل نہیں ہوتا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا باب انتہائی وسیع ہے کہ انسان جس قدر بھی فرماں برداری کرلے وہ اپنے آپ کو اس میں کوتاہی کرنے والا ہی خیال کرتا ہے اور اس کا یہ احساسِ کوتاہی ہی اسے مزید فرماں برداری اور حسن سلوک کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک لوگوں میں سے بنادے۔ (آمین)

اور پانچواں اصول بچوں کی تربیت و تادیب سے متعلق ہے کہ بچوں کو مارنے کا طریقہ کیا ہے، کب مارا جائے اور کن جگہوں پر مارنا جائز ہے اور کن چیزوں سے مارنا چاہیے؟ نیز یہ کہ بچوں کی پٹائی کی مثال دوا اور نمک جیسی ہے کہ اس میں کمی بیشی سے بچہ کی سرکشی اور نافرمانی کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، لہٰذا انتہائی توجہ اور اہتمام کی ضرورت ہے۔

یہ ایک معمولی کاوش ہے، اللہ تعالیٰ سے توفیق کی امید کی جاتی ہے، جو بات صحیح اور درست ثابت ہوئی وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوگا اور جو درست نہ ہوئی اس کا سبب میرا ذاتی قصور ہوگا، جس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید کی جاتی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ میرا طریقہ استنباط احادیث مبارکہ سے براہ راست ہدایات لینا ہے، ایسا نہیں ہے جیسے بعض لوگ مغربی یا مشرقی طرز وطریقہ کو اختیار کرکے پھر اس پر کوئی شرعی دلیل ڈھونڈتے ہیں۔

میرے خیال میں ان کا یہ عمل دراصل لوگوں کو بے وقوف بنانے والا عمل ہے۔ وقت

کے ساتھ ساتھ اس طرز و طریقہ کا غلط اور بے بنیاد ہونا خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ جس میں دین و شریعت کو تناقضات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو کہ درحقیقت غلط ہے اور شریعت مطہرہ اس سے بری ہے، ہمارے لیے سلف صالحین کے طرزِ اسلوب کا اتباع ہی کافی ہے جس میں کتاب و سنت کو بنیادی سرچشمے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور اسلاف کا عمل، قرآن و سنت کے احکامات کی عملی تطبیق اور صورت ہوتا ہے۔

❀❀❀❀

بابِ اوّل

والدین اور مربّیین کے لیے تربیت کے بنیادی اصول

پہلا اصول	......	اسوۂ حسنہ
دوسرا اصول	......	اصلاح و تربیت کے لیے مناسب وقت کی تعیین
تیسرا اصول	......	بچوں کے درمیان عدل و مساوات
چوتھا اصول	......	بچوں کے حقوق کی پاس داری
پانچواں اصول	......	دعائیں کرنا
چھٹا اصول	......	بچوں کے لیے کھلونے وغیرہ خریدنا
ساتواں اصول	......	نیک کاموں میں بچوں کی معاونت کرنا
آٹھواں اصول	......	حد سے زیادہ ملامت اور عتاب کرنے سے اجتناب کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"تعلیم دو، آسانی برتو، سختی نہ برتو، خوشخبری سناؤ، نفرتیں نہ پھیلاؤ اور جب غصہ آئے تو خاموشی اختیار کرو۔"

(رواہ احمد والبخاری فی الادب)

پہلا اصول:

اُسوۂ حسنہ

بچوں کے ذہنوں پر اسوۂ حسنہ کا بڑا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، اس لیے کہ بچے عام طور پر اپنے ماں باپ کی تقلید کیا کرتے ہیں، یہاں تک کہ ماں باپ ان میں بڑے پختہ آثار پیدا کرتے ہیں، جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''بچہ کے والدین اسے یہودی یا مجوسی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے والدین کو ترغیب دی ہے کہ وہ بچوں کے معاملات میں صدق وسچائی کی صفت میں عمدہ نمونہ بن کر پیش ہوں، چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص بچہ سے کہے کہ ادھر آؤ (یہ چیز لے لو) پھر اسے کچھ نہ دے تو یہ بھی ایک جھوٹ ہے۔''

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا اور اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں رونق افروز تھے، والدہ نے کہا کہ ادھر آؤ میں تمہیں کچھ دوں، آنحضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''تم اسے کیا چیز دینا چاہتی ہو''؟ انہوں نے کہا کہ میں اسے ایک کھجور دینا چاہتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''دیکھو! اگر تم اسے کچھ نہ دیتی تو (تمہارے نامہ اعمال میں) جھوٹ بولنے کا گناہ لکھا جاتا۔'' بچے اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور ان کے اخلاق وعادات کو دیکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں، لہٰذا اگر وہ اپنے ماں باپ کو سچ بولنے والا پائیں گے تو ان کی نشوونما صدق اور سچائی کی صفت پر ہوگی، اسی طرح باقی امور کا حال ہے۔

دیکھئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب وہ بچے تھے اور انہوں نے اپنے سامنے آنحضور ﷺ

کو نمازِ تہجد ادا کرتے ہوئے دیکھا تو فوری طور پر آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوگئے۔

جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے رات اپنی خالہ کے ہاں گزاری (میں نے دیکھا کہ) حضورِ اکرم ﷺ رات کے ایک حصہ میں اُٹھے، اور مختصر وضو فرمایا، ایک پرانی لٹکی ہوئی مشک سے، پھر نماز شروع فرمادی، میں بھی اٹھا اور آپ ﷺ کی طرح وضو کیا اور آ کر حضور ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے مجھے پھیر کر اپنی دائیں جانب کردیا، پھر نماز پڑھی جس قدر اللہ کو منظور تھی...... الحدیث''

آپ نے دیکھا کہ بچہ نے اسی طرح وضو کیا جس طرح اس نے آنحضور ﷺ کو کرتے دیکھا تھا، پھر اسی طرح نماز کے لیے کھڑا ہوگیا...... بچوں کے ذہنوں پر اسوۂ حسنہ یوں اثر انداز ہوا کرتا ہے۔ والدین سے اسوۂ حسنہ بن کر بچوں کے سامنے پیش ہونے کا مطالبہ اس لیے کیا گیا ہے کہ بچے ان کے طرز وطریق اور گفتگو کے انداز کو دیکھتے ہیں اور اس کا سبب دریافت کرتے ہیں اور والدین کو اس کا جواب دینا ہوتا ہے۔

جیسا کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن ابی بکرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ اباجان! میں روزانہ صبح کے وقت دیکھتا ہوں کہ آپ یہ کلمات پڑھتے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ سَمْعِیْ ، اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ .))

آپ صبح وشام تین مرتبہ اسے دہراتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے)! والد صاحب نے فرمایا کہ بیٹا! میں نے یہ کلمات، رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا تھا پس میں آپ ﷺ کی سنت کی اتباع کو بہت پسند کرتا ہوں۔

اسی بناء پر والدین سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ حتی المقدور اپنے اخلاق واعمال کو اللہ

تعالیٰ کے احکامات اور اس کے رسول ﷺ کی سنتوں کے مطابق بنائیں، کیونکہ صبح و شام بلکہ ہر لمحے بچے ان کی حرکات کو نوٹ کرتے رہتے ہیں۔

محمد قطب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

''ہوش مند اور غافل کے بارے میں بچوں کے اخذ اور ادراک کی قوت عموماً ہمارے خیال سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور ہم اسے چھوٹی سی مخلوق سمجھتے ہیں جس میں کوئی ہوش و حواس موجود نہ ہو۔'' (منهج التربية الاسلامية ۲/۱۱۷)

دوسرا اصول:

اصلاح و تربیت کے لیے مناسب وقت کی تعیین

بچوں کی اصلاح و تربیت کے لیے والدین کا مناسب موقع اور وقت کا انتخاب ایک ایسا عمل ہے جس کا نصیحت کے کارگر اور مفید ثابت ہونے میں بڑا اہم رول اور کردار ہے، بلکہ یہ چیز عملی تربیت کی جدوجہد کو آسان بھی بناتی ہے، کیونکہ بچوں کے دل ایک حال پر نہیں رہتے، کبھی متوجہ ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے، لہٰذا اگر والدین بچوں کی قلبی توجہ کے موقع پر ان کی اصلاح اور تربیت کرسکیں تو یقیناً وہ اپنی عملی تربیت میں بہت بڑی کامیابی حاصل کر پائیں گے۔

بچوں کی اصلاح اور رہنمائی کے لیے مناسب ترین موقع اور وقت کی تعیین کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ بڑے باریک بین تھے کہ آپ ﷺ بچوں کے افکار اور اخلاق و عادات کی درستگی کے لیے اس نکتہ سے بڑا فائدہ اٹھاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بچوں کی صحیح سمت پر رہنمائی کے لیے اساسی طور پر تین اوقات پیش فرمائے ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) تفریح، راستہ اور سواری کا موقع:

جامع ترمذی میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک دن حضور نبی کریم ﷺ کے پیچھے (سواری پر) سوار تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لڑکے............الحدیث''

اس سے پتہ چلا کہ یہ پیغمبرانہ ہدایات سفر کے دوران دی گئیں جبکہ دونوں چلے جا رہے تھے، پیدل یا سواری پر یا کسی بند کمرے میں یہ ہدایات نہیں دی گئیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ہدایات کھلی فضا میں دیں جس وقت بچہ کا ذہن کسی چیز کو قبول کرنے کے لیے بہت زیادہ تیار اور متوجہ ہوتا ہے اور نصیحت و ہدایت کو قبول کرنے کے لیے بہت قوی ہوتا ہے۔

مستدرک حاکم (۳/۵۴۱) میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ یہ سفر سواری پر ہوا تھا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک خچر، حضور اکرم ﷺ کو کسریٰ کی طرف سے بطور ہدیہ دیا گیا تھا، آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے، بالوں کی بنی رسی بھی ساتھ تھی، پھر آپ ﷺ نے مجھے بطورِ ردیف کے اپنے پیچھے سوار کیا، پھر تھوڑی دور لے کر چلے تھے کہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

> ''اے لڑکے! میں نے کہا کہ جی میں حاضر ہوں، یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم اللہ (کے حقوق یا دین) کی حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا......الحدیث''۔

بلکہ بسا اوقات رسول اللہ ﷺ راستہ میں چلتے ہوئے بچے سے خفیہ انداز سے بات کیا کرتے تا کہ وہ اس بات کو ذہن نشین کرلے، کیونکہ اس سے بھی بچہ بات کا اثر قبول کرتا ہے۔ چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

> ''ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر سوار کیا، پھر مجھ سے خفیہ انداز سے بات فرمائی کہ میں وہ بات کسی سے بیان نہ کروں اور رسول اللہ ﷺ کو اپنی حاجت کے لیے جو چیز بطور پردے کے زیادہ پسند تھی وہ بلند جگہ یا کھجور کے درختوں کا جھنڈ تھا۔''

(۲) کھانے کا وقت:

کھانے کے وقت بچہ کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی عادت پر چلتے ہوئے ناشائستہ

حرکات کیا کرتا ہے اور بسا اوقات کھانے کے آداب کی خلاف ورزی کرتا ہے پس اگر والدین کھانے کے دوران اس کے پاس نہ بیٹھے ہوں اور اس کی غلطیوں کی اصلاح نہ کریں تو بچہ میں وہ نفرت آمیز بری عادات باقی رہتی ہیں نیز اس طرح والدین، بچوں کی تعلیم و تہذیب کے لیے مناسب وقت اور موقع کو بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ بچوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور ان کی غلطیوں کو ملاحظہ فرماتے تھے اور اس کی اصلاح اس طریقہ پر فرماتے تھے کہ بچوں کے دل و دماغ اس سے پوری طرح متاثر ہو جاتے تھے اور وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لیتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا،

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں حضور ﷺ کی زیر پرورش ایک بچہ تھا، میرا ہاتھ (کھانے کی) پلیٹ میں بے جا حرکت کرتا تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اے لڑکے! بسم اللہ پڑھو، اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' اس کے بعد میں ہمیشہ اسی طرح کھاتا رہا۔

ابوداؤد، ترمذی اور صحیح ابن حبان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''بیٹا! قریب ہو جاؤ، بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' (صحیح الجامع رقم: ۲۵۱)

اس روایت میں آپ نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ساتھ بچہ کو کھانا کھانے کی دعوت دی اور وہ بھی پوری نرمی اور محبت سے کہ ''قریب ہو جاؤ'' اس کے بعد اسے کھانے کے آداب تلقین فرمائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہ معمول تھا کہ وہ دعوتوں میں اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے تھے، بالخصوص ان دعوتوں میں جن میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے، تاکہ ان بچوں کو بھی کھانے کے آداب معلوم ہوں اور انہیں مفید علم بھی حاصل ہو، اس طرح درجہ بدرجہ

ان میں رجولیت کی صفات پیدا ہوں گی۔

سنن دار قطنی (۴/۲۸۵) میں عاصم بن کلیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک انصاری آدمی کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک جنازہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے، جب قبر پر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کھودنے والے کو فرمارہے ہیں کہ ''سر کی جانب سے کشادہ کرو اور پاؤں کی جانب سے کشادہ کرو۔'' جنازے سے فراغت کے بعد قریش کی ایک عورت کا داعی (دعوت دینے والا) ملا اور اس نے عرض کیا کہ فلاں عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو (کھانے پر) بلاتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کے (گھر) پہنچے، جب ساری قوم بیٹھ گئی تو کھانا لایا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھانے میں رکھا اور دوسروں نے بھی کھانا شروع کردیا، دریں اثناء کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرمارہے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ (راوی) کہتے ہیں کہ بچے بھی اپنے باپوں کے ساتھ بیٹھے تھے، بچوں کے باپوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقمہ کو چبارہے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے بیٹے کے ہاتھ مارا تو اس کے ہاتھ سے ہڈی گرگئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں محسوس کرتا ہوں کہ بکری کا گوشت اس کے مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کیا گیا ہے'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''پھر مجھے میرے اپنے والد اپنے ساتھ لے گئے پس ہم (بچے) اپنے باپوں کے سامنے اسی طرح بیٹھے جس طرح بچے بیٹھا کرتے ہیں۔ اور ایک تیسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''میں اپنے والد کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلا اور میں اس وقت چھوٹا لڑکا تھا...... اس کے بعد راوی نے ساری حدیث ذکر کی۔''

(۳) بیماری کا وقت:

بیماری سے بڑے بڑے سنگدل لوگوں کے دل بھی موم ہوجاتے ہیں پھر بچوں کا کیا حال ہوگا جن کے دل تو ہمیشہ نرم ہی رہتے ہیں۔ بیماری کے وقت بچہ کے اندر دو بڑی طبیعتیں اپنے اخلاق و عادات اور اعتقادات کی درستگی کے لیے جمع ہوجاتی ہیں، ایک طفولیت کی فطری

طبیعت اور دوسری مرض کے دوران رقت قلب کی طبیعت، رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک یہودی بچہ سے ملاقات فرمائی جو کہ بیمار تھا اور اس کو اسلام کی طرف دعوت دی اور یہ ملاقات اس بچہ کے لیے ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

> ''ایک یہودی لڑکا، حضور اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ ایک دن بیمار ہوگیا تو نبی کریم ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے، آپ ﷺ اس کے سرہانے بیٹھے، پھر فرمایا کہ ''اسلام قبول کر'' وہ اپنے والد کی طرف دیکھنے لگا جو کہ اس وقت اس کے پاس کھڑا تھا۔ والد نے اسے کہا کہ ابوالقاسم (ﷺ) کی اطاعت کرو، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا، پھر آنحضور ﷺ یہ فرماتے ہوئے وہاں سے واپس آئے کہ ''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس بچہ کو دوزخ سے نجات دلا دی۔''

آپ نے غور کیا کہ وہ بچہ اس سے پہلے نبی کریم ﷺ کی کیسے خدمت کرتا رہا، اس وقت تک آپ ﷺ نے اسے اسلام کی طرف دعوت نہیں دی، لیکن جب دعوتِ اسلام کے لیے مناسب وقت اور موقع ملا تو اس کے پاس تشریف لائے اور اس کی بیمار پرسی فرمائی (پھر اسے اسلام کی طرف دعوت دی)، ہمیں بھی چاہیے کہ حضور ﷺ کے طریقہ دعوت کو اپنائیں اور اس سلسلہ میں صبر وتحمل اور مناسب وقت اور موقع کو دیکھیں، تا کہ مناسب موقع کے وقت بچہ کی نیک فطرت میں اضافہ ہو۔ لہٰذا بچوں کی راہنمائی اور ان کی شخصیت کی تعمیر کے لیے والدین کے پاس بنیادی طور پر یہ تین اوقات ہیں: (۱) سیر وتفریح کا وقت (۲) کھانے کا وقت (۳) بیماری کا وقت۔ اس کے علاوہ بھی ایسے اوقات اور مواقع ہوسکتے ہیں جن کو والدین اپنے بچوں کے لیے مناسب سمجھتے ہوں۔

تیسرا اصول:

بچوں کے درمیان عدل و مساوات

والدین کے لیے بچوں کی تربیت کے بنیادی اصولوں میں سے یہ تیسرا اصول ہے، تاکہ وہ اپنے مقصود کو حاصل کر سکیں، وہ تیسرا اصول ہے بچوں کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنا۔ اس چیز کو بچوں کے نیک اور فرماں بردار ہونے میں بڑا گہرا دخل ہے۔

ہمارے لیے یہ بات جاننا ہی کافی ہے کہ بچہ کا محض یہ شعور اور خیال کہ اس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک اس کے بھائی کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے اور اس کا اس سے زیادہ اکرام کرتا ہے، اس بچہ کو بدمزاج اور بدخلق بنا دیتا ہے، والدین اس کا پھر مقابلہ نہیں کر سکتے، اور حسد کی بناء پر والدین اس کی لگام بھی نہیں کھینچ سکتے، جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حال ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے والد کا قلبی میلان یوسف علیہ السلام کی طرف ہے تو انہوں نے اپنے باپ پر غلط روی کا الزام لگایا،

جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ [یوسف: ۸]

''جب انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں جبکہ ہم جماعت ہیں، بے شک ہمارے والد کھلی غلطی میں مبتلا ہیں۔''

برادرانِ یوسف کے اس شعور کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے اپنے بھائیوں اور والد کے حق میں ایک ناپسندیدہ عمل کا ارتکاب کیا، چنانچہ فرمایا:

﴿اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ○ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَ

أَلْقُوهُ فِي غَيَٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَٰعِلِينَ﴾
[یوسف: ۹، ۱۰]

"تم یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کسی جگہ پھینک کر آ ؤ اس طرح تمہارے باپ کا چہرہ تمہارے لیے خاص ہو جائے گا اور تم اس کے بعد نیک قوم بن جاؤ گے، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو (بلکہ) اسے کسی گہرے کنویں میں پھینک دو کہ کوئی مسافر اسے اٹھالے گا اگر تم کو کرنا ہے۔"

یوں ان بھائیوں نے اپنے جھوٹے نابالغ بھائی کے خلاف سازش تیار کی، حالانکہ وہ معصوم اور بے گناہ تھا، صرف بات یہ تھی کہ اس کے والد دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت اس سے محبت کا اظہار زیادہ کرتے تھے، یہ بات بھائیوں کے لیے حسد اور فریب کاری کا ذریعہ بن گئی، اس سے معلوم ہوا کہ جب تک ماں باپ بچوں کے درمیان مادی اور معنوی دونوں اعتبار سے عدل و مساوات کا لحاظ نہیں رکھیں گے ان کی کوئی نصیحت اور ہدایت ثمر بار اور مفید ثابت نہ ہو سکے گی، اسی لیے ان کو چاہیے کہ اپنے بچوں کے سامنے کسی کی جانب اپنے قلبی میلان کا اظہار نہ کیا کریں۔

اس سلسلہ میں رسولِ اکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارک میں ہمارے لیے اس کو واضح فرمادیا ہے، چنانچہ شیخین رحمہما اللہ (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ) نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کے والد ان کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں لے گئے اور حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو خصوصی طور پر عطیہ دیا ہے، آنحضور ﷺ نے پوچھا کہ "کیا تم نے اس کی طرح اپنے تمام بچوں کو بھی عطیہ دیا ہے؟" انہوں نے کہا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے تم ناانصافی کی بات پر گواہ مت بناؤ" پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ وہ فرماں برداری میں برابری اختیار کریں"؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "پھر ایسا نہ کرو"۔

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "کیا تم نے اپنے تمام بچوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا

ہے؟" انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کا سلوک کرو" اس کے بعد میرے والد واپس چلے آئے۔

سنن دار قطنی (۴۲/۳) کی روایت میں اس طرح منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"کیا اس کے علاوہ بھی تیری کوئی اولاد ہے؟" انہوں نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ "کیا تم نے ان کو بھی اسی طرح دیا ہے جس طرح اس کو دیا ہے؟" انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ جیسا انسان اس پر گواہ نہیں ہوتا، بے شک اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ تم اپنی اولاد کے درمیان عدل و مساوات قائم کرو جیسا کہ اسے پسند ہے کہ تم اپنی ذات میں عدل و انصاف قائم کرو۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اپنی اولاد کے درمیان عدل کیا کرو، اپنی اولاد کے درمیان عدل کیا کرو، اپنی اولاد کے درمیان عدل کیا کرو۔" (سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ١٢٤٩)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عطیہ کے سلسلہ میں اپنے بچوں کے درمیان عدل کرو، جیسا کہ تم پسند کرتے ہو کہ وہ (بچے) حسن سلوک اور فرماں برداری میں تمہارے درمیان عدل کا برتاؤ کریں۔" (رواه ابن ابی الدنيا فی كتاب العيال ١٧٢/١)

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث مبارکہ کی تشریح میں رقمطراز ہیں کہ:

"ان احادیث مبارکہ کی توجیہ یہ ہے کہ اولاد کے درمیان عدل و مساوات کا برتاؤ نہ کرنا حرام ہے، علاوہ ازیں بچوں کے معاملہ میں ایک دوسرے کے درمیان امتیاز کرنا یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے ان کے درمیان عداوت، کینہ اور بغض پیدا ہوتا ہے اور یہ بات قطع رحمی کا سبب بنتی ہے۔"

(تحقيق القضية فی الفرق بين الرشوة والهدية ص ٢١٧)

ہمارے اسلاف اس نکتہ کا خوب ادراک رکھتے تھے، اس لیے وہ اپنے بچوں کے درمیان عدل و مساوات کا برتاؤ کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ بوسہ لینے میں بھی عدل کا لحاظ رکھتے تھے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت بھی ہو، جیسا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے بیٹے اور بیٹی کے درمیان بوسہ لینے کے معاملہ میں بھی عدل و مساوات برتنے پر خبردار کیا ہے۔

چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ

''ایک آدمی حضورِ اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا بیٹا آیا تو اس نے اس کو بوسہ دیا اور اسے اپنی گود میں بٹھالیا، پھر اس کی بیٹی آئی تو اسے پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھالیا (اس کو دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم نے ان کے درمیان عدل نہیں کیا۔''

امام طاؤوس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''یہ کام جائز نہیں، خواہ جلی ہوئی روٹی ہی کیوں نہ ہو، ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور عروہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا معنی نقل کرتے ہیں۔''

(حوالہ بالا، ص ۲۱۸)

کیا پورے روئے زمین پر کوئی ایسا تربیتی ادارہ ہے جو بچوں کا بوسہ لینے اور انہیں گود اور پہلو میں بٹھانے کے معاملہ میں بھی عدل و مساوات کی تعلیم دیتا ہو؟ یہ صرف مشکوٰۃِ نبوت ہے جہاں سے ایسی تربیت ملتی ہے۔

بسا اوقات بچوں کے درمیان لڑائی جھگڑا بھی ہوجایا کرتا ہے تو ایسی صورت میں حسد و کید سے ان کو دور رکھنے کی خاطر ان کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنا اور حق بات کا اثبات اور باطل کا ابطال ضروری ہوتا ہے۔ دیکھیے! رسول اللہ ﷺ نے ایسے دو بچوں کے درمیان، جو آپس میں لڑ پڑے تھے، فرق کیا اور ان کے غلط افکار کی اصلاح اور درستگی فرمائی اور ان کے بڑوں کو مختلف طریقوں سے ظلم کے دفعیہ کی تعلیم دی، کیونکہ جب ظلم دور ہوگا تو اس کی جگہ عدل خود بخود آجائے گا۔

چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"دو لڑکے آپس میں لڑ پڑے، ایک لڑکا مہاجرین کا تھا اور دوسرا انصار کا، مہاجر لڑکے نے آواز لگائی کہ مہاجرو! میری مدد کو آؤ، اور انصاری نے بھی آواز لگائی کہ انصارو! میری مدد کرو، اس دوران حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور فرمایا کہ "یہ کیا ماجرا ہے، زمانۂ جاہلیت کی سی آوازیں"! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایسی بات نہیں ہے، بلکہ دو لڑکے آپس میں لڑ پڑے ہیں، ایک نے دوسرے کی سرین پر لات ماری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ڈرنے کی کوئی بات نہیں، آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہیے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، اگر ظالم ہے تو اسے ظلم سے منع کرے کہ یہی اس کی مدد کرنا ہے اور اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے۔"

بچے جب آپس میں لڑ رہے ہوں تو ان کے درمیان فرق کرنا بھی عدل میں شامل ہے، کیونکہ ان میں ایک ظالم اور دوسرا مظلوم ضرور ہوگا، اسی بناء پر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ (ایک دن) میں نے ابوعبد اللہ (احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھا کہ مکتب کے بچوں کے پاس سے گزرے جو آپس میں لڑ رہے تھے تو آپ نے ان کے درمیان فرق کیا (کہ یہ ظالم اور یہ مظلوم ہے)۔(الآدب الشریعة والمنح المرعیة ۱/۱۸۲)

آخر میں ہم انصاف کرنے والے والدین اور مربّیین کو دنیا میں تربیتی اہداف و مقاصد کے حصول کے علاوہ قیامت کے روز اخروی اجر و ثواب کی خوشخبری بھی سنائے دیتے ہیں کہ انہیں نور کے منبر حاصل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں میں سے بنائے اور عدل و مساوات کے اصول پر قائم رہنے کی توفیق بخشے۔

چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے ہاں انصاف کرنے والے لوگ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں

گے جو اپنے حکموں میں اور اپنے اہل و عیال اور دوسرے امور میں عدل وانصاف سے کام لیا کرتے تھے۔"

ایک اہم سوال باقی رہ گیا کہ بچوں کے درمیان تفضیل (ترجیح دینا) کب جائز ہوتی ہے؟

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی تو یہ ہے کہ اولاد کے درمیان تفضیل حرام ہے جب تک کہ اس کا کوئی داعیہ موجود نہ ہو یا تفضیل کا کوئی مقتضی موجود نہ ہو، کیونکہ اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔(المغنی لابن قدامة ٥/٦٠٤)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر والدین کسی بچہ کو کسی خصوصیت کے سبب ترجیح دیں جیسے وہ محتاج ہو یا اپاہج اور نابینا یا کثیر العیال ہو یا علم دین میں مشغول ہو یا کوئی اور وجہ فضیلت اس میں پائی جاتی ہو یا کسی بچہ کو اس کے فاسق یا بدعتی ہونے کی بناء پر عطیہ نہ دیں یا اس لیے نہ دیں کہ یہ اسے لے کر نافرمانی والے کام میں صرف کرے گا تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے، کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ تخصیص میں اس وقت کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ محتاج ہو اور اگر بلا وجہ محض اس کو دوسروں پر ترجیح دینے کے لیے عطیہ دے گا تو مکروہ ہے۔(تحقیق القضية فی الفرق بين الرشوة والهدية ص ٢١٨)

چوتھا اصول:

بچوں کے حقوق کی پاسداری

بچوں کے حقوق ادا کرنا اور ان کی جائز بات کو پورا کرنا ایسی چیز ہے جو ان کے دل و دماغ میں مثبت فکر کو پیدا کرتی ہے اور وہ اس سے سمجھتے ہیں کہ زندگی لین دین کا نام ہے۔ نیز اس طرح بچے حق بات کو قبول کرنے کے عادی بنیں گے، جب ان کے پیش نظر اس کا اچھا نمونہ بھی ہوگا، اور اُنہیں اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے واضح راستہ ملے گا، جب کہ اس کے برخلاف صورت میں وہ آگے بڑھنے کی بجائے پسپائی کا ہی شکار رہیں گے۔

غور کیجیے کہ ایک حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے سے، جو
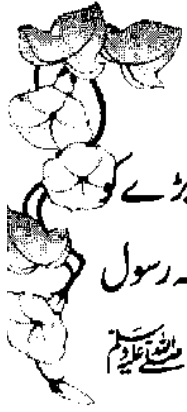
آپ ﷺ کی دائیں جانب بیٹھا تھا، اجازت لی کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہوکر بڑے کو اپنا حق دے دے جو آپ ﷺ کی بائیں جانب بیٹھے تھے، لیکن وہ بچہ تیار نہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پس خوردہ کے حصول میں کسی کو بھی اپنے آپ پر ترجیح دے، چنانچہ آپ ﷺ نے وہ برتن اس کو دے دیا تا کہ وہ اپنے حق سے پوری طرح فائدہ اٹھا لے۔

صحیح بخاری و مسلم میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پینے کی چیز پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا، اس وقت آپ کی دائیں جانب ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں جانب دوسرے بزرگ حضرات بیٹھے تھے، آپ ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا کہ ''کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان بزرگوں کو برتن دے دوں''؟ اس لڑکے نے کہا کہ نہیں، یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ سے بچے ہوئے اپنی حصہ پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے (پانی کا برتن) اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔''

اور رزین کی روایت میں اضافہ ہے کہ:

''وہ لڑکا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔'' (جامع الاصول ۵/۸٤)

ایک مرتبہ ایک لڑکا (اپنی حق تلفی کا خیال لیے ہوئے) معرکۂ احد سے قبل آنحضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اپنے حبیب اور مصطفیٰ ﷺ سے کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! آپ نے میرے چچا زاد بھائی کو معرکہ میں جانے کے لیے قبول فرمایا۔ حالاں کہ میرا اس سے مقابلہ (کشتی) ہو تو میں اسے پچھاڑ لوں گا، (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو اپنے سامنے باہم کشتی کرنے کا امر فرمایا تو وہ اپنے چچا زاد بھائی پر غالب آ گیا اور اس نے اس کو پچھاڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے اجازت مرحمت فرما دی کہ وہ مشرکین کے ساتھ لڑنے میں ایک مسلمان سپاہی کے طور پر میدانِ جہاد میں نکلے۔

کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جو مقام و منزلت اور جاہ و مرتبت اور جنود و لشکر کی کثرت

کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ سے افضل ہو؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، آنحضور ﷺ تو چھوٹے بچوں کے حقوق کا بھی خیال رکھتے تھے اور ان حقوق کی پاسداری کرتے تھے، اس طرح آپ ﷺ نے ہمیں بھی تعلیم دے دی کہ ہم بھی چھوٹے بچوں کے حقوق کو ان کے سامنے اپنی بڑائی جتائے بغیر قبول کیا کریں۔

ممکن ہے کہ بچوں کے حقوق سے پہلو تہی برتنے اور ان سے چشم پوشی کرنے والے لوگ، اس کے لیے کوئی حیلہ و تدبیر ڈھونڈیں، ان کی راہنمائی کے لیے مذکورہ ذیل حدیث ذکر کی جاتی ہے:

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اور دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے چند مفید جامع کلمات سکھا دیجیے (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور قرآن کے احکام پر عمل کرتے رہو اور جو حق بات پیش کرے اسے قبول کرو خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اور غلط بات پیش کرنے والے کو رد کرو خواہ بڑا ہو یا چھوٹا (بلکہ) اگرچہ وہ دوست اور قریبی ہی کیوں نہ ہو۔''

اگر چھوٹی عمر کا لڑکا عالم و قاری ہو تو اس کا یہ بھی حق ہے کہ اسے امام و قائد بنایا جائے۔ چنانچہ مصنف عبد الرزاق میں مہاجر بن حبیب الزبیدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اکٹھے بیٹھے تھے کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حدیث بیان کرو، ہم تمہاری تابعداری کریں گے، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب سفر میں تین آدمی ہوں تو جو ان میں بڑا قاری ہو وہ ان کو نماز پڑھائے اگرچہ وہ عمر میں سب سے چھوٹا ہو اور وہی ان کا امیر ہوگا۔''

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ وہ (کم عمر) تمہارا امیر ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے امیر

بنایا۔ سب کو یہ معلوم ہی ہے کہ "اقرؤھم" (حدیث مذکور میں موجود لفظ) کا معنی یہی ہے کہ جو نماز کے مسائل و احکام اور تلاوت قرآن میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہو۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک بار) ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ حاضر ہونے کی اجازت طلب کی مگر انہیں مشغول پا کر واپس چلے آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا تم نے عبد اللہ بن قیس کی آواز کو نہیں سنا؟ انہیں اندر آنے کی اجازت دو، پس جب انہیں بلایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا (کہ واپس چلے گئے)؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس پر ثبوت پیش کرو، ورنہ میں سزا دوں گا؟ چنانچہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور انصار کی مجلس میں گئے (اور ان سے اس حدیث کا ثبوت پوچھا تو) انہوں نے کہا کہ اس پر تو صرف ایک چھوٹا لڑکا ہی گواہ ہے، ابو سعید اٹھے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اسی بات کا حکم دیا جاتا تھا، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات مجھ پر مخفی تھی، بازاروں کے معاملات نے مجھے اس سے غافل رکھا۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

> ''اس کے ہمراہ قوم کا سب سے کم عمر لڑکا ہی کھڑا ہو سکتا ہے، ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں سب سے کم عمر ہوں، اس نے کہا کہ پس تم اس کو لے جاؤ۔''

ایک اور روایت میں اس طرح منقول ہے کہ:

> ''تمہارے ساتھ ہمارا کم عمر لڑکا ہی کھڑا ہو سکتا ہے، اے ابو سعید! اٹھو۔''

اے میرے برادرِ مسلم! غور کیجیے کہ امیر المؤمنین نے ایک کم عمر لڑکے یعنی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حق بات کی گواہی کس طرح قبول فرمائی! ہمیں ان کی اقتداء اور پیروی کرنی چاہیے۔

سلف صالحین کا بھی معمول تھا کہ وہ چھوٹے بچوں کی ہر طرح کی حق بات کو قبول کیا کرتے تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چھوٹے بچہ کی بات سے نصیحت حاصل کی، ایک مرتبہ آپ نے ایک بچہ کو مٹی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو اس سے کہا کہ مٹی میں گرنے سے بچو، بچہ نے امام کبیر سے کہا کہ آپ کو چاہیے کہ آپ گرنے سے بچیں، کیونکہ ایک عالم کا سقوط پورے عالم (جہاں) کے سقوط کو لازم ہوتا ہے (یعنی ایک عالم اگر لغزش کھاتا ہے تو اس کا نقصان پورے عالم کو پہنچتا ہے) بچہ کی اس بات سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اس کے بعد آپ کا معمول یہ ہوگیا کہ جب تک پورے ایک مہینہ تک اپنے شاگردوں کے ساتھ مسئلہ کی تحقیق نہ کرلیتے کوئی فتویٰ جاری نہیں فرماتے تھے۔ (مقدمہ حاشیہ ابن عابدین)

حضرت مسعر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ چلا جارہا تھا کہ لاعلمی میں ایک بچہ آپ کے پاؤں کے نیچے آگیا، اس بچے نے کہا اے بزرگ! کیا آپ کو قیامت کے دن کے قصاص (بدلہ وانتقام) سے ڈر نہیں لگتا؟ (یہ سن کر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی، میں وہاں کھڑا رہا، یہاں تک کہ آپ کو ہوش آیا تو میں نے عرض کیا کہ اے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ! اس بچہ کی بات سے آپ کے دل نے بہت اثر لیا ہے! آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس نے مجھے تلقین کی ہے۔ (مناقب ابی حنیفة ص ٤٠٦)

ابن ظفر المکی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت سری بن مغلس السقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ صاحب کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿وَ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾ [مریم: ٨٦] پھر پوچھا کہ استاذِ محترم! اس آیت میں ''ورد'' سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم، پھر یہ آیت پڑھی: ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ [مریم: ٨٧] پھر پوچھا کہ استاذ مکرم! اس میں ''عھـــد'' سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم۔ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے تلاوت ختم کی پھر کہا کہ استاذ جی! جب آپ کو کچھ معلوم ہی نہیں ہے تو لوگوں کو کیوں دھوکہ دے رکھا ہے؟ اس پر استاذ صاحب نے ان کو مارا، سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ استاذِ محترم! کیا آپ کے لیے جہالت اور غرور ہی کافی نہ تھا کہ آپ نے اس پر ظلم و

زیادتی کا بھی اضافہ کردیا۔ (یعنی مجھے مارا بھی) استاذ صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا اور آئندہ تادیبی کاروائی سے توبہ کی اور علم کے حصول میں لگ گئے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جہالت کی غلامی سے اسی (سری سقطی) نے آزادی دلائی ہے۔ (انباء نجباء الابناء ص ١٤٦)

اگر ہم مزید ایسے واقعات ذکر کریں تو یقیناً ہمارے سامنے راستے واضح ہوتے جائیں گے اور ایسے بچوں کے کلام سے مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔

چنانچہ (ایک روز) ایک بچہ یعنی حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کسی خلیفہ وقت کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہاں بہت سارے اہل علم موجود ہیں، اس بچہ نے بات کرنا چاہی مگر اس نے اس کو ڈانٹ دیا، اور کہا کہ کیا یہ بچہ ایسے مقام پر بات کرے گا؟ بچہ بولا کہ اگر میں بچہ ہوں تو کیا ہوا؟ سلیمان علیہ السلام کے ہدہد سے تو چھوٹا نہیں ہوں اور نہ ہی آپ سلیمان علیہ السلام سے بڑے ہیں۔ جب اس ہدہد نے کہا تھا کہ ﴿اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ﴾ [النمل: ٢٢] یعنی "میں وہ بات معلوم کرکے آیا ہوں جو آپ کو بھی معلوم نہیں" پھر اس بچہ نے کہا کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو فیصلہ سمجھایا تھا، اگر معاملہ بڑے چھوٹے کا ہوتا تو داؤد علیہ السلام اس کے زیادہ حقدار تھے۔

(تذكرة الابآء وتسلية الابناء ص ٦٤)

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، جو اس وقت پروان چڑھنے والے بچہ تھے، کی بات کو قبول کیا تھا، دیکھو ایک چھوٹا بچہ، بڑے جلیل القدر امام کی اصلاح کیسے کرتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حال پڑھ لو کہ جب وہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور لوگوں کے وفود اس منصب جلیل پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کو مبارک باد پیش کرنے آئے تو ایک وفد میں موجود لڑکے نے آگے بڑھ کر بات کرنا چاہی تو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کیا اس وفد میں تم سے عمر میں بڑا کوئی نہیں ہے جو مجھ سے بات کرے؟ (اس پر) وہ لڑکا بولا کہ امیر المؤمنین! اگر معاملہ بڑی عمر کا ہوتا تو جو آپ سے عمر میں بڑا ہے وہ اس منصب پر فائز ہوتا۔ اے امیر المؤمنین! کیا آپ جانتے نہیں کہ انسان اپنے دو چھوٹے اعضاء، زبان اور دل، کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے (اس پر) خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے لڑکے!

مجھے مزید نصیحت کرو، چنانچہ اس لڑکے نے مزید وعظ و نصیحت کی حتیٰ کہ ان کو رُلا دیا۔

(مواقف حاسمة بين العلماء والحكام ص ٦٤)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بڑی بڑی شخصیات اور عظیم ہستیاں جو علم و معرفت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں؛ بچوں کی نصیحت آمیز باتوں کو (صدق دل سے) قبول کیا کرتی تھیں اور انتہائی تواضع اور انکساری سے ان کی باتوں کو سنا کرتی تھیں اور ان کی آراء سے مستفید ہوتی تھیں اور وہ بچے ان کے افکار و خیالات اور طرز و طریق کی اصلاح کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلائے اور حق بات کو چھوٹے بڑے ہر ایک سے قبول کرنے کی توفیق دے۔

پانچواں اصول:

دُعائیں کرنا

والدین کے لیے بچوں کی تربیت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ان کے لیے دعائیں کرنا ہے اور اس کے لیے مقبول گھڑیوں کی جستجو اور تلاش ہے، جنہیں سرورِ دو عالم ﷺ نے بیان فرمایا ہے، کیونکہ والدین کی دُعا اللہ کے ہاں قبول ہوا کرتی ہے، نیز دُعا سے عاطفت و رحمت کا جذبہ مزید اُبھرتا ہے اور والدین کے دلوں میں بچوں کی رحمت و شفقت جاگزیں ہوتی ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بچوں کی صلاح و بہتری اور ان کے مستقبل کی فلاح و بہبود کے لیے خوب گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں، اور یہ انبیاء و مرسلین کی سنت بھی رہی ہے، جیسا کہ کتاب کے شروع میں کچھ آیات ذکر ہوئیں۔

بناء بریں ہم دیکھتے ہیں کہ جو باپ یا ماں اپنے بچوں کو بددعا دیتے ہیں وہ انتہائی خطرناک ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اس بددعا میں بچہ کے مستقبل کی بھی تباہی ہے اور والدین کے لیے بھی ہلاکت کا سامان ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ماں باپ کو منع فرمایا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بددعا دیں، اس لیے کہ یہ بات اسلامی اخلاق کے بھی منافی ہے اور تربیت نبوی ﷺ

کے بھی خلاف ہے، بلکہ اس طرح ماں باپ منہاجِ نبوت سے بھی دور ہوتے جاتے ہیں۔
ہمارے پیارے نبی ﷺ نے تو مشرکین طائف کو بھی بددعا نہیں دی بلکہ فرمایا کہ:

"مجھے اللہ سے امید ہے کہ ان کی نسل سے ضرور ایسا شخص پیدا ہوگا جو اللہ کی عبادت کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امید اور آرزو کو پورا بھی فرمایا۔

بچوں کو بددعا دینے کی ممانعت:

سنن ابی داؤد میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"تم اپنے آپ کو بھی بددعا نہ دیا کرو اور اپنی اولاد کو بھی بددعا نہ دیا کرو اور اپنے خادموں کو بھی بددعا نہ دو اور اپنے اموال کو بھی بددعا نہ دو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیت دعا کا ہو اور دعا قبول ہو جائے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک آدمی، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور اس نے اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت کی، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ تم نے اسے بددعا تو نہیں دی تھی، اس نے کہا کہ ہاں، ایسا ہی ہے، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پھر تم نے خود اس کو بگاڑا ہے۔ (الاحیاء ۲/۲۱۷)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ بجائے اس کے کہ بددعا دے کر بچوں کے بگاڑ کا سبب بنیں، بچوں کے لیے دعائیں کر کے ان کی صلاح و بہتری کا سبب بنیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ انکے عمل، مال اور اولاد سب میں برکتیں عطا فرمائیں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور پھر دعا دی کہ "اللّٰھم علّمه الحكمة" کہ اے اللہ! اس بچہ کو حکمت سکھا دے۔"

ایک روایت میں "علّمه الكتاب" کے الفاظ آئے ہیں یعنی اسے کتاب اللہ سکھا دے، اور بخاری و مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "اللّٰھم فقهه فى الدين" یعنی اے

اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما دے۔'' مسند احمد میں اس کے بعد ''وعلّمه التاويل'' کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی ''اور اسے تفسیر کا علم عطا فرما۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا کی برکت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما بڑے ہو کر حبر الامۃ اور ترجمان القرآن بنے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے ایک بچہ کو اس کی نصرانی ماں سے بچانے کے لیے دُعا کا انداز اختیار کیا تا کہ وہ بچہ اپنے مسلمان باپ کو ترجیح دے۔ اس سے نبوی اسلوب تربیت کی اہمیت مزید اجاگر ہوتی ہے جس سے غیر اسلامی اسالیب تربیت محروم ہیں۔

چنانچہ مصنف عبد الرزاق (۱۶۰/۷) میں عبد الحمید الانصاری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ان کے دادا، اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے دادا مسلمان ہو گئے لیکن ان کی بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا، پس وہ اپنے نابالغ چھوٹے بچہ کو بارگاہِ رسالت ﷺ میں لے کر آئے، آنحضور ﷺ نے باپ کو ایک طرف اور اس کی ماں کو دوسری طرف بٹھایا اور بچہ کو اختیار دیا، پھر فرمایا کہ ''اَللّٰهُمَّ اهْدِهٗ'' یعنی اے اللہ! اس بچہ کو ہدایت سے نواز دے، (یہ سن کر) بچہ اپنے باپ کی طرف چلا آیا۔ (رواه احمد والنسائی ایضًا)

معلوم ہوا کہ کفر کی بہ نسبت والدین کی نافرمانی کا درجہ کم ہے اور اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے اس کا علاج دعا سے فرمایا۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دُعا ایسی چیز ہے جو نافرمانی کی جڑیں تک اکھاڑ پھینکتی ہے؟ بشرطیکہ والدین خلوص کے ساتھ دُعا کریں اور مسلسل دعا میں لگے رہیں خواہ سفر کی حالت میں ہوں۔

چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم ﷺ سفر کے ارادے سے اپنی سواری پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے، پھر یہ دعائیں پڑھتے:

((سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَo اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي

اَلْاَھْلِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ، وَکَآبَۃِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَلَدِ))

(رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ ۴/۱۳۸۔۱۴۱)

مائیں بہت خواہش مند ہوتی تھیں کہ ان کے بچے رسول اللہ ﷺ کی مبارک دعائیں حاصل کر کے دنیا و آخرت کا حصّہ پالیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ، اُمّ سُلَیم رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے انس رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ سے دُعا کی درخواست کی، چنانچہ شیخین رحمہما اللہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اُمّ سُلَیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کا خادم انس رضی اللہ عنہ ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمادیں، حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کے مال و اولاد کو بڑھا دے اور جو کچھ تو نے اس کو دے رکھا ہے اس میں برکت عطا فرمادے۔"

بخاری میں یہ روایت اس طرح آتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ (میری والدہ) ام سُلَیم مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں، میری والدہ نے مجھے آدھے ڈوپٹے سے مجھ ڈھانکا ہوا تھا، پھر انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ میرا بیٹا انس ہے، میں آپ ﷺ کے پاس لائی ہوں، آپ ﷺ کی خدمت کرے گا، آپ ﷺ اس کے لیے دعا فرمادیں، چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کے مال واولاد میں اضافہ فرما"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا شاہد ہے کہ (اس کی برکت سے) میرا مال بھی کثیر مقدار میں ہے اور آج میرے بچے اور بچوں کے بچے تقریباً سو سے زیادہ ہو چکے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوخلدہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث مبارک سنی ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کی بیس برس تک خدمت انجام دی ہے اور حضور ﷺ نے ان کو دعا بھی دی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ایک

باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس باغ میں ایک خوشبو دار پودا تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ عبد اللہ بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کی والدہ ان کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، وہ اس وقت بچے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور ان کو بیعت نہیں فرمایا۔ اور ایک روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر دست مبارک پھیرا اور ان کو دُعا دی، وہ اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے۔''

(رواهما الحاكم في مستدركه ٣/٤٥٦)

ابوحمزہ بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات بیان کریں تو انہوں نے کہا کہ مجھے یاد ہے کہ میری عمر پانچ یا چھ سال کی تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر اپنی گود مبارک میں بٹھایا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے اور میری اولاد کے لیے برکت کی دُعا فرمائی۔''

(مستدرك الحاكم ٣/٢٥٩)

بعض شکوہ کرتے ہیں کہ ہمارا بیٹا نافرمان ہے ہماری بات نہیں سنتا؟ اس کا جواب وہی ہے جو سیّدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچوں کے لیے فرمایا تھا کہ ''سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَكُمۡ رَبِّیۡ'' یعنی میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کروں گا۔

چھٹا اصول:

بچوں کے لیے کھلونے وغیرہ خریدنا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا گھر میں جن کھلونوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امر کو برقرار رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ بچوں کو کھلونے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ان کھلونوں کو بہت پسند بھی کرتے ہیں۔

نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو عمیر کو دیکھنا جو اپنی چڑیا سے کھیل رہا تھا، اس بات کی دوسری دلیل ہے کہ بچوں کو کھیل وغیرہ کے لیے ایسی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جس سے

ان کو تسلی ہو۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک پلا تھا جس سے وہ تسلی پاتے تھے۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سحری کا ایک وقت مقرر تھا جس میں مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا کرتا تھا اور جب میں آتا تو اجازت لے کر حاضر ہوتا تھا، اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتا تو سبحان اللہ کہہ کر اندر آجاتا اور اگر فارغ دیکھتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرماتے۔ ایک رات میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دی، پھر فرمایا کہ ''فرشتہ میرے پاس آیا یا فرمایا کہ جبریل علیہ السلام آئے، میں نے کہا کہ اندر آجائیں۔ اس نے کہا کہ گھر میں ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے میں اندر نہیں آسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے کچھ نہ ملا، اس نے کہا کہ (پھر) دیکھو، میں نے دیکھا تو حسین رضی اللہ عنہ کا پلا تھا جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک چارپائی کے پائے کے ساتھ بندھا ہوا تھا، پھر اس نے کہا کہ ہم فرشتے ہیں، ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس گھر میں کوئی مورتی یا کتا یا جنبی شخص موجود ہو۔''

(مسند ابی یعلیٰ ۱/۴۴۵)

لیکن یہ کھلونے بچوں کے لیے کون خریدے گا؟ واضح ہے کہ والدین ہی ان کے لیے کھلونے خریدیں گے جو ان کی عمر اور طاقت کے مناسب ہو، اس طرح بچوں کے عقل وشعور میں رفتہ رفتہ ترقی ہوگی اور وہ کھلونے ان کے لیے انتہائی مفید ثابت ہوں گے، البتہ والدین کے لیے کھلونوں کی خریداری کے وقت ان امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے: وہ کھلونا ایسا ہو جو بچوں کے لیے جسمانی صحت اور نشاط وچستی پیدا کرنے کے لیے مفید ہو اور وہ کھلونا اس نوعیت کا ہو جو نئی ایجادات کی ضرورت کو پورا کرتا ہو اور وہ اس نوعیت کا ہو کہ اس کے پرزوں کو الگ کرنا اور جوڑنا ممکن ہو اور وہ کھلونا اسلاف کے اخلاق وکردار اور طور وطریق کی تابعداری کی حوصلہ افزائی کرتا ہو۔ ایسی صورت میں وہ کھلونا تربیتی اعتبار سے مناسب اور مفید ہوگا۔

ساتواں اصول:

نیک کاموں میں بچوں کی معاونت کرنا

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کے اسباب بچوں کو فراہم کرنا ایسی چیز ہے جس سے ان کو نیک کاموں میں معاونت حاصل ہوتی ہے اور اس سے وہ کسی کام کے بجالانے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں، بچوں کو مناسب ماحول اور فضا فراہم کرنا ان کو اس بات کی طرف راغب کرتا ہے کہ وہ از خود راہِ راست پر چلیں، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ والدین نے کامیابی کے حصول میں ان کی معاونت کر کے ایک بہت بڑا تحفہ پیش کر دیا ہے۔

سازگار فضا و ماحول اور اسباب کی فراہمی کی اہمیت کی بناء پر رسول اللہ ﷺ والدین کے لیے دُعا فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور رضا نازل فرمائے کہ جو اپنے بچوں کی نیک کاموں میں صحیح معاونت کرتے ہیں۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس والد پر اپنی رحمت فرمائے جو نیکی کے کام میں اپنے بچوں کی معاونت کرتا ہے۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''نیک کاموں میں اپنی اولاد کی مدد کیا کرو جو چاہتا ہو کہ اس کی اولاد نافرمانی سے باز آجائے۔''

اس سلسلہ میں والدین کے کندھوں پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس بات کی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے بچوں کو نافرمانی سے نکالیں اور اس کے لیے وعظ و نصیحت اور حکمت و دانائی اور طویل عرصہ درکار ہے۔

آٹھواں اصول:

حد سے زیادہ ملامت اور عتاب کرنے سے اجتناب کرنا

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بچوں کے کاموں میں زیادہ عتاب اور ملامت نہیں فرماتے تھے اور ضرورت سے زیادہ ان کو توبیخ وتنبیہ نہیں فرماتے تھے۔

دیکھئے! حضرت انس رضی اللہ عنہ جنہوں نے دس سال مسلسل آنحضور ﷺ کی خدمت کی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے انداز تربیت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے کوئی کام کیا ہو اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے کیوں کیا یا میں نے کوئی کام نہ کیا ہو تو اس پر کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''میں نے دس سال حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت کی ہے، آپ ﷺ نے مجھے کوئی حکم دیا ہو اور میں نے اس کو بجالانے میں سستی کی ہو یا وہ کام کیا ہی نہ ہو تو آپ ﷺ نے کبھی مجھے ملامت نہیں کیا اور اگر گھر کا کوئی فرد مجھے ملامت کرتا تو آپ ﷺ فرماتے کہ اسے چھوڑ دو۔''

رسول اللہ ﷺ کے اس انداز نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دل میں زندگی کی روح اور دزدیدہ نگاہی کا بیج بو دیا، بلکہ یہ ایک ایسی مؤثر چیز ہے جو ماں باپ کو ملامت وعتاب اور کثرت سے بچوں کے عیوب کے اظہار سے احتراز کرنے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے والد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے فرمایا، جس نے اپنے بیٹے کے کسی کام پر اس پر عیب لگایا تھا،

''تمہارا بیٹا درحقیقت تمہارے ہی ترکش کا ایک تیر ہے۔''

یعنی جب باپ اپنے بیٹے پر کوئی عیب یا الزام لگاتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے اوپر الزام لگاتا ہے، کیونکہ وہی اس کی پیدائش کا سبب بنا ہے اور وہ اس بات کے لائق تھا کہ اس کی تربیت میں جلدی کرتا۔

شمس الدین الانبابی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "ریاضۃ الصبیان و تعلیمھم و تادیبھم" میں اسی نکتہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"بچوں پر ہر وقت طعن و ملامت زیادہ نہ کیا کرے، کیونکہ یہ چیز اس کے لیے ملامت (الزام تراشی) اور بُرے افعال کے ارتکاب کو آسان بنا دیتی ہے۔"

(التربیة فی الاسلام ص ۱۳۰)

بابِ دوئم:
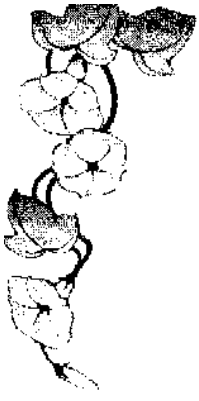
بچوں کی فکری تربیت کے بنیادی اصول

پہلا اصول	......	واقعات بیان کرنا
دوسرا اصول	......	براہِ راست واضح گفتگو کرنا
تیسرا اصول	......	ذہنی سطح کے مطابق بات کرنا
چوتھا اصول	......	نرمی سے بات کرنا
پانچواں اصول	......	تجرباتی عملی طریقہ اختیار کرنا
چھٹا اصول	......	آنحضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ يٰبُنَيَّ إِنَّهَآ إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ أَصَابَكَ ؕ

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ o وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ o وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ﴾ [لقمان: ۱۳-۱۹]

''اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک کرنا بڑا بھاری ظلم ہے اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میرے اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کیا کرو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرتا ہو پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے تھے، بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمان کے اندر ہو یا وہ زمین کے اندر ہو تب بھی اس کو اللہ تعالیٰ حاضر کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین باخبر ہے بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل بے شک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر بے شک آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔''

پہلا اصول:

واقعات بیان کرنا

بچوں کی فکری اور عقلی بیداری کے لیے قصہ گوئی بڑا اہم رول ادا کرتی ہے اور یہ چیز بچوں کی فکری تربیت میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے کہ قصہ گوئی میں بچوں کے لطف و لذت کا سامان موجود ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں احادیث مبارکہ کے اندر وافر مقدار میں نبوی واقعات موجود ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے چھوٹے بڑے تمام حاضرین مجلس کے سامنے بیان فرمایا، اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم پوری توجہ کے ساتھ ان قصوں کو سنتے تھے، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ ان کے سامنے زمانہ ماضی میں پیش ہونے والے مختلف واقعات بیان فرمایا کرتے تھے تاکہ حاضرین مجلس بھی اور قیامت تک آنے والے تمام لوگ ان واقعات سے عبرت وموعظت حاصل کریں۔

اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ نبوی ﷺ قصے اور واقعات، ثابت شدہ حقائق پر مبنی ہیں جو گذشتہ زمانہ میں رونما ہوئے اور وہ قصے بے بنیاد کہانیوں اور خرافات سے پاک ہیں اور ان قصوں سے بچوں کے اندر تاریخ پر اعتماد کا جذبہ بھی اُبھرتا ہے جیسا کہ ان قصوں سے ان میں مختلف جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ایسا اسلامی شعور اجاگر ہوتا ہے جس کا چشمہ خشک نہیں ہوتا اور ایسا گہرا احساس پیدا ہوتا ہے جس میں بلادت کا نام ونشان نہیں ہوتا۔

> ''باعمل علماء اور بیدار مغز صلحاء کے واقعات بیان کرنا ایسی چیز ہے جو دلوں میں عمدہ چیزوں کو پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور اعلیٰ اور عظیم مقاصد کے حصول میں آنے والی مشکلات اور مصائب کے برداشت کرنے کا بہترین سبب ہے اور یہ چیز پر عزم اور قربانی دینے والے لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب پیدا کرتی ہے تاکہ اعلیٰ درجات اور اشرف مقامات حاصل ہوسکیں۔''

اسی بناء پر بعض علماء کہتے ہیں کہ ''واقعات، اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے

جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو مضبوط کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس پر شاہد ہے:

﴿وَ کُلاًّ نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِہٖ فُؤَادَکَ ج وَ جَآءَکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَۃٌ وَّ ذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

[یوسف: ۱۱۱]

''اور ہم آپ سے پیغمبروں کی خبریں اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کریں اور ان میں حق بات اور مومنوں کے لیے وعظ و نصیحت کی بات آ گئی ہے۔''

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''میری نظر میں علماء کے واقعات اور ان کے محاسن بیان کرنا فقہ کی کثیر معلومات کو جمع کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے، اس لیے کہ وہ واقعات لوگوں کے آداب ہیں۔''

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ [یوسف: ۱۱۱]

''کہ ان قصوں میں عقلمند لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔''

اب ہم آگے چل کر کچھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم واقعات اور قصے بیان کریں گے جیسے اصحابِ اخدود کا قصہ، جریج عابد کا قصہ، غار والوں کا قصہ، اویس قرنی کا قصہ، بلکہ اس موقع پر مزید نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قصے بیان کیے جائیں گے تا کہ وہ قصے، والدین اور مربیین وغیرہ کے لیے زادِ تربیت بن سکیں اور وہ قصے یہ ہیں:

1. سیّدنا ابراہیم اور اسماعیل اور ان کی والدہ علیہم السلام کا قصہ
2. حضرت الکفل کا قصہ
3. ایک گنجے، ابرص، اور اندھے کا قصہ

[۴] ایک ہزار دینار قرض لینے والے شخص کا قصہ

[۱] سیّدنا ابراہیم، اسماعیل اوران کی والدہ علیہم السلام کا قصہ:

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ عورتوں میں پٹکا باندھنے کا طریقہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے چلا ہے، سب سے پہلے انہوں نے پٹکا اس لیے باندھا تھا تا کہ سارہ علیہا السلام کی ناراضگی کو دور کریں پھر انہیں اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام ساتھ لے کر نکلے۔ اس وقت ابھی آپ اسماعیل علیہ السلام کو دودھ پلاتی تھیں اور بیت اللہ کے قریب ایک بڑے درخت کے پاس جو زمزم کے اوپر مسجد الحرام کے بالائی حصے میں تھا، انہیں لا کر بٹھا دیا، ان دنوں مکہ کسی بھی انسان کے وجود سے خالی تھا اور ہاجرہ کے ساتھ پانی بھی نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں حضرات کو وہیں چھوڑ دیا، اور ان کے لیے ایک چمڑے کے تھیلے میں کھجور اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام روانہ ہوئے اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے آئیں اور کہا کہ اے ابراہیم! اس بے آب وگیاہ وادی میں جہاں کوئی بھی متنفس موجود نہیں، آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے بار بار اس جملے کو دہرایا لیکن ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف دیکھتے نہیں تھے آخر ہاجرہ علیہا السلام نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں، اس پر ہاجرہ علیہا السلام بول اٹھیں کہ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، چنانچہ وہ واپس آگئیں اور ابراہیم علیہ السلام روانہ ہوگئے جب وہ مقام ثنیہ پر، جہاں سے یہ لوگ آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے تو آپ نے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ان الفاظ میں دعا کی آپ نے ہاتھ اٹھا کر عرض کی ”میرے رب! میں نے اپنے خاندان کو اس وادی غیر ذی.......... زرع میں ٹھہرایا ہے“ قرآن مجید کی آیت (یَشْکُرُوْنَ) تک آپ کے دعائیہ کلمات نقل ہوئے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ انہیں دودھ پلانے لگیں اور خود پانی پینے لگیں۔ آخر جب مشکیزہ کا سارا پانی ختم ہوگیا تو وہ پیاسی رہنے لگیں اور ان کے صاحبزادے بھی پیاسے رہنے لگے، وہ اب دیکھ رہی تھیں کہ سامنے ان کا لختِ جگر پیاس کی شدت سے پیچ و تاب کھا رہا ہے یا کہا کہ زمین پر لوٹ رہا ہے، وہ وہاں سے ہٹ

گئیں، کیونکہ اس حالت میں انہیں دیکھنے سے دل بے چین ہوتا تھا۔ صفا پہاڑی وہاں سے سب سے زیادہ قریب تھی وہ اسی پر چڑھ گئیں اور وادی کی طرف رخ کر کے دیکھنے لگیں کوئی متنفس نظر آتا ہے، لیکن کوئی انسان نظر نہ آیا، وہ صفا سے اتر گئیں اور جب وادی میں پہنچیں تو اپنا دامن اٹھالیا اور کسی پریشان حال کی طرح دوڑنے لگیں پھر وادی سے نکل کر مروہ پہاڑی پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ کہیں کوئی متنفس نظر آتا ہے، لیکن کوئی نظر نہ آیا، اس طرح انہوں نے سات مرتبہ کیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفا اور مروہ کے درمیان لوگوں کے لیے سعی اسی وجہ سے شروع ہوئی۔ جب وہ مروہ پر چڑھیں تو انہیں ایک آواز سنائی دی، انہوں نے کہا، خاموش! یہ خود اپنے ہی سے وہ کہہ رہی تھیں اور آواز کی طرف انہوں نے کان لگا دیے، آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ پھر انہوں نے کہا کہ تمہاری آواز میں نے سنی اگر تم میری مدد کر سکتے ہو تو کرو، کہا، کیا دیکھتی ہوں کہ جہاں آبِ زمزم کا کنواں ہے وہیں ایک فرشتہ موجود ہے۔ فرشتے نے اپنی ایڑی سے زمین میں گڑھا کر دیا یا یہ کہا کہ اپنے بازو سے، جس سے وہاں پانی ظاہر ہو گیا، حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے اسے حوض کی شکل میں بنا دیا اور اپنے ہاتھ سے اس طرح کر دیا اور چلو سے پانی اپنے مشکیزہ میں ڈالنے لگیں، جب وہ بھر چکیں تو وہاں سے چشمہ ابل پڑا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ! ام اسماعیل پر رحم کرے، اگر زمزم کو انہوں نے یوں ہی چھوڑ دیا ہوتا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو سے مشکیزہ نہ بھرا ہوتا تو زمزم ایک بہتے ہوئے چشمے کی صورت اختیار کر لیتا، بیان کیا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے خود بھی وہ پانی پیا اور اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بھی پلایا، اس کے بعد ان سے فرشتے نے کہا کہ اپنے ضیاع کا خوف ہرگز نہ کرنا، کیونکہ یہیں خدا کا گھر ہوگا، جسے یہ بچہ اور اس کے والد تعمیر کریں گے اور اللہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا، اب جہاں بیت اللہ ہے، اس وقت وہاں ٹیلے کی طرح زمین اٹھی ہوئی تھی۔ سیلاب کا دھارا آتا اور اس کے دائیں بائیں سے زمین کاٹ کر

لے جاتا، اس طرح وہاں شب و روز گزرتے رہے اور آخر ایک دن قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا کہ قبیلہ جرہم کے چند گھرانے، مقام کداء کے راستے سے گزر کر مکہ کے نشیبی علاقے میں انہوں نے پڑاؤ کیا۔ انہوں نے منڈلاتے ہوئے کچھ پرندے دیکھے، ان لوگوں نے کہا یہ پرندہ پانی پر منڈلا رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی ہم اس وادی سے گزرے، یہاں پانی کا نام ونشان بھی نہ پایا، آخر انہوں نے اپنا ایک آدمی یا دو آدمی بھیجے، وہاں انہوں نے واقعی پانی پایا، چنانچہ انہوں نے واپس آ کر پانی کی موجودگی کی اطلاع دی، اب یہ سب لوگ یہاں آئے۔ بیان کیا کہ اسماعیل عَلَیْہِ السَّلام کی والدہ اس وقت پانی پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں، ان لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ہمیں اپنے پڑوس میں قیام کی اجازت دیں گی؟ ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا کہ ہاں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا، انہوں نے اسے تسلیم کرلیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ام اسماعیل کو پڑوسی مل گئے تھے، بنی آدم کی موجودگی کے باعث انس و دل بستگی تو تھی ہی، چنانچہ ان لوگوں نے خود بھی یہاں قیام کیا اور اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو بھی بلوالیا اور سب لوگ بھی یہیں آ کر قیام پذیر ہوگئے۔ اس طرح یہاں ان کے کئی گھرانے آ کر آباد ہوگئے اور بچہ جوان ہوا ان سے عربی سیکھ لی، جوانی میں اسماعیل عَلَیْہِ السَّلام ایسے تھے کہ آپ پر سب کی نظریں اُٹھتی تھیں اور سب سے زیادہ آپ بھلے لگتے، چنانچہ جرہم والوں نے آپ کی اپنے قبیلے کی ایک لڑکی سے شادی کردی، پھر اسماعیل عَلَیْہِ السَّلام کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام کا انتقال ہوگیا۔ حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلام کی شادی کے بعد ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام یہاں اپنے چھوڑے ہوئے سرمایہ کو دیکھنے تشریف لائے۔ اسماعیل عَلَیْہِ السَّلام گھر پر موجود نہیں تھے۔ اس لیے آپ نے ان کی بیوی سے ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ انہوں نے بتایا کہ روزی کی تلاش میں کہیں گئے ہیں۔ پھر آپ نے ان سے ان کی معاش وغیرہ کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ حالت اچھی نہیں ہے، بڑی تنگی ترشی میں گزر اوقات ہوتی ہے، اس طرح انہوں نے شکایت کی کہ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام نے فرمایا کہ جب تمہارا شوہر آئے تو ان سے میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو

بدل ڈالیں پھر جب اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو جیسے انہوں نے کچھ انسیت سی محسوس کی اور فرمایا کیا کوئی صاحب یہاں آئے تھے؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ ہاں ایک بزرگ اس اس صورت کے یہاں آئے تھے اور آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے میں نے انہیں بتایا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہاری معیشت کا کیا حال ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ ہماری گزر اوقات بڑی تنگی ترشی سے ہوتی ہے، اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ انہوں نے تمہیں کچھ نصیحت بھی کی تھی؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ ہاں، مجھ سے انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو سلام کہہ دوں اور کہہ گئے ہیں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد تھے اور مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں جدا کردوں، اب تم اپنے گھر جاسکتی ہو۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام نے انہیں طلاق دے دی اور بنو جرہم ہی میں ایک دوسری عورت سے شادی کرلی، جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور رہا، ابراہیم علیہ السلام ان کے یہاں نہیں آئے پھر جب کچھ دنوں کے بعد تشریف لائے تو اس مرتبہ بھی وہ اپنے گھر موجود نہیں تھے۔ آپ ان کی بیوی کے یہاں گئے اور ان سے اسماعیل علیہ السلام کے متعلق دریافت فرمایا۔ انہوں نے کہا ہمارے لیے روزی تلاش کرنے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگوں کا کیسا حال ہے؟ آپ نے ان کی گزر بسر اور دوسرے حالات کے متعلق دریافت فرمایا، انہوں نے بتایا کہ ہمارا حال بہت اچھا ہے، بڑی فراخی ہے۔ انہوں نے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثنا کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کھاتے کیا ہو؟ انہوں نے بتایا کہ گوشت، آپ نے دریافت فرمایا اور پیتے کیا ہو؟ بتایا کہ پانی، ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے دعا کی، اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت نازل فرمایئے، ان دنوں انہیں اناج میسر نہیں تھا، اگر اناج بھی ان کے کھانے میں شامل ہوتا تو ضرور آپ اس میں بھی برکت کی دعا کرتے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف گوشت اور پانی پر خوراک میں انحصار، مداومت کے ساتھ مکہ کے سوا اور کسی خطۂ زمین پر بھی موافق نہیں، ابراہیم علیہ السلام نے جاتے ہوئے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے شوہر واپس آجائیں تو ان سے میرا اسلام کہنا اور ان سے کہہ دینا کہ

اپنے دروازے کی چوکھٹ کو باقی رکھیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام تشریف لائے تو پوچھا کہ یہاں کوئی آیا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ جی ہاں، ایک بزرگ بڑی اچھی وضع وشکل کے آئے تھے، بیوی نے آنے والے بزرگ کی تعریف کی، پھر انہوں نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا اور میں نے بتادیا، پھر انہوں نے پوچھا کہ تمہارے گزر بسر کا کیا حال ہے؟ تو میں نے بتایا کہ ہم اچھی حالت میں ہیں، اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ انہوں نے تمہیں کوئی وصیت بھی کی تھی؟ انہوں نے کہا کی جی ہاں۔ آپ کو انہوں نے سلام کہا تھا اور حکم دیا تھا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو باقی رکھیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بزرگ میرے والد تھے، چوکھٹ تم ہو اور آپ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں۔ پھر جتنے دن اللہ تعالیٰ کو منظور رہا ابراہیم علیہ السلام ان کے یہاں نہیں تشریف لائے پھر جب تشریف لائے، تو دیکھا کہ اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے سائے میں اپنے تیر بنا رہے تھے، جب اسماعیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو سروقد کھڑے ہوگئے اور جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کے ساتھ معاملہ کرتا ہے وہی طرز عمل ان دونوں حضرات نے ایک دوسرے کے ساتھ اختیار کیا، پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، ''اسماعیل علیہ السلام! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے، اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے جو حکم آپ کو دیا ہے آپ اسے ضرور انجام دیجیے۔ انہوں نے فرمایا اور تم بھی میری مدد کرسکو گے؟ عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسی مقام پر ایک گھر بناؤں اور آپ نے ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے چاروں طرف۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت ان دونوں حضرات نے بیت اللہ کی بنیاد پر عمارت کی تعمیر شروع کی، اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے، جب دیواریں بلند ہوگئیں تو اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر لائے اور ابراہیم علیہ السلام کے لیے اسے رکھ دیا، اب ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہوکر تعمیر کرنے لگے، اسماعیل علیہ السلام پتھر دیے جاتے تھے اور یہ دونوں حضرات یہ دعا پڑھتے جاتے تھے۔ ''ہمارے رب'' ہماری طرف سے قبول کیجیے، بے شک آپ بڑے سننے والے بہت جاننے والے ہیں۔'' فرمایا کہ دونوں حضرات تعمیر کرتے

رہے اور بیت اللہ کے چاروں طرف گھوم گھوم کر یہ دعا پڑھتے رہے "ہمارے رب ہماری طرف سے یہ قبول کیجئے، بے شک آپ بڑے سننے والے بہت جاننے والے ہیں۔"

٢ ابرص، گنجے اور اندھے کا قصہ :

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے، ایک ابرص، دوسرا اندھا اور تیسرا گنجا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا امتحان لے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، فرشتہ پہلے ابرص کے پاس آیا، اور اس سے پوچھا، تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اچھا رنگ اور اچھی جلد، کیونکہ مجھ سے لوگ پرہیز کرتے ہیں، بیان کیا کہ فرشتے نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری جاتی رہی اور اس کا رنگ بھی خوبصورت ہوگیا اور جلد بھی اچھی ہوگئی، فرشتے نے پوچھا کہ کس طرح کا مال تم زیادہ پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ اونٹ یا اس نے گائے کا کہا۔ اسحاق عبد اللہ کو اس سلسلے میں شک تھا کہ ابرص اور گنجے دونوں میں ایک نے اونٹ کی خواہش کی تھی اور دوسرے نے گائے کی۔ چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا، پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا کہ عمدہ بال، اور موجودہ عیب میرا ختم ہو جائے، کیونکہ لوگ اس کی وجہ سے مجھ سے پرہیز کرتے ہیں۔ بیان کیا کہ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا عیب جاتا رہا اور اس کے بجائے عمدہ بال آگئے۔ فرشتے نے پوچھا کس طرح کا مال پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ گائے۔ بیان کیا کہ فرشتے نے اسے گائے حاملہ دے دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت دے گا، پھر اندھے کے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بصارت دے دے، تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ بیان کیا کہ فرشتے نے ہاتھ پھیرا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت اسے واپس کردی، پھر پوچھا کہ کس طرح کا مال تم پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ بکریاں، فرشتے نے اسے حاملہ بکری دے دی۔ پھر تینوں جانوروں کے بچے پیدا ہوئے۔ ابرص کے اونٹوں سے اس کی

وادی بھر گئی، گنجے کے گائے بیل سے اس کی وادی بھر گئی اور اندھے کی بکریوں سے اس کی وادی بھر گئی، پھر دوبارہ فرشتہ اپنی اسی پہلی ہیئت وصورت میں ابرص کے یہاں آیا اور کہا کہ میں ایک نہایت مسکین آدمی ہوں، سفر کا تمام سامان واسباب ختم ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے مقصد برآری کی توقع نہیں، لیکن میں تم سے اسی ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ اور اچھی جلد اور مال عطا کیا۔ ایک اونٹ کا سوال کرتا ہوں جس سے سفر کی ضروریات پوری کرسکوں، اس نے فرشتے سے کہا کہ حقوق اور بہت سے ہیں۔ فرشتے نے کہا، غالباً میں تمہیں پہچانتا ہوں، کیا تمہیں برص کی بیماری نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ تم سے گھن کیا کرتے تھے، ایک فقیر اور قلاش! پھر تمہیں اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں عطا کیں؟ اس نے کہا کہ یہ ساری دولت تو پشت ہا پشت سے چلی آرہی ہے، فرشتے نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے، پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا، اپنی پہلی اسی ہیئت وصورت میں آیا اور اس سے وہی درخواست کی، اس نے بھی وہی ابرص والا جواب دیا، فرشتہ نے کہا اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے، اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اپنی اُسی پہلی صورت میں، اور کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں، سفر کے تمام اسباب ووسائل ختم ہو چکے ہیں، اور سوا اللہ تعالیٰ کے کسی سے مقصد برآری کی توقع نہیں، میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں تمہاری بصارت دی، ایک بکری مانگتا ہوں جس سے اپنے سفر کی ضروریات پوری کرسکوں۔ اندھے نے جواب دیا کہ واقعی میں اندھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بصارت عطا فرمائی اور واقعی میں فقیر ومفلس تھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مالدار بنایا، تم جتنی بکریاں چاہو لے سکتے ہو۔ بخدا! جب تم نے خدا کا واسطہ دیا ہے تو جتنا بھی تمہارا جی چاہے لے لو، میں تمہیں ہرگز نہیں روک سکتا، فرشتہ نے کہا تم اپنا مال اپنے پاس رکھو، یہ تو صرف امتحان تھا، اور اللہ تعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہے اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناراض۔

[۳] ایک ہزار دینار قرض لینے والے شخص کا قصہ:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا تذکرہ

فرمایا کہ انہوں نے بنی اسرائیل کے ایک دوسرے فرد سے ایک ہزار دینار قرض مانگا، انہوں نے کہا کہ پہلے ایسے گواہ لاؤ جن کی گواہی پر مجھے اعتبار ہو۔ قرض مانگنے والے بولے کہ گواہ کی حیثیت سے تو بس اللہ کافی ہے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھا کوئی ضامن لاؤ، قرض مانگنے والے بولے کہ ضامن کی حیثیت سے بھی بس اللہ ہی کافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سچی بات کہی تم نے، چنانچہ ایک متعین مدت کے لیے انہیں قرض دے دیا، یہ صاحب قرض لے کر دریائی سفر پر روانہ ہوئے اور پھر اپنی ضرورت پوری کر کے کسی سواری کشتی وغیرہ کی تلاش کی تا کہ اس سے دریا پار کر کے اس متعینہ مدت تک قرض دینے والے کے پاس پہنچ سکیں جو ان سے طے پائی تھی۔ لیکن کوئی سواری نہیں ملی، آخر انہوں نے ایک لکڑی لی اور اس میں ایک سوراخ بنایا، پھر ایک ہزار دینار اور ایک خط جو ان کی طرف سے قرض دینے والے کی طرف تھا، اس میں رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا اور اسے دریا پر لے کر آئے۔ پھر کہا، اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے تھے۔ اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہہ دیا تھا کہ ضامن کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بھی تجھ پر راضی تھا، اس نے مجھ سے گواہ مانگا تو اس کا بھی جواب میں نے یہی دیا کہ اللہ گواہ کی حیثیت سے کافی ہے تو وہ تجھ پر راضی ہوگیا تھا اور میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی سواری مل جائے جس کے ذریعہ میں اس کا قرض اس تک پہنچا سکوں، لیکن مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لیے اب میں اس کو تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے وہ لکڑی جس میں رقم تھی، دریا میں بہا دی۔ اب وہ دریا میں تھی اور وہ صاحب واپس ہو چکے تھے۔ اگرچہ فکر اب بھی یہی تھی کہ کسی طرح کوئی جہاز ملے جس کے ذریعے اپنے شہر جا سکیں۔ دوسری طرف وہ صاحب جنہوں نے قرض دیا تھا۔ اسی تلاش میں آئے کہ ممکن ہے کوئی جہاز ان کا مال لے کر آیا ہو لیکن وہاں انہیں ایک لکڑی ملی، وہی جس میں مال تھا۔ انہوں نے وہ لکڑی اپنے گھر کے ایندھن کے لیے لے لی، پھر جب اُسے چیرا تو اس میں سے دینار نکلے اور ایک خط بھی، کچھ دنوں بعد وہ صاحب جب اپنے وطن پہنچے تو قرض خواہ کے یہاں آئے اور دوبارہ ایک ہزار دینار ان کی خدمت میں پیش

کر دیے اور کہا کہ بخدا میں تو برابر اسی کوشش میں رہا کہ کوئی جہاز ملے تو تمہارے پاس تمہارا مال لے کر پہنچوں، لیکن اس دن سے پہلے جبکہ میں یہاں پہنچنے کے لیے سوار ہوا، مجھے اپنی کوششوں میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر انہوں نے پوچھا، اچھا یہ تو بتاؤ کوئی چیز بھی میرے نام آپ نے بھیجی تھی؟ مقروض نے جواب دیا، بتا تو رہا ہوں آپ کو، کہ کوئی جہاز مجھے اس جہاز سے پہلے نہیں ملا جس سے میں آج پہنچا ہوں۔ اس پر قرض خواہ نے کہا کہ پھر اللہ نے بھی آپ کا قرض ادا کر دیا جسے آپ نے لکڑی میں بھیجا تھا۔ وہ صاحب اپنا ہزار دینار لے کر خوش خوش واپس ہو گئے۔

[۴] حضرت الکفل علیہ السلام کا قصہ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''گذشتہ امت میں ایک آدمی گزرا ہے جس کا نام الکفل تھا۔ وہ بڑا سخی تھا، ایک عورت کے پاس آیا جو ضرورت مند تھی اور اس کو بہت زیادہ دولت عطا کی اور ایک روایت کے مطابق ساٹھ دینار دیے۔ جب اس نے اس عورت سے خواہش پوری کرنا چاہی تو وہ عورت کانپنے لگی اور رونے لگی، اس آدمی نے پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ اس نے کہا میں نے یہ کام پہلے کبھی نہیں کیا اور میری ضرورت اور حاجت مندی نے ہی مجھے اس کام پر اُکسایا ہے۔ اس آدمی نے کہا: کیا تمہارے اندر خدا کا خوف موجود ہے۔ جبکہ میں اس کے زیادہ لائق ہوں۔ جاؤ چلی جاؤ جو کچھ دیا وہ بھی تمہارا ہے اور خدا کی قسم میں اللہ کی کبھی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس رات اس آدمی کا انتقال ہو گیا، اس کے دروازے پر لکھا تھا: اللہ تعالیٰ نے کفل علیہ السلام کی مغفرت کر دی۔ لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا اور اس وقت کے پیغمبر کو بھی اس کی شان و مقام کی خبر دی گئی۔''

ایسے نبویؐ قصوں، قرآنی واقعات اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات کو پڑھ کر اور سن کر

بچے ایمانی ماحول اور فضا میں زندگی گزارتے ہوئے اپنے یقین میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

دوسرا اصول:

براہِ راست واضح گفتگو کرنا

بچوں سے براہِ راست گفتگو کرنا اور ان کے سامنے حقائق کو بیان کرنا اور فکری معلومات کو ان کے ذہن نشین کرنے کی خاطر مرتب کرنا ایسی چیز ہے جو بچوں میں بات کے قبول کرنے کی استعداد کو بہت زیادہ بڑھا دیتی ہے، لیکن ادھر ادھر سے جمع کردہ باتیں (جن میں کوئی ترتیب وغیرہ نہ ہو) بچوں کی اصلاح و تربیت میں کوئی کردار اور رول ادا نہیں کرتیں۔ ہمارے محبوب پیغمبر ﷺ نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ ہم اکثر و بیشتر مواقع میں بچوں کے ساتھ واضح اور براہِ راست گفتگو کریں۔

جامع ترمذی میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نبی کریم ﷺ کے پیچھے (سواری پر سوار) تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات سکھاتا ہوں'' اب اس جملہ میں آنحضرت ﷺ اپنے موضوع کو بیان کرنے کے لیے نشوونما پانے والے بچہ سے فرماتے ہیں کہ ''میں تمہیں سکھاتا ہوں'' پھر آپ ﷺ اسے مختصر اور مفید کلمات سکھاتے ہیں جو نہ طویل ہیں اور نہ ہی اتنے مختصر کہ اصل موضوع میں خلل انداز ہوں، یہ ہے بچہ کی فکری طبیعت کی رعایت کے لیے کلام کو مرتب اور مربوط انداز میں پیش کرنا، جو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ کلمات مختصر مگر معانی و افکار کو جامع اور حاوی ہوں۔

جب ہم ان کلمات میں غور کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلمات بچوں کی موجودہ اور آئندہ آنے والی زندگی میں اساسی اور بنیادی فکری ضوابط اور اصول کی وضاحت کرتے ہیں۔ لیجئے! ان کلمات کو پڑھئے اور غور کیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم اللہ (کے دین) کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے اور جب تم

سوال کرو تو اللہ سے کرو اور جب مدد مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور اچھی طرح جان لو کہ اگر تمام لوگ تجھے کسی چیز کے ذریعہ نفع پہنچانا چاہیں تو صرف اسی چیز کے ساتھ نفع پہنچا سکتے ہیں جس کو اللہ نے تمہارے لیے (تقدیر میں) لکھ دیا ہے، اور اگر تمام لوگ کسی چیز کے ساتھ تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو صرف اس چیز کے ساتھ نقصان پہنچا سکتے ہیں جس کو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، قلمیں اٹھالی گئیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔''

آپ نے اس براہِ راست گفتگو کے حسن کو ملاحظہ کیا، جس کا آغاز ''اے لڑکے'' کے جملہ سے ہوا جو بچوں کو متنبہ اور بیدار کرتا ہے اور اس سے وہ دوسروں کی بات کو پوری توجہ سے سماعت کرتے ہیں۔

جیسا کہ نوجوان طبقہ ''اے نوجوان'' کی ندا سنتا ہے تو وہ بھی یوں ہی محسوس کیا کرتا ہے۔

پھر آپ نے دیکھا کہ کیسا جامع اور حاوی قسم کا مضمون ہے جو بچوں کے ذہن کو پوری طرح اپیل کرتا ہے! کیا آپ نے بچوں کی ذہنی اور فکری تعمیر کے لیے ایسے قواعد وضوابط کہیں پڑھے یا سنے ہیں، جو بچوں کی زندگی میں مرکزی کردار کے حامل ہوں؟ رسول اللہ ﷺ اپنے براہِ راست خطاب کے ذریعہ بچوں کی عملی طریقہ کی طرف راہنمائی کیا کرتے تھے تاکہ وہ قلبی امراض جیسے حسد، بغض اور کینہ وغیرہ سے نجات حاصل کر سکیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''بیٹا! اگر تم صبح وشام اس حال میں گزار سکو کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے کینہ وغیرہ نہ ہو تو ایسا ضرور کر، اے بیٹے! اور یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت کو زندہ کرتا ہے تو تحقیق اس نے مجھے زندہ کیا اور جو مجھے زندہ کرے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''

رسول کریم ﷺ نے اس حدیث مبارک میں ان کے ساتھ انتہائی اطمینان بخش طریقہ

اختیار کیا اور معلومات کو یوں مربوط شکل میں پیش فرمایا کہ ہر بچہ ان کو یاد کرسکتا ہے اور بآسانی سمجھ سکتا ہے، آپ ﷺ کا "اے بیٹے" کے پُر تاثیر جملہ اور پرسکون اور سازگار فضا میں گفتگو فرمانا ایسا انداز ہے جس سے بچے بھی استفادہ کرسکتے ہیں۔

تیسرا اصول:

ذہنی سطح کے مطابق بات کرنا

بچہ کوئی بھی ہو بہرحال اس کی ذہنی استعداد کی ایک حد ہوتی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرسکتا اور اس کا فکر وشعور ابھی نشوونما کی منازل طے کر رہا ہوتا ہے اور والدین اور مربّیین کے لیے اس حقیقت (کہ بچے ابھی عقلی طور پر نشوونما پا رہے ہیں) کا ادراک ایسا امر ہے جس سے بہت سی مشکلات ان کے لیے آسان ہوجاتی ہیں، اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان سے بات کب کرنی ہے اور کون سے الفاظ استعمال کرنے ہیں اور ان کے سامنے کس قسم کے افکار و خیالات پیش کرنے ہیں۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ واقعہ بدر سے قبل جب بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک قریشی چرواہے کا غلام پکڑا اور اس سے لشکر کی تعداد پوچھی تو صحیح صحیح جواب نہ دینے پر انہوں نے اسے مارا، حتیٰ کہ پھر وہ غلام، حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس غلام سے یوں پوچھا کہ "وہ لوگ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں" غلام نے کہا کہ نو دس کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ان لوگوں کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے" آنحضرت ﷺ نے بھانپ لیا کہ اس غلام کو ہزاروں کا عدد معلوم نہیں ہے۔ البتہ اس کی عقلی اور فکری طاقت دہائیوں کا ادراک کرسکتی ہے لیکن وہ کتنی دہائیاں ہیں؟ دس اونٹ ہیں تو یہ چیز تو ہر بچہ بھی بتا سکتا ہے، معلوم ہوا کہ کوئی بڑی تعداد ہوگی۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک بار رسول کریم ﷺ نے ایک بچی کو حبشی زبان میں آواز دی جسے وہ سمجھتی تھی، اگر کسی اور زبان میں بلاتے تو آپ ﷺ کی غرض کو نہ سمجھ پاتی۔

چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں لکھا ہے کہ "حضور نبی کریم ﷺ نے ام خالد بنت خالد (جو کہ ملک حبشہ میں ان کے والد کی ہجرت کے وقت پیدا ہوئی تھیں اور اس وقت چھوٹی بچی تھیں) کو بلایا، پھر اسے قمیض پہنائی اور فرمایا کہ "اے ام خالد! یہ قمیض سَنَا ہے، حبشی زبان میں سنا، خوبصورتی کو کہتے ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی چادر مبارک سے چھپاتے جب کہ میں مسجد میں حبشیوں کو کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی، یہاں تک کہ میں ہی وہ عورت ہوں جو آپ ﷺ سے ملول خاطر ہونے والی ہوں، پس تم نوعمر بچی کا اندازہ کرلو جو کھیل وغیرہ کی شوقین ہو۔ نسائی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "عید کے روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھیلنے کے لیے سیاہ فام لوگ آئے، آپ ﷺ نے مجھے بلایا تو میں آپ ﷺ کے کندھے مبارک کے اوپر سے ان کو دیکھتی تھی، حتیٰ کہ میں ہی وہ ہوں جو واپس چلی آئی تھی۔"

ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے! جب حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت گزاری میں تقصیر ہوجاتی یا کوئی بات بھول جاتے اور آنحضور ﷺ کے گھر والے اس پر سرزنش کرتے تو فوراً رسول اللہ ﷺ، جو بچوں کی قدرت و طاقت اور اس کی حدود کا ادراک رکھنے والے تھے، فرمادیتے کہ "رہنے دو، اسے چھوڑ دو، اگر مقدر میں ہوتا تو ضرور ہوجاتا" مطلب یہ ہے کہ بچہ ایک محدود جسمانی اور فکری قوت کا مالک ہوتا ہے اس سے اس کی قدرت وطاقت سے بڑھ کر کام لینا ٹھیک نہیں ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ تو بچوں کی عقلی اور فکری طاقت کے مطابق ہی ان سے ہنسی مزاح فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ ان سے مزاح ایسی چیزوں کے ساتھ فرماتے جو ان کے لیے محسوس ہوتیں اور جن چیزوں کو وہ جانتے پہچانتے ہوتے، اس کی دلیل وہ مزاح ہے جو

آپ ﷺ نے ابوعمیر کے ساتھ فرمایا کہ ''اے ابوعمیر! تیرے نُغیر کا کیا ہوا'' وہ نغیر ایک چھوٹی سی چڑیا تھی جس کے ساتھ وہ چھوٹا بچہ کھیلا کرتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ جب بچہ کی ذہنی سطح سے اونچی کوئی بات کی جاتی ہے تو بسا اوقات اس میں بدلحاظی، مخالفت اور کند ذہنی جیسی چیزیں جنم لیتی ہیں، جیسے آپ سے کوئی شخص کوئی بات کہے لیکن ایسی زبان اختیار کرے جسے آپ نہ سمجھتے ہوں اور آپ اسے جواب نہ دیں تو وہ شخص آپ کو زدوکوب شروع کر دے گا، کیا یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے۔ چھوٹے بچوں کا بھی یہی حال ہے۔

چوتھا اصول:

نرمی سے بات کرنا

نرم گفتاری ایک ایسی چیز ہے جو بچہ کے عقل وحواس کو ترقی دیتی ہے اور امور و واقعات کے حقائق کو معلوم کرنے میں اس سے ان کے نشاط میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ بچوں کو بحث و مباحثہ کی تربیت دینا، والدین کو تربیت وتعمیر کی چوٹی تک پہنچا دیتا ہے، نیز اس وقت بچہ اپنے حقوق کو بیان کرنے پر قادر ہو جاتا ہے اور پھر وہ ان باتوں کے متعلق پوچھنے کی قدرت رکھتا ہے جس سے وہ پہلے ناواقف ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں فکری صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بڑوں کی مجلس میں بیٹھنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کا وجود بھی اس مجلس میں بامعنی ہوتا ہے اور بڑوں کے دل میں اس کی فکری آراء کی جگہ ہوتی ہے، اس لیے کہ اس نے اپنے گھر میں اپنے والدین کے ساتھ گفتگو کے طور طریقے اور آداب سیکھے ہیں اور اپنے والدین سے اس کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ لوگ اپنے بچوں کو ہمیشہ خاموشی اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں اور ان کا اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے دوسروں کو پتہ چلے کہ ان میں اخلاقی تہذیب اور بلند آداب وغیرہ موجود ہیں تو یہ بات بہت اچھی ہے بشرطیکہ وہ بچے اپنے خیالات کا اظہار کرنے پر قدرت رکھتے ہوں اور انتہائی اخلاق و آداب کے ساتھ گفتگو کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ انتہائی نرم لہجہ میں بات کرتے تھے، جیسا کہ پہلے بھی یہ روایت گزری کہ جس میں آپ ﷺ نے غلام سے لشکر کی تعداد بڑے پر لطف انداز سے دریافت فرمائی جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے مارا بھی تھا مگر اس نے جواب نہیں دیا۔

اسی طرح ایک نوجوان جو زنا کاری میں مبتلا ہونا چاہتا تھا، آپ ﷺ نے بڑے پر لطف انداز میں اس سے گفتگو فرمائی کہ اس نوجوان کے دل میں زنا کی شدید نفرت پیدا ہوگئی۔
اسی طرح حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی پہلے گزری کہ جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے جس میں ان کی نمازِ تہجد کے پڑھنے کا ذکر تھا۔

اسی طرح کی ایک روایت مزید ذکر کی جاتی ہے جس میں آنحضور ﷺ بڑے لطیف اور عمدہ پیرایہ میں ایک بچہ یعنی ابن عباس سے گفتگو فرماتے ہیں، لیجئے! ملاحظہ کیجئے!

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شب گزاری کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت ملاحظہ کروں، چنانچہ (رات کے وقت) رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور یہ الفاظ ادا فرمائے: "نامت العیون وغارت النجوم وبقی الحی القیّوم" یعنی آنکھیں سوگئیں، ستارے چھپ گئے اور زندہ و جاوید ذات قائم و باقی ہے۔ پھر آل عمران کی آخری آیات پڑھیں یعنی "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" [آل عمران: ۱۹] اس کے بعد ایک مشکیزہ کی طرف بڑھے جو فضا میں لٹک رہا تھا، اس سے وضو فرمایا، پھر نماز شروع کردی، میں نے بھی وضو کیا اور آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے میرا کان اور ایک روایت کے مطابق میرے بال پکڑے اور مجھے اپنے پیچھے کی جانب سے گھما کر اپنی دائیں جانب کھڑا کردیا، میں دوبارہ اپنی جگہ آگیا، آپ ﷺ نے دوبارہ مجھے اسی طرح دائیں جانب کردیا، یہ بات تین مرتبہ ہوئی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ "اے لڑکے! جس جگہ پر میں نے تجھے کھڑا کیا تھا تم اس جگہ کیوں نہیں کھڑے ہوئے"؟ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! بھلا آپ ﷺ کے برابر (کھڑا) کوئی ہوسکتا ہے! آپ ﷺ نے دعا دی کہ "اللّٰھم فقھہ

فی الدین وعلمه التأویل" یعنی اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اسے تفسیر کا علم عطا فرما۔" (بدائع الصنائع ١/٢٥٨)

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دفعہ) میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ رات کے آخر حصہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، پس میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے مجھے پکڑا تو اپنے برابر کھڑا کردیا، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ "تمہیں کیا ہوا، میں تمہیں اپنے برابر کرتا ہوں اور تم پیچھے کو ہٹتے ہو"؟ میں نے کہا کہ کسی کی کیا شان کہ وہ آپ ﷺ کے برابر میں نماز پڑھے، آپ تو اللہ کے رسول ہیں، حضور ﷺ کو ان کی یہ بات بہت پسند آئی، آپ ﷺ نے مجھے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم وفہم میں ترقی عطا فرمائے۔ (مستدرك الحاكم ٣/٥٣٤)

ایک اور بچہ جو معرکہ میں شریک ہونا چاہتا تھا آپ ﷺ نے اس کی بات پورے اطمینان اور سکون سے سنی اور اس کے ساتھ انصاف کیا،

چنانچہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

> "میری والدہ بیوہ ہوئیں اور میں مدینہ منورہ آیا تو لوگوں نے انہیں نکاح کا پیغام دیا، میری والدہ نے کہا کہ میں صرف اس آدمی سے نکاح کروں گی جو میرے اس یتیم بچہ کی کفالت کا بار اٹھائے گا، چنانچہ ایک انصاری نے ان سے نکاح کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہر سال انصار کے لڑکے بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش ہوتے جو پختہ عمر کا ہوتا اسے لے لیتے، پس ایک سال میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے ایک لڑکے کو لے لیا مگر مجھے واپس کردیا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ نے اسے تو لے لیا مگر مجھے مسترد کردیا، حالاں کہ اگر اس کے ساتھ میری کشتی ہوجائے تو میں اسے ضرور پچھاڑ سکتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم اس کے ساتھ کشتی کرو" چنانچہ میں نے اس کے ساتھ کشتی کی تو میں نے اسے پچھاڑ دیا (گرادیا)، پھر آپ ﷺ نے مجھے قبول فرمالیا۔ (مستدرك الحاكم ٢/٦٠)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی منہاجِ نبوت پر چلا کرتے تھے۔

ایک باپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹے سے معاملہ کی حقیقت معلوم کی اور فرمایا کہ تم نے اپنے باپ کی نافرمانی کیوں کی؟ اس نے کہا کہ امیر المؤمنین! اولاد کے اس کے باپ پر کیا حقوق ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہی کہ وہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی ماں کا انتخاب بھی اچھا کرے اور یہ کہ اسے کتاب اللہ کی تعلیم دلائے، بیٹے نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے والد نے تو ان میں سے کوئی کام نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے والد کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ تم نے اپنے بیٹے کی نافرمانی (بدسلوکی) کی ہے قبل اس کے وہ تیری نافرمانی کرتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اہم امور میں بچوں کے ساتھ بھی مشاورت کیا کرتے تھے۔

غور کیجئے کہ آپ خلیفۃ المسلمین ہیں، دنیا کی ایک بہت بڑی مملکت کے سربراہ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قوتِ حق کا بھی اندازہ لگایئے، لیکن اس کے باوجود وہ اہم معاملات میں ان بچوں کے ساتھ بھی مشاورت کرتے جن کو عام لوگ خاطر میں نہیں لاتے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے اور امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مذاکرات کرتے تھے۔

لیجئے! ایک بچہ کی پر لطف گفتگو ملاحظہ کیجئے اور اس کی رائے کو اسی طرح سماعت کیجئے جس طرح پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سماعت کیا:

''جب عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مسند خلافت پر فائز ہوئے تو اطراف و اکناف سے مختلف وفود اپنی حاجتیں لے کر اور مبارک بادی کی غرض سے آئے، ان وفود میں اہل حجاز کا ایک وفد بھی تھا، اس میں ایک ہاشمی نوعمر لڑکا گفتگو کے لیے آگے بڑھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم سے بڑی عمر کا کوئی آدمی بات کرے، لڑکا بولا: اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کی اصلاح فرمائے، انسان کا مقام اس کے دو چھوٹے اعضاء یعنی دل اور زبان کی وجہ سے وابستہ ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی

بندے کو بولنے والی زبان اور یاد رکھنے والا دِل عطا فرمائے تو وہ بات کرنے کا حقدار ہوتا ہے اور جو اس کی گفتگو کو سنتے ہیں انہیں اس بات کی اہمیت معلوم ہے، اے امیر المؤمنین! اگر کسی معاملہ کا دارومدار انسان کی عمر پر ہوتا تو ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ سے زیادہ اس منصب کے اہل ہیں، (یہ سن کر) عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ تم نے سچ کہا، ٹھیک ہے جو کہنا چاہتے ہو کہو، لڑکے نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کی اصلاح فرمائے، ہم مبارک بادی کے پیامبر ہیں نہ کہ مصیبت کے، ہم آپ کے پاس اللہ کے اس احسان کی وجہ سے حاضر ہوئے ہیں جو احسان اس نے آپ کی بدولت پر ہم کیا ہے، کسی چیز کی رغبت یا خوف ہمارے آنے کا سبب نہیں ہے، کیونکہ ہم آپ کے پاس اپنے علاقوں سے آئے ہیں اور آپ کے عدل و انصاف کی وجہ سے ہم آپ کے جور و ظلم سے بھی محفوظ و مامون ہیں (یہ سن کر) حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے لڑکے! مجھے نصیحت کرو، لڑکا بولا: اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کی اصلاح فرمادے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بردباری اور اپنی طویل امیدوں اور لوگوں کی تعریف (خوشامدی) میں گھرے رہتے ہیں، چنانچہ وہ بھٹک کر آگ میں گر جاتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بردباری اور اپنی لمبی لمبی امیدوں اور لوگوں کی خوشامد اور تعریفوں سے اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو، ورنہ تمہارے قدم بھی پھسل جائیں گے اور تم بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ آپ کو ان لوگوں میں سے نہ بنائے بلکہ امت کے نیک لوگوں میں شامل فرمائے۔ اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ اس لڑکے کی کتنی عمر ہے؟ تو بتایا گیا کہ گیارہ سال ہے، پھر تحقیق کی گئی تو پتہ چلا وہ تو سیّدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے ہے، چنانچہ آپ نے اس لڑکے کی خوب تعریف کی اور اسے دُعا دی۔"

مصعب بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''میرے والد مسجد میں جب نماز ادا فرماتے تو نماز میں اختصار کرتے (مختصر نماز پڑھتے) البتہ رکوع سجدہ پورا کرتے اور جب گھر میں نماز پڑھتے تو نماز اور رکوع وسجود طویل کرتے، میں نے پوچھا کہ ابا جان! اس کی کیا وجہ ہے کہ مسجد میں آپ مختصر نماز ادا کرتے ہیں اور گھر میں لمبی؟ انہوں نے فرمایا کہ بیٹا! ہم مقتداء اور پیشوا ہیں، لوگ ہماری اقتدا کرتے ہیں۔''

(رواه الطبرانی فی الکبیر والمجمع ۱/۱۸۲)

ابو بردہ بن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا، آپ اس وقت ام الفضل کے گھر میں تھے، ام الفضل کو چھینک آئی تو انہوں نے چھینک کا جواب دیا (یرحمک اللہ کہا)، پھر مجھے چھینک آئی تو مجھے جواب چھینک کا نہیں دیا۔ پھر جب میں اپنی والدہ کے پاس آیا اور انہیں یہ بات بتائی تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے آنے پر میری والدہ نے ان سے پوچھا کہ میرے بیٹے کی چھینک کا آپ نے جواب نہیں دیا اور اس عورت کی چھینک کا جواب دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اصل میں تمہارے بیٹے نے چھینک کر الحمد للہ نہیں کہا اس لیے میں نے اس کا جواب نہیں دیا، جب کہ اس عورت نے چھینک کر الحمد للہ کہا تھا اس لیے میں نے اس کی چھینک کا جواب دیا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

''جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو تم اس کی چھینک کا جواب دو اور اگر الحمد للہ نہ کہے تو پھر اس کی چھینک کا جواب نہ دو۔''

والدہ نے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا، تم نے بہت اچھا کیا۔ (مستدرك الحاكم ٤/٢٦٥)

اس طرح کی ایک اور پُر لطف گفتگو سنیے جو ایک عظیم امام کی اصلاح کا سبب بنی۔

• امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ مٹی کے ساتھ کھیل رہا ہے، آپ نے اس سے کہا اے لڑکے! احتیاط کرو، کہیں مٹی میں گر نہ جاؤ، لڑکا بولا! آپ احتیاط کریں گرنے

سے، اس لیے کہ ایک عالم کا گرنا (لغزش کھانا) پورے عالَم کے گرنے (لغزش کھانے) کے مترادف ہے، اس کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول ہوگیا کہ جب تک اپنے شاگردوں کے ساتھ پورا ایک مہینہ مسئلہ کی تحقیق نہ کر لیتے فتویٰ نہ دیتے تھے۔

(الاسلام بين العلماء والحكام ص ١١٢)

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے مجاشع بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: میں مدینہ منورہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھا، آپ لوگوں کو مسائل بتا رہے تھے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد محمد بن حسن (جو اس وقت نوعمر لڑکے تھے) آئے، اور ابھی انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مؤطا امام مالک پڑھنا شروع نہیں کی تھی، محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ ایسے جنبی شخص کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں جسے پانی صرف مسجد میں ہی دستیاب ہو؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جنبی آدمی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، محمد بن حسن نے کہا کہ پھر وہ کیا کرے، نماز کا وقت بھی ہوگیا ہو اور وہ پانی دیکھ بھی رہا ہے؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بار بار یہی کہتے رہے کہ وہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، جب محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کا اصرار بڑھا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا، تم ہی بتاؤ، وہ ایسی صورت میں کیا کرے، محمد بن حسن بولے کہ وہ تیمّم کر کے مسجد میں داخل ہوجائے پھر مسجد سے پانی لے کر باہر آجائے اور نہالے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ محمد نے کہا کہ فلاں علاقہ کا رہنے والا ہوں، اس کے بعد اُٹھ کر چلے گئے۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ تھے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محمد بن الحسن کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں؟ اور انہوں نے بتایا ہے کہ وہ مدینہ کے رہنے والے ہیں، لوگوں نے کہا کہ انہوں نے تو زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس کے رہنے والے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے لیے یہ بات اس سے زیادہ گراں بار ہے۔ (بلوغ الاماني في سيرة الإمام محمد بن الحسن الشيباني ص ١٢)

پانچواں اصول:

تجرباتی عملی طریقہ اختیار کرنا

بچوں کے حواس اور فطری قوتوں کی تربیت ان میں علم و معرفت کو پیدا کرتی ہے، جب وہ پروان چڑھتے ہیں اور کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو یہ چیز ان کی عقل میں بیداری کی کیفیت کو پیدا کرتی ہے، پھر وہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کو کس طرح بڑھائے اور یہ کام وہ خود بجالاتا ہے، اس طرح اس کے کام میں پختگی بھی آتی ہے اور آہستہ آہستہ کام کو بہتر سے بہتر بنانے پر بھی اسے آگاہی ہوتی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ وہ ایک بکری کی کھال اُتار رہا ہے لیکن اسے یہ کام ٹھیک طرح سے کرنا نہیں آرہا، آپ ﷺ نے اپنی آستینیں چڑھائیں اور اس بچہ کے سامنے بکری کی کھال کو اُتارنا شروع کیا اور بچہ نے پوری توجہ سے اس طریقہ کو دیکھا اور اسے اپنے ذہن میں بٹھایا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے کھال اتارنے کا طریقہ اس کے ذہن میں راسخ ہوگیا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک لڑکے کے پاس سے ہوا جو بکری کی کھال اتار رہا تھا مگر ٹھیک طریقہ سے نہیں اُتار رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ ''ہٹو، میں تمہیں کرکے بتاتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس کی کھال اور گوشت کے درمیان داخل کیا اور اس کے اندر گھسادیا، یہاں تک کہ اس کی بغل تک ہاتھ چلا گیا (اور اس طرح کھال اتار کر دکھایا) پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی اور وضو نہیں فرمایا۔ بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں اس طرح کے عملی تجربات سے عین ممکن ہے کہ اس کا دائرہ معرفت کشادہ ہو اور اس کی ذہنی اور عقلی حواس میں وسعت پیدا ہو۔

چھٹا اصول:

آنحضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شب گزاری، جب رات کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے اٹھے، (قریب میں) ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ کے پاس آئے اور اس سے ہلکا سا وضو کیا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، پس میں بھی اٹھا، وضو کیا، اور میں نے بھی آنحضور ﷺ کی طرح عمل کیا، پھر آپ ﷺ کی بائیں جانب آ کر کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے مجھے اپنی دائیں جانب پھیر دیا، پھر اللہ کو جتنی رکعتیں منظور تھیں آپ ﷺ نے پڑھیں، پھر آپ ﷺ لیٹ گئے، پھر ایسے سوئے کہ خراٹے لینے لگے۔ پھر مؤذن نماز کا بتانے کے لیے آیا، آپ ﷺ باہر نکلے اور نماز پڑھائی۔ (صحیح ابن خزیمۃ ۱۷/۳)

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

''اپنے بچوں کو تین چیزیں سکھاؤ، اپنے نبی ﷺ کی محبت، آلِ بیت کی محبت اور تلاوتِ قرآن۔''

اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کا رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سے ربط وتعلق ہونا چاہیے اور ان کی فکری تعمیر کے لیے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اقتداء و پیروی اور اس طرح کی احادیث مبارکہ سے ہدایات لینا بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس طرح بچے ایک معتدل انسان بن سکیں گے، اس لیے کہ امام الرسل ﷺ قائد البشریت اور حبیب الرحمٰن کی سیرت کے مطابق ان کی ذہنی اور فکری قوتیں اجاگر اور کشادہ ہوں گی اور نورِ ایمانی ان کے ذہنوں میں روشن ہوگا اور وہ اس باعظمت تاریخ سے واقف بھی ہوں گے اور اس پر فخر بھی کریں گے۔

جب ہمیں مغرب کے لوگوں کی کم عقلی کا علم ہوا کہ وہ بچوں کی نشوونما اور ان کی تربیت چند فرضی اور خیالی لوگوں کے ذریعہ کرتے ہیں جیسے سُپر مین وغیرہ تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے ساتھ بچوں کی فکری وابستگی کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ بچوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کی سیرت و اخلاق اور غزوات کا ذکر کرنا ہی کافی ہوگا، تاکہ بچے اپنے نبی ﷺ کی محبت اور ان کی پیروی اور اخلاقِ نبوی ﷺ کو اختیار کرنے میں جلدی کریں اور بُرے لوگوں کی صحبت و اثر سے دور رہیں۔

❁❁❁❁

باب سوئم:

بچوں کی نفسیاتی تربیت کے بنیادی اصول

پہلا اصول ...... بچوں کی صحبت

دوسرا اصول ...... بچوں کا دل خوش کرنا

تیسرا اصول ...... بچوں کے درمیان مقابلہ کروانا اور کامیاب ہونے والے کو انعام دینا

چوتھا اصول ...... بچوں کی حوصلہ افزائی

پانچواں اصول ...... مدح وتعریف کرنا

چھٹا اصول ...... خود اعتمادی کو بڑھانا

ساتواں اصول ...... اچھے انداز سے بلانا

آٹھواں اصول ...... بچوں کی خواہش کو پورا کرنا

نواں اصول ...... ایک بات کو بار بار دہرانا

دسواں اصول ...... مرحلہ وار قدم اٹھانا

گیارھواں اصول ...... ترغیب وترہیب سے کام لینا

”جس طرح اجسام اچھی غذا سے نشو ونما پاتے ہیں اسی طرح ارواح بھی عمدہ تربیت سے نشو ونما پاتی ہیں، لیکن جسم کی نشو ونما محدود ہے اور اس کی ایک انتہا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتی اور جب جسم اپنی غایت کو پہنچ جاتا ہے تو الٹے پاؤں چلنا شروع کر دیتا ہے اور روح کی نشو ونما انسان کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اس میں کہیں بھی ٹھہراؤ نہیں، ہاں البتہ جب اس کے سانس ہی پورے ہو جائیں اور اس بڑے جہاں سے گزر جائے تو اور بات ہے۔“ (شیخ محمد خضر حسین رحمۃ اللہ علیہ)

پہلا اصول:

بچوں کی صحبت

بچوں کی تربیت میں صحبت کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے، ایک دوست اپنے دوست کا آئینہ دار ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ ہر میدان میں بچوں کو اپنے ساتھ رکھتے تھے، کبھی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی صحبت بابرکات سے نوازا اور دونوں راستہ میں چلتے جا رہے ہیں اور کبھی اپنے چچا زاد بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا، اور کبھی کسی کو، آنحضرت ﷺ بغیر کسی تکلف اور بڑائی کے اظہار کے بچوں کو اپنی صحبت میں رکھا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ اپنی نہ بڑائی جتلاتے اور نہ ہی کسی قسم کی ناگواری کا اظہار کرتے تھے۔ یہ بچوں کا حق بھی ہے کہ وہ بڑوں کی صحبت میں بیٹھیں تاکہ ان سے تہذیب سیکھیں اور اپنی عادات کو سنوار سکیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل امین علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں (بچپن کے موقع پر) حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پکڑ کر لٹایا، پھر آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا...... الحدیث (رواہ الحاکم فی مستدرکہ)

مستدرکِ حاکم میں ہے کہ عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں، قثم رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (تینوں) کھیل رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سواری پر سوار حالت میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ''اسے اٹھا کر مجھے دو'' پس آپ ﷺ نے مجھے اپنے آگے بٹھالیا، پھر قثم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ ''اسے اٹھا کر مجھے دو'' پس اسے بھی اپنے پیچھے بٹھالیا، آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس نے اس بات پر شرم محسوس نہیں کی کہ قثم رضی اللہ عنہ کو بٹھایا اور ان کے بیٹے عبید اللہ کو نہیں بٹھایا، اس کے بعد آپ ﷺ نے میرے سر پر تین بار ہاتھ پھیرا اور دعا دی کہ اے اللہ! اسے جعفر کی اولاد میں ان کا جانشین بنا'' (راوی کہتے ہیں کہ) میں

نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قثم رضی اللہ عنہ کا کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ وہ شہید ہوگئے، میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنی بات سے زیادہ باخبر ہیں، انہوں نے کہا کہ ہاں، بالکل ایسا ہی ہے۔

ایک ننھے صحابی کا بیان ہے کہ اس کی قوم اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی تھی، پھر وہ احادیث نبویہ کو کیسے بیان کرتے تھے، وہ صحابی ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، جو کہتے ہیں، ہم ابطح کے مقام پر بنو عامر کی ایک جماعت کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مرحبا، تم مجھ سے ہو'' جب نماز کا وقت آیا تو بلال رضی اللہ عنہ نکلے اور انہوں نے اذان دی اور انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور اپنی اذان کے دوران (دائیں بائیں) گھومتے، جب اقامت کہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھری گاڑ دی (سترہ کے طور پر) پھر اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھائی۔''

(مسند ابی یعلیٰ ۲/۱۹۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی معمول تھا، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی صحبت میں رکھتے تھے، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ معرکہ میں لے جاتے تاکہ فنونِ حرب سے انہیں واقفیت پیدا ہو اور خوب طاقتور اور مضبوط انسان بن کر ابھر سکے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن کے زمانہ میں بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور صبح و شام ان کے ساتھ بسر کرتے تھے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پروان چڑھے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر کہیں بچوں کو آپس میں کھیلتے ہوئے دیکھتے تو ان کو منتشر نہ کرتے تھے اور نہ ان کا کھیل خراب کرتے تھے بلکہ اس کھیل میں ان کا ساتھ دیتے اور جذبۂ اجتماعیت کو قائم رکھنے کی خاطر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

لہٰذا جب ضروری ہوا کہ بچے اپنے ہم عصر بچوں اور دوستوں کی صحبت اور ہم نشینی اختیار کریں تو والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کے لیے نیک صالح بچوں کا انتخاب کریں اور ان تمام

بچوں کے اخلاق و کردار پر کڑی نظر رکھیں اور ان کی دیکھ بھال کریں، باپ اپنے بچوں کے حال و احوال کا جائزہ لیں اور مائیں ان کے اخلاق و کردار کا جائزہ لیا کریں، اس طرح ہر طرح کی خیر و بھلائی حاصل ہوگی۔

جس طرح ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کی جسمانی نشوونما کے لیے انہیں حلال کھانا کھلائیں تاکہ ان کے جسم حرام اشیاء سے دور رہیں اسی طرح ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے لیے نیک بچوں کا انتخاب کریں جو ان کے ساتھ باتیں کریں اور کھیلیں۔

بداخلاق بچوں سے قطعی طور پر احتراز کرنا چاہیے کہ کہیں وہ آپ کے بچوں کو بہکا نہ دیں اور رذیل وادی میں نہ گرا دیں اور جرائم کا مرتکب نہ بنا ڈالیں اور آپ کا حال یہ ہو کہ آپ اپنی ذمہ داری سے غافل اور دنیا کے دھندوں میں منہمک ہوں اور مائیں اپنی سہیلیوں کی میل ملاقات کے مزے لینے کے لیے آتی جاتی ہوں، ادھر بچہ برے دوستوں کی صحبت میں وقت پاس کر رہا ہو۔ ایسے حال میں اپنے بچہ میں جو غلطی نظر آئے یا کوئی غلطی سنو تو وہ درحقیقت ان برے دوستوں کی بری صحبت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، جنہوں نے آپ کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کے بچہ کو بہکایا۔

بتائیے! آپ اپنے بچوں کو جرائم خانوں میں دیکھنا چاہیں گے یا اللہ کے گھروں یعنی مساجد میں دیکھنا پسند کریں گے؟ لہٰذا جلدی کیجیے، نیک بچہ کو ڈھونڈیئے جو آپ کے بچہ کا دوست بنے اور صبح و شام اس کی رفاقت میں رہے، اگر نیک بچہ نہ ملے تو نیک استاذ کو دیکھے جو آپ کی نیک و صالح بچوں کی طرف راہنمائی کرے اور آپ کا بچہ ان کے ساتھ شامل ہو سکے۔

کیا ابھی بھی والدین کے لیے بیدار ہونے کا وقت نہیں آیا، دشمن تو بیدار ہو چکا ہے آپ کے بچوں کو آپ کی گود سے اچکنے کے لیے اور اس کے لیے کفریہ تنظیمیں اور گندے کلب اور دیگر جماعتوں کا گٹھ جوڑ متحرک اور فعال ہو چکا ہے۔

دوسرا اصول:

بچوں کا دل خوش کرنا

سرور اور خوشی، بچوں کے ذہن پر بڑا عجیب اثر چھوڑتی ہے اور بڑا گہرا اثر ڈالتی ہے، بچے معصوم ہوتے ہیں، خوش دلی کو پسند کرتے ہیں، بلکہ بچے بڑوں کے لیے خوشی کا سامان ہیں اور بچے اپنے بڑوں کے چہروں پر خوشی کے آثار کو دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی طبیعتوں میں نشاط اور چستی پیدا ہوتی ہے، نیز کسی بھی چیز کے حصول یا نصیحت کی بات کو قبول کرنے کے لیے ان میں لیاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ بچوں کے دل خوش کیا کرتے تھے اور اس کے لیے مختلف اسلوب اختیار فرماتے:

① ان کا شاندار استقبال کر کے

② ان کو بوسہ دے کر اور ہنسی مزاح کر کے

③ ان کے سروں پر ہاتھ پھیر کر

④ ان کو اٹھا کر اپنی مبارک گود میں بٹھا کر

⑤ ان کے سامنے عمدہ کھانا پیش کر کے

⑥ ان کے ہمراہ کھانا کھا کر

آپ ﷺ بچوں پر عاطفت کی تعمیر میں ان تمام مختلف اسالیب کو اختیار فرماتے تھے، کیونکہ ان اسالیب میں قوتِ تاثیر اور بچوں کی سعادت مندی مضمر ہے۔

تیسرا اصول:

بچوں کے درمیان مقابلہ کروانا اور کامیاب ہونے والے کو انعام دینا

مقابلہ بازی، انسان کو عام طور پر متحرک اور فعال بناتی ہے، بچہ میں تو اس کا اثر اور بھی زیادہ ہوتا ہے، ان کے اندر جذبات اور پوشیدہ قوتیں موجود ہوتی ہیں، انسان کو اس کا اندازہ

اس وقت ہوتا ہے جب اس کا کسی کے ساتھ مقابلہ کروائے۔

رسولِ اکرم ﷺ بھی بچوں کے اندر مقابلہ بازی کا جذبہ اُبھارا کرتے تھے تاکہ وہ عظیم طاقت حرکت میں آئے، اس کی ایک مثال فکری مقابلہ بازی بھی ہے،

جیسا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک سوال کیا اور حاضرین مجلس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما جو کہ اس وقت سب سے کم عمر تھے، بھی موجود تھے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جنگل کے درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان ہے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟'' لوگوں کے خیالات جنگل کے درختوں کی طرف چلے گئے مگر میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، پھر آپ ﷺ نے بتایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔''

ایک روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما جواب نہ دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''میں سب سے کم عمر تھا اس لیے خاموش رہا'' معلوم ہوا کہ سوال جواب سے بھی بچوں کے بند دریچے کھلتے ہیں اور منجمد قوت حافظہ متحرک ہو کر بیدار ہو جاتا ہے، اس طرح کے سوالات کو بلادِ شام میں ''لحازیر'' اور مصر میں ''فوازیر'' کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سوال کا جواب معلوم کرنے میں اپنے سے بڑوں کے ساتھ مقابلہ کیا مگر ادب کی وجہ سے اور اپنی کم عمری کی بناء پر خاموش رہے۔

اور اس کی مثال ورزش میں مقابلہ بازی بھی ہے، حضورِ اکرم ﷺ بچوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ بھی کروایا کرتے تھے، تاکہ ان کے عضلات (پٹھے) بھی نشوونما پائیں اور جسم بھی مضبوط اور توانا ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ (اپنے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بچوں، عبداللہ رضی اللہ عنہ، عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور کثیر رضی اللہ عنہ کو قطار میں کھڑا کر کے فرماتے کہ جو سب سے پہلے میرے پاس دوڑ کر آئے گا
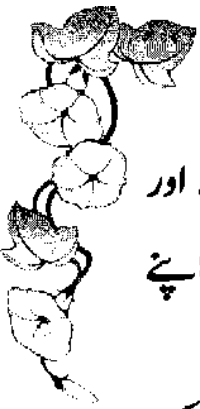
اسے اتنا انعام ملے گا، (راوی کا) بیان ہے کہ (یہ سن کر) تمام بچے دوڑتے آتے اور آپ ﷺ کے سینہ اور پشت مبارک پر آ کر گرتے اور آپ ﷺ ان کو چومتے اور اپنے ساتھ لگا لیتے تھے۔"

پتہ چلا کہ والدین اور مربّیین کے پاس مقابلہ بازی کی صورت میں تربیت اولاد کا ایک اور انداز بھی موجود ہے جنہیں وہ مناسب موقع کے مطابق اختیار کر سکتے ہیں، یہ ایسا انداز ہے کہ اس سے بچوں کے اندر نشاط پیدا ہوتا ہے اور فطری صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں۔ نیز والدین وغیرہ کو چاہیے کہ مقابلہ بازی میں کامیابی حاصل کرنے والے کو تحفے تحائف سے بھی نوازیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے (مذکورۃ حدیث میں) فرمایا کہ "جو سب سے پہلے دوڑ کر پہنچے گا اسے اتنا انعام ملے گا۔" کیونکہ اس سے بچہ زندگی کا لطف محسوس کرتا ہے اور سعادت مندی کا جذبہ ابھرتا ہے اور بچہ اپنی تمام تر قوت و طاقت کامیابی کے حصول میں صرف کر دیتا ہے اور مقابلہ کے دن کی خوب تیاری بھی کرتا، گھر جا کر اپنے آپ کو تیار کرتا ہے اور تربیت حاصل کرتا اور سیکھتا اور سوال جواب بھی کرتا ہے اور اپنے والدین کو دکھاتا ہے کہ وہ کس مقام تک پہنچ چکا ہے، یوں پھر پوشیدہ طاقت کا ظہور ہوتا ہے۔

اس اندازِ تربیت کا ایک اور فائدہ بھی ہے کہ اس سے اجتماعیت کا جذبہ اُبھرتا ہے اور فردیت (گوشہ نشینی) سے دوری پیدا ہوتی ہے، اور وہ زندگی کے مسائل کو سمجھنے میں تربیت پاتا ہے، پھر کبھی کامیابی حاصل کرتا ہے اور کبھی ناکامی، کبھی جواب پر مطلع ہوتا ہے اور کبھی مشکل میں پھنستا ہے اور جواب اس سے بن نہیں پڑتا، اور کبھی درست بات کہتا ہے اور کبھی غلطی کھا جاتا ہے وغیرہ۔

چوتھا اصول:

بچوں کی حوصلہ افزائی

بچوں کی حسّی یا معنوی طور پر حوصلہ افزائی کرنا بہت مثبت ثمرات پیدا کرتا ہے اور یہ تربیت کا ایک اہم عنصر ہے، اس سے سرد مہری نہیں برتی جا سکتی۔ (منهج التربية الاسلامية ۲/۱٤۱) البتہ یہ حوصلہ افزائی بھی اعتدال کی حد میں ہو، اس میں افراط و تفریط بالکل نہ ہو۔

حوصلہ افزائی، بچوں کی نفسیات میں ایک بڑا رول ادا کرتی ہے، اور اس کی زندگی پر بڑے مثبت اثرات مرتب کرتی ہے اور اس سے اس کی باطنی قوتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں، جیسا کہ اس حوصلہ افزائی سے ان کے کام میں استمرار اور دوام پیدا ہوتا ہے اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اور اس سے پہلے حدیث مبارک گزری کہ آنحضور ﷺ دوڑ کے مقابلہ میں بچوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ ”جو سب سے پہلے دوڑ کر آئے گا اس کو اتنا انعام ملے گا“ اس بات کی واضح دلیل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب مجلس نبوی سے نکلے اور ان کے بیٹے عبد اللہ ساتھ تھے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ ابا جان! میرے دل میں آیا تھا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھر تم نے کیوں نہیں کہہ دیا؟ اگر تم بتا دیتے تو مجھے یہ بات اس قدر دولت کے حصول سے زیادہ پسند ہوتی، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ آپ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں بولے تو مجھے اچھا نہ لگا کہ کچھ کہوں۔“ (البخاری)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

”گویا کہ انہوں نے یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ بڑوں کی تقدیم (ترجیح) اس صورت میں ہے جب سب میں برابری ہو لیکن جب چھوٹے کے پاس وہ بات موجود ہو جو بڑے کے پاس نہ ہو تو ایسی صورت میں بڑے کی موجودگی میں بات سے نہ رکے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر افسوس ہوا کہ ان کے بیٹے نے بات نہیں کی حالانکہ بیٹے نے ان کی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی موجودگی کا عذر بھی بیان کیا، مگر اس کے باوجود ان کے بات نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کیا۔“

(فتح الباری ۱۳/۱۵۳)

اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

''اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لیے یہ امر مکروہ نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کی موجودگی میں وہ اس بات کا جواب دے جسے وہ جانتا ہے اگرچہ باپ کو جواب معلوم نہ ہو اور اس میں والد کی بے ادبی بھی نہیں ہے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بچوں کو اہمیت دینا اور ان کی حوصلہ افزائی کرنا کہ وہ بڑوں کی مجلس میں اپنی آراء اور خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں، اس طرح یہ بچوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی ایک اور مثال ہوگی۔

امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ ''الزہد'' میں اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ المستدرک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

''انہوں نے (ایک روز) فرمایا: ﴿اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ﴾ [البقرہ: ٢٦٦] کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی؟

لوگوں نے کہا کہ واللہ اعلم (اللہ خوب جانتا ہے)، (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوئے اور فرمایا کہ یہ کہو کہ ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے،

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اے امیر المؤمنین! میرے دل میں کچھ آیا ہے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں، بھتیجے! تم بولو اور اپنے آپ کو کمتر خیال نہ کرو،

ابن عباس رضی اللہ عنہما بولے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عمل کی مثال بیان فرمائی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کس عمل کی؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ عمل کی،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس مالدار آدمی کی مثال بیان کی ہے جو نیک اعمال کرتا رہا، پھر اللہ نے اس کی طرف شیطان کو بھیج دیا، پھر وہ گناہ کے کام کرنے لگا، حتیٰ کہ اپنے تمام نیک اعمال کو غارت کر دیتا ہے۔'' (حوالہ بالا)

بچوں کی حوصلہ افزائی کے لیے والدین اور مربّیین کا شعار بھی یہی ہونا چاہیے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''کہو، بیٹا! اپنے آپ کو کمتر نہ سمجھو۔''

حوصلہ افزائی کا بہترین اور خوبصورت انداز یہ ہے کہ بچوں کی اچھے کاموں پر حوصلہ افزائی کی جائے، مفید کتابیں ان کے لیے خریدنا بھی اس میں داخل ہے، تاکہ بچوں کے پاس ایک علمی مکتبہ موجود ہو جس میں رہ کر وہ نشوونما پاتے رہیں۔

دیکھیے! علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے امام وقت تھے، ان کے صاحبزادے اپنی نشوونما اور تربیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''ان بے مثال کتب کے جمع ہونے کا اصل سبب ان کے والد ہیں، کیونکہ وہ میرے لیے ہر ایسی کتاب کو خرید لاتے تھے جس کا میں تقاضا کرتا، اور وہ مجھ سے فرماتے تھے کہ جو کتاب بھی لینا چاہتے ہو وہ خرید لاؤ، میں اس کی قیمت تجھے دوں گا، کیونکہ مجھ سے اپنے اسلاف اور اکابر کی سیرت کا جو حصہ فروگذاشت ہو گیا ہے اور میں اسے نہیں لکھ سکا تم نے اسے لکھ دیا ہے، پس اے میرے بیٹے! جزاك الله تعالىٰ خیراً۔'' (حاشية ابن عابدين ١/٧ط٢)

غور کیجئے کہ والد نے اپنے بیٹے کو وہ تمام کتابیں دے دیں جو ان کے پاس موجود تھیں اور ان کی اولاد کے لیے وقف شدہ تھیں۔

پانچواں اصول:

مدح اور تعریف کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدح وتعریف کا بچوں کی نفسیات پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، بچوں کے جذبات واحساسات اس سے ابھرتے ہیں اور وہ اپنے اخلاق واعمال کی درستگی میں جلدی کریں گے اور وہ اس مدح وتعریف میں پھولے نہیں سماتے اور ان کے نشاط ورغبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حسّاس چیز پر آگاہ کیا ہے کہ اس سے بچوں کا ذہن بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک آدمی تھا کہ جب وہ کوئی خواب دیکھتا ہے تو

آنحضور ﷺ سے بیان کرتا، میری بھی تمنا ہوئی کہ میں بھی خواب دیکھوں اور آنحضور ﷺ سے بیان کروں، میں نوجوان لڑکا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد میں سویا کرتا تھا، (ایک دن) میں نے خواب دیکھا کہ جیسے دو فرشتے آئے اور مجھے پکڑ کر دوزخ کی طرف لے گئے ہیں، میں دیکھتا ہوں کہ وہ دوزخ اس طرح لپٹی ہوئی ہے جیسے کنوئیں کی چنائی کی ہوئی ہوتی ہے اور اس کے دو سینگ ہیں اور اس دوزخ میں کچھ لوگ ہیں جنہیں میں جانتا ہوں۔ (یہ منظر دیکھ کر) میں اعوذ باللہ من النار پڑھنا شروع کر دیتا ہوں، پھر ایک فرشتہ آتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ تم مت گھبراؤ، میں نے یہ خواب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کر دیا، (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا: "عبد اللہ بہت اچھے انسان ہیں، کاش کہ وہ رات (تہجد کی) نماز پڑھا کریں" اس کے بعد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ دیکھئے! رسول اللہ ﷺ کی تعریف کا ان پر کیا اثر ہوا، آپ ﷺ نے انہیں ایک امر پر متنبہ کیا جس سے وہ غافل تھے اور اندازِ بیان کیسا شاندار اختیار کیا کہ دِل میں اُتر گیا، فرمایا کہ "کاش وہ رات کو بھی اٹھ کر نماز پڑھیں تو کیا خوب ہے۔"

پتہ چلا کہ مناسب موقع ومحل کا لحاظ رکھتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ بچوں کی مدح وتعریف کرنا بے حد مفید اور ثمر بار ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک پروان چڑھنے والے لڑکے سے، جس نے آپ کی خدمت کی غرض سے عربی اور سریانی زبان سیکھی تھی، خندق کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ لڑکا کتنا اچھا ہے۔"

اسی طرح بچوں کے ساتھ کھیلنا اس کی پوشیدہ قوتوں کے اظہار کا سبب بنتا ہے۔

جیسا کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا کھیلنا اور ان دونوں کا آپ ﷺ

کی پشت مبارک پر سوار ہو کر سیر کرنے کا واقعہ مشہور ہے، اسی طرح حضرت عباس کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کا کھیلنا، یہ سب چیزیں بچوں کے ساتھ والدین کے کھیلنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول مبارک تمام والدین کے لیے نمونۂ عمل ہے کہ وہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ کھیلا کریں اور ان کے ساتھ بچوں جیسی باتیں کیا کریں۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ چت لیٹے ہوئے ہیں اور ان کے سینہ پر بچہ یا بچی سوار ہے جو انہیں ہنسا کھلا رہی ہے، میں نے کہا کہ امیر المؤمنین! اسے ہٹایئے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

''جس شخص کا بچہ ہو اسے چاہیے کہ اس کے لیے خود بھی بچہ بنے۔''

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی، میرے بدن پر زرد رنگ کی قمیض تھی، رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے، سَنَـہ، سَنَـہ، عبداللہ (راوی) کہتے ہیں کہ حبشی زبان میں سنہ، خوبصورت کو کہتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ پھر میں مہر نبوت سے کھیلنے لگی، میرے والد نے مجھے ڈانٹا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اسے چھوڑ دو'' پھر فرمایا کہ ''کہ اسے پرانا کرو اور بوسیدہ کرو، پھر پرانا کرو اور بوسیدہ کرو، اور پھر پرانا کرو اور بوسیدہ کرو۔''

(صحیح بخاری، باب من ترک صبیّة غیرہ حتی تلعب)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

''بچی کے ساتھ زبان اور عمل سے مزاح کرنا دراصل اس سے مقصود اسے مانوس کرنا ہے اور بوسہ لینا بھی اس میں داخل ہے۔'' (فتح الباری ۱۳/۳۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ، حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے اپنی زبان مبارک نکالتے اور بچہ آپ ﷺ کی زبان کی سرخی کو دیکھتا تو اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتا۔''

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ واسنادہ حسن)

حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھیلنے کا ایک اور انوکھا انداز دیکھئے کہ آنحضور ﷺ اپنا دہن مبارک ان کے منہ میں کیسے رکھتے ہیں، سنئے! حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

> ''جب بھی میں حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں میرے آنسو رواں ہوجاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ (گھر سے) باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ میں مسجد میں پڑا ہوں، آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا، پس میں آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا، جب تک بنوقینقاع کا باغ نہیں آگیا آپ ﷺ نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، آپ نے اس باغ میں چکر لگایا اور (ادھر ادھر) دیکھ کر واپس چلے آئے، میں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھا حتیٰ کہ ہم مسجد میں آگئے، آپ ﷺ بیٹھ گئے اور احتباء کی صورت بنالی (یعنی اپنی پنڈلیوں کو کھڑا کرکے اردگرد دونوں ہاتھ باندھ لینا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ننھا کہاں ہے، جاؤ، ننھے کو بُلا لاؤ، اتنے میں حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور آپ ﷺ کی گود مبارک میں بیٹھ گئے، پھر فرمایا کہ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی تو محبت کر۔''

جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اے دو کانوں والے'' یعنی ان سے مزاح فرمایا۔ رزین کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضور ﷺ مجھے کہا کرتے تھے کہ ''اے دو کانوں والے'' یعنی میرے ساتھ مزاح فرماتے۔ (جامع الاصول ۱۱/۵۵،۵٦)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنخضرت ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی زینب سے کھیلتے اور فرماتے ''اے زوینب اے زوینب'' کئی بار ایسا فرماتے۔ (رواہ ایضًا بسند صحیح)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو سجدہ میں

گئے، تو حسن و حسین رضی اللہ عنہما دوڑ کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے، جب لوگ روکنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے ان کو منع کیا کہ ان کو چھوڑ دو، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان دونوں کو گود مبارک میں بٹھالیا اور فرمایا کہ ''جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ ان سے بھی محبت کرے۔'' (رواہ ابویعلیٰ بسندِ حسن)

چھٹا اصول:

خود اعتمادی کو بڑھانا

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں میں خود اعتمادی قائم کرنے کے لیے چند طریقے اختیار فرمائے، تاکہ بچے مضبوط اور توانا ہو کر نشو و نما پائیں اور وہ طریقے یہ ہیں:

ا: قوتِ ارادی پیدا کرنا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو دو چیزوں کا عادی بنایا جائے۔

① ...... راز کی حفاظت کی عادت ڈالنا: جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے رازوں کی حفاظت کی تھی، کیونکہ جب بچہ راز کو پوشیدہ رکھے گا، اس کا افشا نہیں کرے گا تو اس کی قوتِ ارادی بڑھے گی اور مزید پختہ ہوگی اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اسے خود اعتمادی حاصل ہوگی۔

ب: روزے رکھنے کی عادت ڈالنا: جب بچہ بھوک اور پیاس کے آگے جمارہے گا تو وہ اپنے اندر کامیابی کا جذبہ محسوس کرے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی قوتِ ارادی زندگی کی دوڑ میں مزید قوی ہو کر اس کی خود اعتمادی میں اضافہ کا باعث بنے گی۔

② ...... معاشرتی اعتماد کو بڑھانا: جب بچہ گھر کی ضروریات یا والدین کے اوامر کو بجالائے گا اور بڑوں چھوٹوں کے ساتھ بیٹھے گا تو اس کی معاشرتی اعتماد کی فضا بڑھے گی۔

③ ...... علمی اعتماد کو بڑھانا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ قرآن و سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو سیکھے، اس طرح بچپن میں ہی ایک وافر مقدار میں اسے علم حاصل ہو چکا ہوگا۔ اس طرح اس کے اندر علمی اعتماد بڑھے گا، کیونکہ وہ خرافات اور بے اصل

کہانیوں سے دور رہتے ہوئے علمی حقائق سے شناسا ہو چکا ہوگا۔

(4)...... اقتصادی اور تجارتی اعتماد کو بڑھانا: اس کی صورت یہ ہے کہ بچہ کو خرید وفروخت اور بازاروں میں اپنے والدین کے ہمراہ اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے گھومنے پھرنے کا عادی بنایا جائے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سلمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''سعید بن ابی وقاص کے گدھے کا چارہ ختم ہوگیا تو انہوں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ اپنے گھر سے گندم لے کر اس کے عوض جَو خرید لاؤ اور دیکھنا کہ کم زیادہ نہ ہو بلکہ برابر ہوں۔''

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ، عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ غلاموں کی خرید وفروخت کر رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برکت کی دعا دی۔ اس طرح پتہ چلا کہ حضور علیہ السلام بھی بچوں کی خود اعتمادی کو سراہتے تھے۔

ساتواں اصول:

اچھے انداز سے بلانا

ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کی استعداد وصلاحیت کو دیکھ کر انہیں مختلف انداز سے مخاطب کیا کرتے تھے، کبھی تو اس کا نام لے کر مخاطب کرتے کہ: ''اے ابوعمیر! تیرے نُغیر کا کیا ہوا؟'' اور کبھی اس کے بچپنے کو دیکھ کر یوں مخاطب کرتے کہ ''اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں......'' ''اے لڑکے! بسم اللہ پڑھو، اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ'' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر بچوں کو شفقت بھرے انداز سے مخاطب کرتے تھے کہ ''اے بیٹے! جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو''۔ ''اے بیٹے! اگر تم صبح وشام اس طرح گزار سکو کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے کینہ نہ ہو تو ایسا کام ضرور کرو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مسلمان بچوں کو، جن کے والد اسلام کا زمانہ پا چکے ہوتے۔ یوں مخاطب کرتے ''اے میرے بھتیجے'' جیسا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''تم

کہو، اے میرے بھتیجے! اور اپنے آپ کو کمتر نہ سمجھو" لیکن جس کے والد زمانہ اسلام نہ پاسکے ہوتے، ان کے مسلمان بچوں سے یوں مخاطب ہوتے: "اے میرے بیٹے"۔

جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الادب المفرد" میں مصعب بن حکم کے حوالہ سے ان کے دادا سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو وہ کہنے لگے: "اے میرے بیٹے، اے میرے بیٹے!" (الادب المفرد، باب قول الرجل یا بنی لمن ابوه لم یدرك الاسلام و رواه ابن ابی شیبة فی مصنّفه ۸۲/۹ باب فی الرجل یقول لابن غیره یا بنی!)

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ اسحاق بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: "اے میرے بیٹے"۔

نیز صحیح مسلم میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ دجال کے متعلق جس قدر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہے کسی اور نے نہیں پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "اے میرے بیٹے" کہہ کر پکارا"......الحدیث۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسرے کے بیٹے کو جو عمر میں اس سے کم ہو یا بنی (اے میرے بیٹے) تصغیر کے ساتھ اور یا ولدی (اے میرے لڑکے) کہہ سکتا ہے اور اس کا مقصد اور مفہوم شفقت کا اظہار ہے کہ تم میرے نزدیک شفقت میں میرے بچوں کی طرح ہو جیسا کہ عمر میں برابر آدمی سے اس معنی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ "اے میرے بھائی" لہٰذا جب مقصود اظہارِ شفقت ہو تو یہ مستحب ہوگا جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔" (شرح صحیح مسلم باب جواز قوله لغیر ابنه یابنی)

مسند احمد میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے میرے بھتیجے" یہ ایسا دن ہے (مراد عرفہ کا دن) کہ جو شخص اس دن میں

اپنے کان، اور اپنی آنکھوں اور زبان پر قابو رکھے اس کی مغفرت کردی جائے گی۔'' (مسند احمد ۱/۳۲۹، الکنز ۵/٦٨)

شعب الایمان میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت یوں نقل کی ہے:

''اے میرے بھتیجے! بے شک یہ ایسا دن ہے......'' الحدیث۔

اور طیالسی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"مه يا غلام!......" (حوالہ بالا) یعنی اے لڑکے! ذرا ٹھہر۔''

مسند احمد (۳/۳۰۷) میں حدیث ابن عباس مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف (سواری پر پیچھے سوار) تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لڑکے! یا فرمایا اے چھوٹے لڑکے! کیا میں تمہیں چند ایسے کلمات نہ سکھادوں جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں نفع دیں، میں نے کہا کہ ضرور بتائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ (کے حقوق) کی حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا......'' الحدیث۔

اس حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں مخاطب کیا:

''اے لڑکے یا اے چھوٹے لڑکے۔''

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرآئے ہیں کہ بچوں کو اچھے انداز سے پکارنے کی کبھی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کا صریح نام لیا جائے اور کبھی یہ ہوتی ہے کہ اسے ''اے لڑکے'' کہہ کر پکارا جائے اور تیسری صورت یہ ہے کہ اسے ''اے میرے بھتیجے'' کہہ کر بلایا جائے اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اسے ''اے میرے بیٹے'' کہہ کر مخاطب کیا جائے۔ یہ تمام صورتیں ایسی ہیں جن سے بچوں کے اندر ذہنی بیداری پیدا ہوتی ہے اور وہ اس سے یہ سمجھتے ہیں کہ متکلم کو ان سے محبت اور پیار ہے۔

بچوں کو اچھے انداز سے بلانے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انہیں کنیت سے بلایا جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے بچے سے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا: ''اے

ابوعمیر! تمہارے نُغیر کا کیا ہوا۔"

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت "بقلہ" (ترکاری سبزی) رکھی، میں سبزیاں توڑا کرتا تھا، جب کہ ان کی کنیت ابوحمزہ تھی اور حمزہ کا معنی بقلہ ہے۔ (ادب الکاتب)

بچوں کو مختلف انداز سے پکارنا، بڑوں کے درمیان اپنی اہمیت کا شعور ان میں اجاگر کرتا ہے، جس میں وہ بچے خوشی خوشی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح کم عمر خادم اور خادمہ کو بھی اچھے انداز سے بلائیے، جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہا کرے کہ اپنے رب (مالک) کو کھلاؤ یا اپنے رب (مالک) کو پلاؤ بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے اے میرے سردار، میرے آقا، اور تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہا کرے کہ اے میرے بندے، میری بندی" بلکہ یوں کہے کہ "اے میرے جوان اور اے میرے لڑکے۔"

(رواہ البخاری ومسلم وابوداود واحمد)

معاشرہ کی تربیت و اصلاح کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا رحمت وشفقت ہوسکتی ہے کہ لوگ اپنے خادموں کو یوں کہہ کر بلائیں کہ "اے جوان، اے لڑکے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے انداز سے بلانے کے سلسلہ میں دوسروں کے اور اپنے بچوں کے درمیان مساوات قائم کردی، اور یہ بات صرف اور صرف نبوی طریقہ میں ملے گی۔

ایک دوسری روایت میں اس کی علت بھی بیان فرمائی ہے کہ سب اللہ کے بندے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہے اے میرے بندے! اے میری بندی! (کیونکہ) تم سب اللہ کے بندے ہو، اور تمہاری تمام عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ہیں، ہاں یوں کہو اے میرے لڑکے، اے لڑکی! اے جوان وغیرہ"

قرآن حکیم میں بھی اس کی طرف راہنمائی کی گئی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳]

آٹھواں اصول:

بچوں کی خواہش کو پورا کرنا

بچوں کی خواہش کو پورا کرنا بھی عام طور پر ایک کامیاب اسلوبِ تربیت ہے، کیونکہ بچہ جتنا چھوٹا ہوتا ہے اس کو خوش کرنا اور اس کی خواہشات کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اسے اس چیز کی واقعی ضرورت ہے جس کی وہ خواہش کر رہا ہے، پھر جب اس کی خواہش پوری ہوجائے تو اس کا دل باغ باغ ہونے لگتا ہے، اور اس کے اندر قوتِ حیات بڑھ جاتی ہے، لیکن اگر اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے تو اس کے غیظ وغضب اور نادانی میں اضافہ ہوجاتا ہے اور ناپسندیدہ حرکات کرنے لگتا ہے۔

بچوں کی نفسیاتی مشکلات کے حل کے لیے رسولِ اکرم ﷺ نے ایک عظیم نفسیاتی اصول وضع فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اصول کو نافذ العمل کیا اور اس کو عملی جامہ پہنایا۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، جیسا کہ ''الجامع الکبیر'' میں بھی ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے، ان کے پاس ایک چھوٹا سا بچہ تھا جنہیں وہ بوسہ دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''کیا یہ تمہارا بیٹا ہے'' انہوں نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''اے عثمان! کیا تم اس سے پیار کرتے ہو'' انہوں نے کہا یارسول اللہ! خدا کی قسم! میں اس سے پیار کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں اس کے ساتھ تیرے پیار کو نہ بڑھا دوں'' انہوں نے کہا کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنی اولاد میں سے چھوٹے بچہ کو خوش کرے گا یہاں تک کہ وہ بچہ خوش ہوجائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے خوش کرے گا یہاں تک کہ وہ راضی اور خوش ہوجائے۔''

(البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف ۲/۱۳۵)

اس سلسلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کے درمیان مذاکرہ بھی ہوا، ثانی الذکر نے اوّل الذکر کے سامنے بچوں کی خواہش پوری کرنے کی اہمیت کو واضح کردیا۔

''یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے احنف بن قیس کو بلا بھیجا، جب وہ آئے تو والد صاحب نے ان سے فرمایا کہ اے ابوبحر! بچوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! بچے تو ہمارے دلوں کے پھل اور ہماری کمر کا ستون ہیں اور ہم ان کے لیے نرم و ہموار زمین اور سایہ فگن آسمان کی طرح ہیں اور ان ہی کی وجہ سے ہم بڑے طاقتور پر بھی حملہ کرتے ہیں، اگر وہ خواہش کرتے ہیں تو ہم ان کی خواہش کو پورا کرتے ہیں اور اگر ناراض ہوجاتے ہیں تو ان کو مناتے ہیں، پھر وہ اپنی محبت کا عطیہ تمہیں دیتے ہیں اور اپنی طاقت تمہیں فراہم کرتے ہیں، ان بچوں پر تم بھاری بوجھ مت بنو ورنہ وہ تمہاری زندگی سے تنگ آ جائیں گے اور تمہاری موت کی خواہش کریں گے اور تمہارے نزدیک بھی لگنے کو ناپسند کریں گے''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ ''اے احنف! خدا گواہ ہے، جب تم آئے تھے اس وقت میں یزید پر انتہائی غیظ وغضب کی حالت میں تھا، اور غصے سے بھرا ہوا تھا، جب احنف چلے گئے تو یزید سے راضی ہوگئے اور دو لاکھ درہم اور دو سو جوڑے کپڑوں کے بھی بھیجے، یزید نے ایک لاکھ درہم احنف کو بھیج دیے اور سو جوڑے کپڑوں کے بھی، یعنی یزید نے آدھے آدھے کر کے نصف ان کو دے دیے۔'' (احیاء علوم الدین ۲/۲۱۸)

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، لوگوں نے بتایا کہ یہ عدی بن حاتم ہے، اور میں بغیر کسی امان اور معاہدے کے آیا تھا، جب لوگوں نے مجھے پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا (اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیں گے) پھر آپ ﷺ میرے پاس سے اٹھ کر چلے گئے، پھر ایک عورت جس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا، دونوں کہنے لگے کہ ہمیں آپ ﷺ سے کام ہے، آپ ﷺ ان کے پاس کھڑے رہے یہاں تک کہ ان کی ضرورت کو پورا فرمایا...... الحدیث"

نواں اصول:

ایک بات کو بار بار دُہرانا

بچہ کوئی بھی ہو وہ بھولتا بھی ہے اور غفلت کا شکار بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں بسنے والے لوگوں میں صرف اس بچہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو ابھی طفولیت کے مرحلہ میں ہے اور مکلّف تو نہیں ہے البتہ اسے مکلّف بنانے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔

فرشتوں نے بھی اس سے قلم اٹھالیا ہے" جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "رفع القلم عن الثلاث...... وعن الصّبی حتی یحلم" یعنی تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے ان میں ایک بچہ بھی ہے کہ بالغ ہونے تک وہ مرفوع القلم ہے۔"

جب ہم اس حکم کو دیکھتے ہیں تو ہمارے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ ہم بچوں کے سامنے ایک بات کو تکرار کے ساتھ ذکر کریں تاکہ وہ بات ان کے ذہن نشین ہو جائے۔ پھر وہ ہر بات کو قبول کرے گا۔

اس کی دلیل یہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں، اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو انہیں مارو۔" (سختی کرو) (رواہ ابو داود وغیرہ)

اس سے پتہ لگا کہ حضور اکرم ﷺ نے اسلام کے ایک اہم رکن کے لیے مسلسل تین سال کی مدت کو مستثنیٰ قرار دیا، اور وہ اہم رکن نماز ہے، اور نماز کی اہمیت سے سب اچھی طرح واقف ہیں، اس لیے کہ قرآنی حکم آیا ہے ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾

[طه: ۱۳۲] یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔"

لہٰذا اتنے عرصہ (تین سال) میں صبر وضبط سے کام لینا ضروری ہے اور اس عرصہ میں بچوں کو بار بار نماز کا کہنا لازمی ہے۔ اگر ہم حساب کریں کہ ان تین سالوں کے دوران ہر نماز کا بچوں کو کتنی بار والدین حکم دیتے ہیں تو وہ حساب اس طرح ہوگا: ۵×(۳۶۵)×۳=۵۴۷۵، یعنی پانچ ہزار چار سو پچھتّر مرتبہ۔ یہ ایک ایسی تعداد ہے جو تکرار کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ بچہ کا ذہن پہلی بار یا دوسری بار یا تیسری بار بات کو قبول نہیں کرتا، اس لیے تکرار (بار بار کہنا) میں کوئی حرج بھی نہیں ہے اور مایوسی بھی نہیں۔

دیکھئے! ایک جلیل القدر صحابیِ رسول ﷺ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما تکرار کی اس اہمیت کو جانتے ہیں، اس لیے انہوں نے والدین کو ان کی اولاد کے متعلق یہ ہدایت دی ہے کہ "انہیں اچھے کاموں کا عادی بناؤ، کیونکہ اچھے کام ایک عادت ہے"۔ بچوں کے عادی ہونے کے بعد بھی بار بار انہیں متوجہ رکھنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ بچے کبھی غلطی بھی کر جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، سنت رسول ﷺ کی تنفیذ کے لیے (جاری کرنے) بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

جب بچہ بڑوں سے بار بار سلام کو دیکھے اور سنے گا تو اس کو سیکھ لے گا، پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد سلام کرنا اس کی عادت بن جائے گی۔

دسواں اصول:

مرحلہ وار قدم اٹھانا

جیسا کہ پہلے بھی ایک حدیث مبارک گزری کہ:

"اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال ہونے پر ان کو مارو (سختی کرو)۔"

ہم بچوں کی نفسیاتی تربیت کو مؤثر بنانے کے لیے اس حدیث سے ایک اور چیز استفادہ کر سکتے ہیں اور وہ ہے مرحلہ وار قدم اٹھانا، درجہ بدرجہ تربیت کرنا، اور ایک ہی دفعہ تمام

امور کو سپرد نہ کرنا، ہر مرحلہ کے لیے ایک وقت مقرر ہے، نماز کو دیکھئے جو دین کا رکن اور اس کا ستون ہے مگر تین مرحلوں میں اس کا وقت پورا ہوتا ہے:

[۱] پہلا مرحلہ: جب بچہ سات سال کا ہو جائے جسے مشاہدہ کا مرحلہ کہنا چاہیے، کہ بچہ اس عمر میں اپنے ماں باپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو نماز کی طرف لپکتا ہے، پھر جب اس کے والدین نماز پر اس کی تربیت کرتے ہیں تو یہ چیز اس کے لیے باعث خیر بنتی ہے۔

[۲] دوسرا مرحلہ: یہ حکم کا مرحلہ ہے جب اس کی عمر سات سال سے بڑھ کر دس سال کی ہو جائے تو اس وقت والدین بچوں کو نماز کا حکم دیتے ہیں اور اس سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں۔

[۳] تیسرا مرحلہ: جو کہ مار پٹائی کا مرحلہ ہے، جس کی ابتداء دس سال سے ہوتی ہے اور آخر تک رہتی ہے، یہ وہ مرحلہ ہے جس میں نماز ادا نہ کرنے پر بچوں کو مارا جاتا ہے (یعنی سختی کی جاتی ہے)

مرحلہ وار قدم اٹھانے کا بچوں کی نفسیات پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے، کیونکہ جب تک بچہ تروتازہ اور نرم و نازک عمر میں ہے اس وقت تک مرحلہ وار اور درجہ بدرجہ تربیت کرنا اور اسے ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف لے جانا اور کسی بھی مقصد اور مسئلہ کی منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے، یعنی وہ چند مراحل اور درجات سے گزرے گا جس کی تنفیذ کے لیے والدین تعاون کریں گے۔

گیارہواں اصول:

ترغیب وترہیب سے کام لینا

بچوں کی اصلاح وتہذیب میں ترغیب وترہیب کا اسلوب انتہائی فائدہ مند ہے اور نبوی تربیت میں یہ اسلوب واضح اور روشن شکل میں نظر آتا ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے بہت سے حالات و واقعات میں بچوں کی تربیت کے لیے اس اسلوب کو اختیار کیا ہے جس میں سرفہرست والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے والدین کی فرماں

برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے کی ترغیب دی ہے اور ان کی نافرمانی اور انہیں اذیت پہنچانے پر وعید اور تنبیہ فرمائی ہے اور اس کی وجہ بس یہی ہے کہ بچے بات مان لیں اور ان میں اس اسلوب کی وجہ سے کوئی اثر پیدا ہو اور وہ اپنے آپ کو سنوار لیں اور اپنے اخلاق و عادات کی اصلاح کر سکیں۔

نیز یہ قرآن کا بھی اچھوتا اور عمدہ اسلوب ہے کہ جہاں بھی جنت کا ذکر آیا ساتھ ہی جہنم کا بھی ذکر کیا گیا، اسی طرح اس کے برعکس بھی کہ جہنم کے ذکر کے ساتھ جنت کا بھی ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اس کی طبیعت اچھے عمل میں ترغیب کو پسند کرتی ہے اور غلط کام اور اس کے انجام سے تنبیہ پر ڈرتی ہے اور ترہیب کا معنی یہ نہیں کہ ایسا ڈرانا کہ بچہ گھبراہٹ میں مبتلا ہو جائے اور وہ پریشان اور مضطرب ہو جائے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بچہ کے سامنے عمل کے بجالانے پر ثواب اور مخالفت پر سزا کا ذکر کیا جائے۔

فصلِ رابع:

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور بدسلوکی کے بارے میں ترغیب وترہیب کا اسلوب

- ...... چھٹا اصول: انت و ما لك لابيك کی تشریح
- ......ساتواں اصول: والدین کو غلامی سے آزادی دلانا
- ......آٹھواں اصول: والدین اور بچوں کے درمیان دُعا کا تبادلہ
- ......نواں اصول: والدین کو اذیت نہ دینا
- ......دسواں اصول: اپنے نسب کی تشہیر اور اس پر فخر کا اظہار کرنا
- ......گیارھواں اصول: والدین کی طرف سے حجِ بدل کرنا
- ...... بارھواں اصول: والدین کی نذر کو پورا کرنا
- ......تیرھواں اصول: دنیا و آخرت میں والدین کی نافرمانی کی سزا

۲ ......والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کے چند اصول:

- ...... پہلا اصول: والدین کی وصیتوں اور وعدوں کو پورا کرنا
- ......دوسرا اصول: والدین کے لیے دُعا و استغفار کرنا
- ......تیسرا اصول: والدین کے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا
- ...... چوتھا اصول: والدین کے لیے صدقہ و خیرات کرنا
- ...... پانچواں اصول: والدین کی طرف سے حج کرنا
- ...... چھٹا اصول: مرحوم والدین کی خوشی کے لیے اعمالِ صالحہ میں جلدی کرنا
- ......ساتواں اصول: والدین کی قبروں کی زیارت کرنا
- ......آٹھواں اصول: والدین کی قسموں کو پورا کرنا اور انہیں گالی نہ دینا
- ......نواں اصول: والدین کی طرف سے روزہ رکھنا

قرآنی احکام

❀......پہلی آیت:

﴿وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾ [بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴]

''اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں سو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسے انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے۔''

❀......دوسری آیت:

﴿وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [العنکبوت: ۸]

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے

جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو تُو ان کا کہنا نہ ماننا تم سب کو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے سو میں تم کو تمہارے سب کام جتلا دوں گا۔‘‘

❀......تیسری آیت:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهُ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [لقمان: ١٤، ١٥]

’’اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر دونوں زور ڈالیں کہ میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کچھ کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرے پھر تم سب کو میرے پاس ہی آنا ہے پھر میں تم کو جتلا دوں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔‘‘

تمہید:

اس فصل میں تربیت اولاد کی اہمیت کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس کا تعلق ہر طرح کے انسان سے ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، احادیث شریفہ سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اولاد کے نیک ہونے میں ماں باپ کے نیک ہونے کا بڑا گہرا عمل دخل ہوتا ہے، جب ہم بچوں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ نیک سلوک کریں تو یہ چیز ہم سے بھی اس بات کا مطالبہ کرتی ہے (خواہ ہم شادی شدہ ہوں یا کنوارے) کہ ہم بھی اپنے

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں جلدی کریں،

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کی نصیحت فرمائی ہے، چنانچہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم دوسروں کی عورتوں سے عفت و پاکدامنی اختیار کرو تمہاری عورتیں بھی پاک دامن ہوں گی اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو تمہارے بچے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور جس کے پاس اس کا بھائی معذرت خواہی کے لیے آئے تو اسے چاہیے کہ اس کی معذرت قبول کرے خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا اور اگر اس نے اس کی معذرت قبول نہ کی تو میرے حوض پر نہ آئے۔'' (المستدرك ٤/١٥٤)

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسنادِ حسن کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو تمہارے بچے تمہارے ساتھ نیک سلوک کریں گے اور تم پاک دامنی اختیار کرو تمہاری عورتیں بھی پاک دامنی اختیار کریں گی۔''

ان احادیث مبارکہ سے بچوں کی نافرمانی کا سبب معلوم ہوتا ہے، جب کہ بچے کبھی طفولیت کے اس مرحلہ میں ہوتے ہیں جس میں والدین کے اثر و رسوخ کی انہیں تمیز حاصل ہوتی ہے۔

بچوں کی اصلاح و تہذیب کے لیے درست طریقہ یہ ہے کہ ہم خود اپنے طرزِ عمل کو درست کرلیں اور والدین کے ساتھ اپنے رویے اور تعلق میں تبدیلی لائیں، یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک کریں اور ان کی اطاعت بجالائیں اور کسی شکل اور صورت میں ان کی نافرمانی نہ کریں، اس لیے کہ والدین کی اپنی حالت (شعوری اور غیر شعوری اعتبار سے) بچوں کے

سامنے رہتی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو چاہو کرو، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔'' (مصنف عبد الرزاق)

انسان اگر اپنے گردوپیش کے حالات میں غور و فکر کرے تو اسے اس بات کی سچائی معلوم ہو جائے گی اور وہ چشمِ دید سے دیکھ لے گا کہ جو باپ اپنے والدین کا نافرمان ہوتا ہے اس کے ہاں بھی نافرمان اولاد پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے، اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ خود ماں باپ کا اپنے والدین کے ساتھ سلوک اور رویہ درست ہونا ضروری ہے، تاکہ ان کے بچوں کا بھی ان کے ساتھ سلوک درست ہو۔

ایک سوال باقی رہ گیا، وہ یہ ہے کہ انسان نیک سلوک کرنے والا کیسے بن سکتا ہے اور اس کے بنیادی اصول کیا کیا ہیں؟ اور آیا نیک سلوک کرنے کا حکم والدین کی زندگی تک محدود ہے؟ یا ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے؟ احادیث نبویہ ﷺ کے مطالعہ و تحقیق کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ والدین کی زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک کے بھی کچھ اصول ہیں اور وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ نیک سلوک کے چند بنیادی اصول ہیں۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا باب بڑا وسیع اور کشادہ ہے اور اس کی مدت اور زمانہ بڑا طویل ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ایک بڑی رحمت ہے، لیکن ان تمام رحمتوں کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ (والدین کی نافرمانی کا مرض) مختلف صورتوں میں چار سو پھیلا ہوا ہے اور یہ اپنے آپ پر بھی اور اپنی اولاد پر بھی بڑا ظلم ہے، جو شخص اپنے اوپر رحم کرنے والا نہ ہو تو اسے چاہیے اپنے بچوں پر ہی رحم کھاتے ہوئے اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک بجالائے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے بچوں کو بھی اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی توفیق دے اور وہ نافرمانی کے گناہ سے نکل سکیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بھی نہ بنیں۔

۱ ...... والدین کی حیات میں اُن کے ساتھ حسن سلوک کے چند اصول:

پہلا اصول:

دُنیا و آخرت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر اجر و ثواب

انسان کی دنیاوی اور اخروی زندگی میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بڑا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے بھی مسلمان کی انفرادی زندگی میں اس کے اثرات کو ذکر فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک انسان پر ایسا حق ہے جو اس پر واجب ہے، نفل و مستحب نہیں ہے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کلیب بن منفعہ کے حوالہ سے ان کے دادا سے نقل کیا ہے کہ ان کے دادا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ نیک سلوک کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ماں، اپنے باپ، اپنے بہن بھائی اور اپنے آقا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور یہ واجب حق ہے اور ایسے رشتے ہیں جن کو جوڑنے کا حکم ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ماؤں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے...... اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ماؤں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے...... اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ماؤں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے باپوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے...... اللہ تمہیں درجہ بدرجہ عزیز و اقارب کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

(صحیح الجامع، رقم: ۱۲۴۹)

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا، یا رسول اللہ!

''اولاد پر والدین کے کیا حقوق ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ دونوں تمہاری جنت اور جہنم ہیں۔''

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''رب کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔'' (مستدرك الحاكم ٤/١٥٢)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ:

''ماں (کی خدمت) کے ساتھ وابستہ رہو، کیونکہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔'' (رواہ البخاری فی الادب والطبرانی والحاکم)

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''باپ جنت کا بہترین دروازہ ہے پس اگر تو چاہے تو اس دروازے کی حفاظت کر یا اسے یوں ہی رہنے دے۔'' (مستدرك الحاكم ٤/١٥٢)

والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے اثرات:

①...... عمر اور رزق میں اضافہ:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جو شخص یہ بات پسند کرے کہ اس کی عمر اور رزق میں اضافہ ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور صلہ رحمی کیا کرے۔''

ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے تو اس کے لیے خوشخبری ہے، اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔''

ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انسان گناہ کے ارتکاب سے (ملنے والے) رزق سے محروم کردیا جاتا ہے اور تقدیر کو صرف دعا ہی ٹالتی ہے اور عمر میں اضافہ (والدین کے ساتھ) حسن سلوک سے ہی ہوتا ہے۔'' (رواہ ابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''قضا و قدر کو دُعا ہی ٹالتی ہے اور عمر میں اضافہ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے ہی ہوتا ہے۔'' (رواہ الترمذی)

آخرت میں حسن سلوک کے اثرات:

(2)...... دنیا کے گناہوں کا کفارہ:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ کا ارتکاب ہوگیا ہے، کیا میرے لیے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''کیا تمہاری والدہ باحیات ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: کیا تیری خالہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

(رواہ الحاکم بالفاظ متقاربۃ وقال صحیح الاسناد)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الادب المفرد'' میں عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے ایک عورت کو پیامِ نکاح دیا تھا مگر اس نے مجھ سے نکاح کرنے سے انکار کیا، پھر کسی دوسرے نے اسے پیامِ نکاح دیا تو اس نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کو قبول کرلیا، مجھے اس عورت پر غیرت آئی، میں نے اسے قتل کردیا تو کیا میرے لیے توبہ کی کوئی گنجائش ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ کیا تمہاری والدہ زندہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، پھر فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور توبہ کرو اور حتی المقدور اس کا تقرب حاصل کرو۔ پھر میں (راوی) آپ کے پاس گیا اور

میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اس آدمی سے کیوں پوچھا کہ اس کی والدہ زندہ ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے اس سے والدہ کا اس لیے پوچھا کہ والدہ کے ساتھ سلوک ایسا عمل ہے کہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی عمل میرے علم میں نہیں ہے۔

3...... جنت میں داخلہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے پڑھنے کی آواز سنی، میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کذلکم البر" یعنی نیک سلوک کرنے کا یہی صلہ اور بدلہ ہوا کرتا ہے۔

حارثہ بن نعمان اپنی والدہ کے بڑے فرماں بردار تھے۔ مسندِ احمد کی روایت میں یوں ہے کہ: حارثہ تمام لوگوں سے زیادہ اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے تھے۔''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو پھر اس کی ناک خاک آلود ہو، پھر اس کی ناک خاک آلود ہو، جو اپنے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے ایک کو بڑھاپے کی عمر کو پائے اور پھر بھی جنت میں داخل نہ ہو سکا۔''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اس کی ناک خاک آلود ہو'' اصل میں ذلت سے کنایہ ہے، گویا اس کی ناک خاک کے ساتھ لگ گئی ہے۔ (ریاض الصالحین، باب بر الوالدین)

اس سے پہلے بھی یہ حدیث مبارک گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا:

''وہ دونوں تمہاری جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، طیالسی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے سندِ صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ:

''باپ جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے۔''

عروہ بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میں نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور میں نے پانچ نمازیں ادا کیں، اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص ان امور (کی پابندی کرتے ہوئے) فوت ہوجائے وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ اس طرح ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کو اٹھایا (پھر فرمایا کہ) ''جب تک کہ اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرے۔'' (رواہ احمد والطبرانی، کذا قالہ الھیثمی فی المجمع ۱۴۷/۸)

اور ہر شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ عالی سے واقف ہے

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں کسی بشر کی فرماں برداری جائز نہیں، اطاعت صرف نیک کاموں میں ہوگی۔''

دوسرا اصول:

فرض کفایہ امور پر والدین کی فرماں برداری کو فوقیت دینا

والدین کی فرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک ہر فردِ مسلم پر فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس کو فرض قرار دیا ہے اور یہ ایسا فرض ہے کہ اس کے متوازی فرض کے سوا اور کوئی فریضہ اس کے برابر نہیں ہوسکتا، مطلب یہ ہے کہ وہ امور جو ہر فرد پر فرض عین ہیں وہی اس (والدین کے ساتھ حسن سلوک) فرض کے مساوی ہوسکتے ہیں، جیسے فرض نمازیں، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ اور ضروریاتِ دین کا علم اور فرض عین کی صورت میں جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔

اس طرح کی صورت حال میں اولاد کو چاہیے کہ وہ دونوں (فرائض) میں تطبیق دینے کی پوری کوشش کرے لیکن اگر باوجود بھرپور کوشش کرنے کے تطبیق ممکن نہ ہو تو والدین کے حسن

سلوک کے فریضہ پر اللہ تعالیٰ کے فرض عین حکم کو ترجیح اور فوقیت دے۔

جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ برالوالدین کی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"علماء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ مشتبہ امور میں بھی ماں باپ کی اطاعت واجب ہے۔" (احیاء علوم الدین ۲/۲۱۸)

باقی رہے فرض کفایہ امور کہ چند افراد اگر اس فریضہ کو بجالائیں تو تمام مسلم معاشرہ کے لیے وہ کافی ہو جاتا ہے اور دوسروں سے فریضہ ساقط ہو جاتا ہے تو ایسے فرض کفایہ امور پر بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا فریضہ مقدم ہوگا۔ جب فرض کفایہ اور مشتبہ امور میں والدین کی فرماں برداری کو تقدم اور ترجیح حاصل ہے تو مستحب اور مباح امور پر ان کے حق کو بطریقِ اولیٰ فوقیت اور ترجیح حاصل ہوگی۔

اسی بناء پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"جسے نفلی امور کی بجا آوری فرض کی ادائیگی سے مشغول رکھے وہ مغرور (فریب خوردہ) ہے اور جسے فرض امور کی ادائیگی نفلی امور سے مشغول رکھے وہ معذور ہے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات انسانی حیات میں ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے، اس اصول کی بنیاد پر تمام امور کا جائزہ لیا جاسکتا ہے اور تعارض کے پیش آنے کے وقت اس قاعدہ کو جاری کیا جاسکتا ہے ہم اس کے مطابق چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

[۱]...... جہاد فی سبیل اللہ پر والدین کی فرماں برداری کو فوقیت دینا:

مستدرک حاکم میں ہے کہ جاہمہ رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لینے حاضر ہوا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا تمہاری والدہ زندہ ہے" اس نے کہا کہ جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جاؤ اور ان کی خدمت میں لگ جاؤ، کیونکہ جنت ماں کے قدموں کے پاس ہے۔"

صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے

نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنا، میں نے کہا کہ پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ والدین کی فرماں برداری، میں نے کہا کہ پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

اس حدیث پاک کی امام کبیر علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ یوں تشریح کرتے ہیں:

''ابن التین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جہاد پر والدین کی فرماں برداری کی فوقیت کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے خیر و بھلائی کا نفع متعدی ہوگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ والدین کے حسن سلوک کے عمل کو مکافاتِ عمل سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہوتا ہے کہ دوسرے اعمال (جیسے جہاد وغیرہ) اس سے زیادہ افضل ہیں، آنحضرت ﷺ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور اس کی فضیلت کو ثابت فرمایا، میں (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ پہلی وجہ واضح نہیں ہے اور احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے والدین کے حسن سلوک کو اس لیے مقدم قرار دیا ہو کہ جہاد تو اس پر موقوف ہے کیونکہ جہاد کے لیے والدین سے اجازت طلب کرنا بھی برِّ والدین میں شامل ہے، اس لیے کہ ان کی اجازت کے بغیر جہاد پر جانے کی ممانعت آئی ہے۔'' (فتح الباری ۱۳/۴)

صحیحین میں (الفاظ مسلم کے ہیں) عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں ہجرت اور جہاد پر آپ ﷺ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا طلب گار ہوں، آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ''کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟'' اس نے کہا کہ جی ہاں، دونوں زندہ ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''کیا (واقعی) تم اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کے طلب گار ہو؟ اس نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''پھر اپنے والدین کے پاس چلے جاؤ اور ان کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آؤ۔''

صحیحین کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''ایک آدمی آیا اور اس نے آپ ﷺ سے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی آپ ﷺ نے پوچھا کہ: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں'' اس نے کہا کہ جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''پھر ان ہی کی خدمت بجا لا کر جہاد کرو۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے والدین باحیات ہیں تو ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں اپنی خوب طاقت صرف کرو، کیونکہ یہ چیز تمہارے لیے دشمن سے قتال (جہاد) کے قائم مقام ہو جائے گی۔'' (حوالہ بالا ۶/۱۹)

اس سلسلہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بیش بہا فوائد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''علماء کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ والدین کی اطاعت مشتبہ امور میں بھی واجب ہے، اگرچہ خالص حرام کام میں ان کی اطاعت واجب نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر تمہارے الگ کھانا کھانے سے والدین کی طبیعت مکدر ہوتی ہو تو تم پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ، اس لیے کہ مشتبہ امر کا ترک کرنا پرہیز گاری ہے اور والدین کی رضا جوئی لازمی ہے، اسی طرح تمہارے لیے کوئی مباح یا نفلی سفر ان کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں ہے اور فرض حج کی ادائیگی کے لیے جلدی کرنا نفلی عمل ہے، کیونکہ یہ فرض علی التاخیر ہے، اور طلب علم کے لیے سفر کرنا بھی نفلی عمل ہے، ہاں البتہ اگر تم نماز روزے وغیرہ علم الفرائض کے حصول کے لیے جاتے ہو اور تمہارے علاقہ میں کوئی تعلیم دینے والا بھی نہیں ہے تو پھر سفر کرنا (ان کی اجازت کے بغیر) جائز ہے اور یہ ایسا ہی جیسے کوئی شخص ایسے شہر میں ابتداءً مسلمان ہوا ہو جہاں اسے اسلامی احکام سکھانے والا کوئی نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ دوسرے شہر کی طرف ہجرت کرے اور والدین کے حقوق کی وجہ سے خود کو نہ روکے۔'' (الاحیاء ۲/۲۱۸)

اسی طرح بچے کے لیے والدین کی اجازت کے بغیر کوئی کام کرنا جائز نہیں، کیوں کہ

والدین کی اطاعت فرض عین ہے، فرض عین، فرض کفایہ پر مقدم ہوتا ہے۔

۴ ...... بیوی اور دوستوں پر والدین کی فرمانبرداری کو فوقیت دینا:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے، "اذا فعلت امتی خمس عشرة خصلة حل بها البلاء" "میری امت جب پندرہ خصلتیں اپنائے گی تو ان پر مصیبتیں نازل ہوں گی، ......" "واطاع الرجل زوجته وعق امه وبرّ صديقه وجفا أباه......الحديث." "منجملہ ان خصلتوں میں سے ایک خصلت یہ ہے کہ "انسان اپنی والدہ کی نافرمانی کرکے بیوی کی اطاعت کرے، والد کے ساتھ نافرمانی کا سلوک اور دوستوں کے ساتھ فرمانبرداری کا معاملہ کرے۔"

امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے:

"میرے نکاح میں ایک عورت تھی، میں اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں وہ ناپسندیدہ تھی، انہوں نے مجھ سے اس کو طلاق دینے کا کہا، میں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر واقعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "طلقها" یعنی اس کو طلاق دے دو۔"

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ عورت پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ فرمایا: اس کے شوہر کا، میں نے عرض کیا اور مرد پر؟ فرمایا: اس کی والدہ کا۔ خوابِ غفلت سے ہمیں بیدار کرنے کے لیے یہ حدیث ہی کافی ہے۔

طبرانی نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک شخص حاضر خدمت ہوا، کہنے لگا: ایک شخص جان کنی کی حالت میں ہے۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کی جا رہی ہے مگر وہ نہیں پڑھنے پا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ نماز پڑھا کرتا تھا،

آنے والے نے کہا، جی ہاں پڑھتا تھا۔ آپ ﷺ وہاں سے اٹھے، ہم بھی آپ کے ساتھ ہولئے، اس شخص کے پاس پہنچے، اس سے فرمایا: کہو لا الہ الا اللہ: اس نے کہا: مجھ سے نہیں پڑھا جارہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں پڑھا جارہا، آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ والدہ کا نافرمان تھا۔ اس کی والدہ اس سے ناراض ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی والدہ زندہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہاں زندہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی والدہ کو بلایا، اس سے فرمایا: تم مجھے یہ بتلاؤ کہ زبردست آگ بھڑکائی جائے، اور تجھ سے کہا جائے کہ اگر تم اس کی سفارش کرتی ہو تو ہم اس کو آگ میں نہیں ڈالیں گے، اگر سفارش نہیں کرو گی تو ہم اس کو آگ میں ڈال دیں گے، کیا تم اس کی سفارش کرو گی؟ کہنے لگی: یارسول اللہ! تب تو میں سفارش کروں گی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کو اور مجھے گواہ بنا کر کہہ دو کہ تم اس سے راضی ہوگئی ہو۔ اس عورت نے کہا: اے اللہ! میں تجھ کو اور تیرے رسول ﷺ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوگئی۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: یا غلام! ''قل لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ وأشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ'' تو اس نے کلمہ پڑھ لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الحمد للہ الذی انقذہ من النار'' تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اس کو آگ سے بچالیا۔

۳ ...... حج پر والدین کی فرمانبرداری کو فوقیت دینا:

بخاری و ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((للعبد المملوك المصلح اجران .))

''اصلاح کرنے والے غلام کے لیے دوہرا اجر ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: واللہ! جہاد فی سبیل اللہ، حج بیت اللہ، اور والدین کی اطاعت کا معاملہ اگر نہ ہوتا تو میں غلامی کی حالت میں مرنے

کو پسند کرتا۔ ترمذی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ جب تک زندہ رہی وہ ان کی خدمت اور اکرام کے خاطر حج کے لیے نہیں گئے، ان کے انتقال کے بعد گئے۔

[۴] ...... زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر والدین کی فرمانبرداری کو فوقیت دینا:

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے والدہ کی خدمت میں مصروف ہونے کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہ کر سکے۔ مگر اس کے باوجود ان کو وہ شرف حاصل ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دعا کروانے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ روایت میں آتا ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسید بن جابر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب یمن کا ایک قافلہ وفد کی صورت میں حاضر ہوا تو ان سے فرمایا: کیا تمہارے درمیان اویس بن عامر بھی موجود ہے۔ انہوں نے کہا: ہاں ہے، فرمایا: جو قبیلہ مراد پھر ''قرن'' سے ہے؟ کہا ہاں: پھر ان سے پوچھا: کیا تم برص کی بیماری میں مبتلا ہو کر ٹھیک ہوئے ہو؟ عرض کیا، ہاں ایسا ہی ہے، پھر فرمایا: کیا آپ والدہ کی خدمت میں مصروف رہے ہو؟ عرض کیا: ہاں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "یاتی علیکم اویس بن عامر مع امداد من مراد ثم من قرن فکان به برص فبرء منه الا موضع درهم، له والدة هو بها برّ لو اقسم على الله لا برّه فان استطعت ان يستغفرلك فافعل." ''یمن کے قافلے میں تمہارے پاس اویس بن عامر مراد سے پھر قرن سے آئے گا۔ اس کو برص کی بیماری لاحق ہوگئی تھی پھر اس سے صحت یاب ہو گئے تھے، صرف ایک درہم کی جگہ میں باقی رہی ہے وہ اپنی والدہ کا بہت زیادہ فرماں بردار ہے، اگر وہ اللہ کے نام پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم ضرور پورا فرمائے گا۔ اگر تم سے ہو سکے تو ان سے اپنے لیے استغفار کی درخواست کرلو تو ضرور کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: لہٰذا آپ میرے لیے استغفار کیجئے۔ انہوں نے ان کے لیے استغفار کی دعا کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا: کوفہ

جارہا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوفہ کے گورنر کو لکھ دوں؟ فرمایا: مجھے عام لوگوں میں رہنا پسند ہے۔ حضرت اسید بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگلے سال قرن کے شرفاء میں سے ایک شخص حج کے لیے آیا۔ اتفاق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا، وہ مفلوک الحال حالت میں ہے، ان کے پاس مال و متاع بہت کم ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے پاس یمن سے آنے والے قافلے کے ساتھ اویس بن عامر آئے گا۔ ان کو برص کی بیماری لاحق ہوگئی تھی۔ اب اس سے شفایاب ہو چکے ہیں بس صرف ایک درہم کی مقدار میں باقی ہے، وہ اپنی والدہ کا بہت فرماں بردار ہے (وہ کسی کام کو کرنے کے لیے) اللہ پر قسم کھاتے تو اللہ تعالیٰ اس کام کو ضرور فرماتا ہے۔ اگر ممکن ہو کہ وہ تیرے لیے اللہ سے استغفار کرے تو ضرور کراؤ، چنانچہ اس شخص نے اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر دعا کی درخواست کی، تو حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نیک سفر سے آئے ہو، تم ہی دعا کرلو۔ پھر فرمایا: کیا تمہاری ملاقات حضرت عمر سے ہوئی، انہوں نے کہا، ہاں، انہوں نے استغفار و دعا کی درخواست کی۔ تب لوگوں کو ان کے مرتبہ کے بارے میں پتہ چلا، تو وہ وہاں سے چل پڑے۔ حضرت اسید بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان کا لباس بس صرف ایک چادر تھی۔ جب بھی کوئی شخص انہیں دیکھتا تو کہتا: ''کہاں اویس اور کہاں یہ چادر۔''

⑤......اولاد پر والدین کی فرماں برداری کو فوقیت دینا:

اس سلسلے میں ایک عجیب اور انتہائی متاثر کن واقعہ ہے، والدین کی اطاعت و فرماں برداری کے باب میں ایک غیر معمولی واقعہ ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ والدین کی اطاعت کو بچوں کی محبت پر ترجیح دینے پر کیا اجر ملتا ہے، جو ہلاکت کے اندھیروں سے نجات کی روشنی کی طرف کس طرح کھینچ لاتا ہے، اور دنیاوی فراوانی کے دروازوں کو کس طرح کھول دیتا ہے، تو سن لیجیے اور غور کیجیے!

بخاری و مسلم میں روایت ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''تم سے پہلے زمانے میں تین افراد ایک سفر پر نکلے، رات گزارنے کے لیے ایک غار میں جا گھسے، پہاڑ سے ایک بڑی بھاری چٹان گری، جس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ وہ کہنے لگے، اس سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے، الّا یہ کہ تم اپنے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے نجات کی دعا کرو تو ان میں سے ایک شخص نے دست دعا دراز کر کے عرض کیا۔ اے میرے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے، میں دودھ انہیں پلائے بغیر اپنے بال بچوں کو نہیں دیتا تھا، ایک دن لکڑیوں کی تلاش میں دیر ہوگئی، شام کے وقت گھر نہیں پہنچ سکا، والدین سوگئے، میں آ گیا، بکریوں کا دودھ دھوپا، اور ان کو پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا تو دیکھا وہ محو خواب ہیں، مَیں نے ان کو بیدار کرنے کو مناسب نہیں سمجھا اور ان کو پلانے سے پہلے بچوں کو پلانا بھی میرے لیے نامناسب معلوم ہوا۔ دودھ ہاتھ میں لیے ان کی بیداری کا کھڑے کھڑے انتظار کرتا رہا اور میرے بچے میرے قدموں پر گر کر چیخ رہے تھے، اور اسی حالت میں صبح کی، جب وہ بیدار ہوئے۔ ان کے حصے کا دودھ ان کو پیش کیا، جب وہ پی چکے تو بچوں کو پلایا۔ اے اللہ! اگر یہ کام میں نے آپ کی رضا و خوشنودی کی خاطر کیا ہے تو جس مصیبت میں ہم پھنس چکے ہیں ہمیں اس سے نجات دیجیے۔ دعاء کے بعد غار کا منہ تھوڑا سا کھل گیا۔ مگر اتنا نہیں کہ وہاں سے نکلا جا سکے۔

پھر دوسرے شخص نے دستِ دُعا دراز کر کے عرض کیا: یا اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی۔ اس سے مجھے بہت محبت تھی، میں اس کو قریب کرنا چاہتا تھا، مگر اس نے انکار کیا۔ اس میں سال گزر گیا، ایک سال کے بعد وہ میرے پاس آئی تو میں نے اس کو ایک سو بیس دینار پیش کر کے اپنا مدعا اس کے سامنے رکھا، وہ تیار

ہوگئی، جب میں اس پر مکمل قادر ہوا اور اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو کہنے لگی: اللہ سے ڈرو، ناحق کام نہ کرو، میں فوراً اس سے جدا ہوا، حالانکہ مجھے اس سے بہت محبت تھی، جو سونا اس کو دیا تھا اس کا بھی مطالبہ نہیں کیا، اے اللہ! میں نے یہ کام آپ کی رضا و خوشی کے لیے کیا ہے تو اس چٹان کو ہم سے ہٹا دیجئے تو وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا مگر اتنا نہیں کہ اس سے نکلا جا سکے،

پھر تیسرے نے دعا کی: اے اللہ! میں نے کچھ لوگوں سے اجرت کے عوض کام کرایا۔ سوائے ایک کے سب کی اُجرت بغیر کمی کے ادا کی اور جو شخص اجرت حاصل کیے بغیر چلا گیا تھا۔ اس کی اجرت میرے پاس موجود رہی اور اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ بہت کثیر ہوگئی، ایک زمانہ دراز کے بعد اس شخص نے میرے پاس آ کر اپنی اجرت کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا: یہ جو بکریاں، غلام، اونٹ اور گائے بھینس نظر آ رہے ہیں یہ سب تمہارے ہیں، لے جاؤ، اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھ سے مزاح نہ کرو، میں نے کہا میں مزاح نہیں کر رہا۔ بلکہ یہ حقیقت میں تمہاری ملکیت ہے، چنانچہ وہ سب لے گیا۔ ان میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ اے اللہ! میں نے یہ کام اگر تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہمیں اس عمل کی برکت سے اس مصیبت سے نجات دیجئے تو چٹان مکمل طور پر ہٹ گئی اور وہ لوگ غار سے صحیح سالم نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔''

٦ ...... نفلی عبادات پر والدین کی فرمانبرداری کو فوقیت دینا:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جریج نامی ایک عبادت گزار شخص تھا، اس نے ایک عبادت گاہ بنائی تھی۔ اس میں مصروف عبادت رہتا تھا۔ ایک دن عبادت میں مشغول تھا۔ اتنے میں ان کی والدہ آئی اور کہنے لگی: یا جریج! تو اس نے کہا: اللہ! میری ماں اور میری نماز! یہ کہہ کر پھر نماز میں مشغول ہوئے، تیسری مرتبہ جواب نہ ملنے پر والدہ نے اس

کے لیے بد دعا کی، یا اللہ! مرنے سے پہلے اس کو فتنے میں مبتلا کردیجئے۔ بنی اسرائیل میں جریج کی عبادت کا بڑا چرچا ہوا۔ ایک آزاد منش عورت جو حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھی، کہنے لگی: میں جریج کو اگر چاہوں تو فتنہ میں مبتلا کرسکتی ہوں۔ چنانچہ جریج کے لیے خود کو پیش کیا۔ اس نے عورت کی طرف التفات نہیں کیا تو عورت نے ایک چرواہے کو اپنے اوپر قدرت دی جو جریج کی عبادت گاہ میں رات گزارا کرتا تھا۔ چرواہے نے اس کے ساتھ ہم بستری کی، جس سے عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ عورت نے کہا: یہ بچہ جریج کا نطفہ ہے تو بنی اسرائیل کے لوگ جریج کو اس کی عبادت گاہ سے باہر نکال لائے۔ اس کی عبات گاہ کو ڈھا دیا اور اس کی پٹائی کرنے لگے، تو جریج نے کہا، میرے ساتھ یہ معاملہ کیوں کرتے ہو۔ میں نے کیا کیا؟ بنی اسرائیل نے کہا تم نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس نے اس زنا سے بچہ جنا، تو جریج نے بچے کے پاس آ کر اس کے پیٹ پر نیزہ رکھ کر کہا، اے لڑکے! بولو تیرا باپ کون ہے؟ بچہ فوراً گویا ہوا، کہنے لگا، فلاں چرواہا، تو بنی اسرائیل نہ صرف اپنے کیے پر نادم ہوئے بلکہ جریج کی دست بوسی کرنے لگے، اس کے بدن کو چھو چھو کر برکت حاصل کرنے لگے اور جریج سے کہنے لگے: اگر چاہو تو ہم تمہاری عبادت گاہ کو ازسر نو تعمیر سونے کی اینٹوں سے کریں گے، جریج نے کہا، اس کی ضرورت نہیں ہے صرف سابقہ کچی اینٹوں سے ہی تعمیر کرو، چنانچہ عبادت گاہ کو کچی اینٹوں سے دوبارہ تعمیر کیا، اسی دوران بچہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا تو پاس سے ایک خوبصورت سواری پر سوار ایک تنومند جواں گزرا۔ عورت نے کہا: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس طرح کردیجئے تو بچہ فوراً پستان سے منہ ہٹا کر کہنے لگا: اے اللہ! مجھے اس کی طرح نہ کردیجئے، یہ کہہ کر پھر دودھ پینے میں مصروف ہوگیا۔

پھر ایک باندی کو مارتے ہوئے اس کے پاس سے گزارا گیا تو اس کی والدہ نے کہا، اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی طرح نہ بنا۔ بچہ نے پستان سے منہ ہٹا کر ایک نظر باندی کی طرف دوڑائی، اور کہا اے اللہ مجھے اس کی طرح کردے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جریج کی ماں
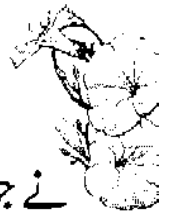
نے جواب نہ ملنے پر بددعا دی اور ناراض ہوئی۔ کیوں کہ ان کی شریعت میں دوران نماز گفتگو مشروع تھی۔ بار بار اس کو بلانے کے باوجود اس نے ماں کو جواب نہیں دیا اور اس کے ساتھ حق تلفی کا معاملہ کیا تو بددعا کی۔

حسن بن سفیان نے اللیث کے طریق سے یزید بن حوشب سے اس نے اپنے والد حوشب سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "لو کان جریج عالما لعلم ان اجابته امه اولیٰ من عبادة ربه." "اگر جریج عالم ہوتا تو ضرور جان لیتا کہ اللہ کی عبادت میں مصروف ہونے کے مقابلے میں والدہ کو جواب دینا اولیٰ ہے۔" (فتح الباری ج۳/۳۲۱)

۷......ہجرت فی سبیل اللہ پر والدین کی فرمانبرداری کو فوقیت دینا:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے خدمت نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں اپنے والدین کو اشکبار چھوڑ کر آپ کے پاس ہجرت پر بیعت کرنے آیا ہوں تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنے والدین کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔ جس طرح ان کو روتے ہوئے چھوڑ کر آئے تھے اسی طرح ان کو خوش بھی کرو۔" (مستدرك حاكم ٤/١٥٢)

۸......والدین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے حسن سلوک کا ایک نمونہ:

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن السائب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ایک مقام پر تشریف فرما تھے تو آپ کے رضاعی والد تشریف لائے، آپ ﷺ نے اپنی چادر کا کچھ حصہ ان کے نیچے بچھادیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے، اس کے بعد آپ ﷺ کی رضاعی ماں تشریف لائی تو چادر کی دوسری جانب کو ان کے لیے بچھادیا، وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تشریف لائے، تو حضور ﷺ اٹھ گئے، ان کو والدین کے درمیان بٹھادیا۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالطفیل سے بھی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام "جعرّانہ" میں گوشت تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت میں چھوٹا

سا لڑکا تھا۔ اونٹ کی ہڈیاں اٹھا رہا تھا، ایک عورت آئی، اور آپ ﷺ کے قریب آ گئی، حضور ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں، میں نے ساتھیوں سے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا، یہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں ہیں۔

شیخین رحمہما اللہ (بخاری و مسلم) نے ام ہانی ہمشیرہ علی بن ابی طالب کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: غزوۂ فتح مکہ کے دن میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئی، دیکھا آپ ﷺ غسل فرما رہے ہیں اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے لیے ستر اور پردے کا انتظام کیا ہوا ہے۔ میں نے سلام عرض کیا: تو فرمایا: "مـن هذه" یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: میں ہوں، ام ہانی بنت ابی طالب، تو فرمایا: مرحبا یا ام هانی۔

شیخین رحمہما اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت بھی نقل کی کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوگیا تھا اور خود کے ٹکڑے نے آپ کے سر مبارک کو زخمی کر دیا تھا۔ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زخم کو دھو رہی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر پانی ڈال رہے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا پانی ڈالنے سے خون میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہو رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر رکھ دیا۔ پھر اس کو زخم پر لیپ کر دیا تو خون بند ہوگیا۔

تیسرا اصول:

خالق کی نافرمانی کی صورت میں والدین کی اطاعت جائز نہیں

والدین کی اطاعت و فرماں برداری کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے، اسی اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر والدین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو مسلمان پر ان کی اطاعت ضروری نہیں ہے، اور یہی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے پر تنبیہ ہے۔ اگر وہ کفر و معصیت پر اصرار کرتے رہیں تو معصیت کے معاملے کے علاوہ امور میں اولاد ان کی فرمانبرداری اور حسن سلوک کا معاملہ کرتی رہے، یہ اسلامی اخلاق ہے، دین سے

ان کے منحرف ہونے کے باوجود اولاد کو ان کے ساتھ حسن اخلاق اور اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا گیا، البتہ ہر اس کام میں جو معصیت کے زمرے میں آتا ہو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے قبیل سے ہو تو ان کی فرمانبرداری کا حکم نہیں ہے، بلکہ نرمی، اخلاق، حکمت کے ساتھ ان کو دین کی طرف بلانے کا حکم ہے، کیوں کہ حضور اقدس ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

((لا طاعة لبشر فی معصية الله انما الطاعة فی المعروف .))

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کسی انسان کی اطاعت کا حکم نہیں، اطاعت صرف نیک اور جائز امور میں ہے۔'' (مسند احمد، ابوداود، نسائی)

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: انسان اگر کسی کی اطاعت کرے تو اپنے والدین کی کرے، اس کے باوجود اگر والدین اس کو معصیت و نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات ماننا جائز نہیں ہے، چہ جائے کہ غیروں کی بات مانی جائے۔ (تفسیر کبیر، ج ۳۵/۲۵)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآن کریم میں میرے بارے میں چار آیات اتری ہیں، ام سعد نے قسم کھائی، کہ جب تک سعد اپنے دین (اسلام) سے نہیں پھرتا اس وقت تک اس سے بات نہیں کروں گی۔ نہ کھانا کھاؤں گی نہ پیوں گی، اور اس نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں والدین کی فرماں برداری کا حکم دیا ہے اور میں تمہاری ماں ہوں اور میں اس کا حکم دیتی ہوں۔ چنانچہ بغیر کھائے پیئے تین دن گزار دیئے، تو ان پر غشی طاری ہوگئی، ان کا ایک بیٹا ''عمارہ'' نے ان کو پانی پلایا، ہوش میں آ کر سعد کو بددعائیں دینے لگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [العنکبوت: ۸]

''ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی، اگر وہ تمہیں میرے ساتھ شریک ٹھہرانے پر مجبور کریں جس کا تمہیں علم نہیں تو تم ان کی پیروی

نہ کرنا، میرے ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر جو کچھ تم کرتے تھے سب کچھ تمہیں بتادوں گا۔"

﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [لقمان: ۱۵]

"اگر والدین اس چیز کے متعلق جس کو تم نہیں جانتے میرے ساتھ شریک کرنے پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں ان کے ساتھ معروف طریقے سے رہ اور میری طرف رجوع کرنے والوں کے راستے پر چل، پھر تمہارا میرے ہی طرف لوٹنا ہے پھر تمہارے کئے کے متعلق میں تمہیں بتادوں گا۔"

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابن زیاد کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کے بیٹے عبد اللہ کو بلا کر فرمایا: "تم دیکھ نہیں رہے ہو تمہارا والد کیا کہہ رہا ہے۔"

عبد اللہ نے کہا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ کیا کہہ رہا ہے۔ فرمایا: وہ کہتا ہے: "اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ جائیں گے، تو ہم میں سے اعز (عزت مند)، اذل (ذلیل) کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔"

عبد اللہ نے کہا: یارسول اللہ! واللہ وہ سچ کہہ رہا ہے، واللہ آپ اعز ہیں، اور وہ اذل، یارسول اللہ! آپ مدینہ تشریف لا چکے اور یثرب کے تمام لوگ خوب جانتے ہیں کہ والد کی فرمانبرداری و اطاعت میں مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، اگر اللہ اور اس کا رسول اس پر راضی ہوں کہ میں اس کا سر لا کر پیش کروں تو میں ضرور ایسا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو عبد اللہ تلوار سونت کر دروازے پر کھڑے ہوگئے اور اپنے والد (عبد اللہ بن ابی) سے کہا۔ کیا یہ کلمات "لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ" تم نے کہا تھا؟ اللہ کی قسم! اب تمہیں پتہ چل جائے گا، کہ معزز تم ہو یا اللہ کا رسول؟

اللہ کی قسم! تم مدینے میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اجازت نہ ملے، ابن ابی نے کہا: اے خزرج والو! میرا بیٹا مجھے میرے گھر میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔

اس کے بیٹے عبد اللہ نے کہا، اس کو کوئی میری مرضی کے بغیر پناہ نہیں دے سکتا۔ لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے، ان سے گفتگو کی، عبد اللہ نے کہا: واللہ! اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر کوئی اس کو پناہ نہیں دے سکتا تو لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ عبد اللہ سے کہہ دو اس کو گھر آنے دے، لوگوں نے آ کر بتایا۔ تو کہا ہاں رسول اللہ ﷺ کا حکم مبارک آنے کے بعد چھوڑا جا سکتا ہے۔

حمیدی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی سلول نے اپنے والد عبد اللہ سے کہا: اللہ کی قسم! تم مدینہ کے اندر اس وقت داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم یہ کہہ نہ دو، رسول اللہ ﷺ اعزّ اور میں اذلّ ہوں۔

بخاری و مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر میری والدہ میرے پاس آئی جو مسلمان نہیں ہوئی تھی اور وہ مجھ سے کچھ مطالبہ کر رہی تھی۔ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا۔ میری والدہ میرے پاس آئی ہوئی ہے۔ مجھ سے کچھ چیز مانگ رہی ہے، کیا میں اس کے کفر کے باوجود اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نعم" ہاں اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، ابن عیینہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ [الممتحنه: ٨]

''اللہ تمہیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے، اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اس بات سے کہ تم

ان سے بھلائی کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

ایک مسلمان بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے کافر ماں باپ کو اسلام کی طرف دعوت دے، مگر زبان انتہائی نرم رکھے، ان کے ساتھ مہربانی لطف وکرم، انتہائی خوش اخلاقی، اعلیٰ کردار کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی طریقہ رہا ہے، دعوت کے میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے لیے نمونہ ہیں، ان کے انداز دعوت کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ० اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ० يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ० يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ० يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ० قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ० قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ० وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ० فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ० وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾

[مریم: ۴۱۔۵۰]

"اور ذکر کر کتاب میں ابراہیم کا، بے شک وہ سچا تھا جب اس نے کہا اپنے باپ سے کہ ابا جان کیوں پوجتے ہو ایسی چیز کو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ

کام آئے، ابا جان! میرے پاس ایسا علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا تو میری راہ چلئے میں تم کو سیدھا رستہ دکھا دوں گا۔ ابا جان! نہ پوجو شیطان کو! بے شک شیطان رحمان کا نافرمان ہے، ابا جان! مجھ کو خوف ہے کہ تم کو آئے عذاب رحمان کی طرف سے تو تم ہو جاؤ شیطان کے ساتھی۔ وہ بولا کہ کیا تو پھرا ہوا ہے میرے معبودوں سے۔ اے ابراہیم! اگر تو باز نہ آئے گا تو میں ضرور تجھ کو سنگسار کردوں گا اور مجھ سے دور رہو مدت دراز تک۔ ابراہیم نے کہا کہ (اچھا) سلام علیک میں تمہارے لیے مغفرت مانگوں گا اپنے رب سے بے شک وہ مجھ پر مہربان ہے اور میں کنارہ کرتا ہوں تم سے اور ان چیزوں سے جن کو تم پکارتے ہو۔ اللہ کے سوا اور میں پکاروں گا اپنے رب کو امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا، تو جب ابراہیم نے کنارہ کیا ان لوگوں سے اور ان بتوں سے کہ جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا تو ہم نے اس کو عطا کیے اسحاق اور یعقوب اور ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے ان کو دیا اپنی رحمت سے اور ہم نے ان کے لیے ذکر خیر بلند کیا۔"

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریقے ہمارے لیے بہترین رہنما ہیں۔ دیکھئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا کس طرح اہتمام فرمایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الادب المفرد" میں ابوکثیر التیمی کے حوالے سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا، میں نے کسی بھی یہودی یا نصرانی سے بات کی اس نے میرے ساتھ محبت کا برتاؤ کیا اور میری بات مانی، مگر میری والدہ جس کے اسلام لانے کا میں انتہائی متمنی تھا میری دعوت کو قبول نہیں کیا، بار بار دعوت دینے کے باوجود انکار کرتی رہی، تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! میری والدہ کے لیے دعا کرنا، حضور ﷺ نے دعا فرمائی، میں والدہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میری والدہ نے کہا: بیٹا میں مسلمان ہوگئی ہوں، میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ والدہ کے اسلام لانے کی اطلاع دی اور عرض کیا یارسول اللہ! میری اور میری والدہ کے لیے دعا کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: عبدك ابو هريرة وامه احبّهما الى الناس.''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کو مشرف بہ اسلام کرنے کے کتنے حریص تھے اور کتنی کوشش کرتے تھے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل روایت سے آپ کر سکتے ہیں۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: غزوۂ فتح مکہ کے موقع پر حضور اقدس ﷺ مقام ذی طوی میں تشریف فرما ہوئے ابوقحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد) نے اپنی سب سے چھوٹی بچی سے کہا: بیٹی! مجھے جبل ابوقبیس کے قریب لے چلو، اس وقت ان کی بینائی ختم ہوگئی تھی۔ بیٹی ان کو جبلِ ابوقبیس کے پاس لے گئی۔ بیٹی سے کہا: تمہیں کیا نظر آرہا ہے، اس نے کہا ایک بڑی جماعت نظر آرہی ہے۔ جماعت کے آگے ایک شخص چلا آرہا ہے، کیا یہی وہ قافلہ ہے اور مجھے جلدی گھر لے چلو، بیٹی نے جلدی جلدی سے مختصر راستے سے ان کو گھر پہنچادیا۔ جب رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کا ہاتھ پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: بوڑھے کو اپنے گھر میں رہنے دیتے، ابوبکر نے عرض کیا، ان کا چل کر آپ کی خدمت میں آنا ان کے حق میں بہتر ہے اس سے کہ آپ چل کر ان کے پاس جائیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے سامنے بٹھا دیا اور اپنا دست مبارک ان کے سینے پر پھیر کر فرمایا: ''اسلم تسلم'' مسلمان ہوجاؤ، محفوظ ہوجاؤ گے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو نقل فرمایا اور فرمایا یہ روایت امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

چوتھا اصول:

والدین حسنِ معاشرت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں

عام طور پر انسان ناکام کوشش کرتا ہے کہ اس کو کوئی مخلص اور وفادار دوست مل جائے، تلاش بسیار کے بعد کسی سے دوستی کرتا ہے تو اس میں وفا کی وہ جھلک نہیں دیکھ پاتا جو وہ توقع کرتا ہے۔ پھر پریشان ہوتا ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ نے انسان کی رہنمائی کا کوئی گوشہ بھی خالی نہیں چھوڑا۔ اس معاملے میں بھی آپ ﷺ کی رہنمائی موجود ہے۔ ایک مخلص ترین دوست جو قریب ترین کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ وہ والدین ہیں۔ ان سے بڑھ کر اس کے لیے کوئی مخلص نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے:

"ایک شخص، حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، عرض کیا، یارسول اللہ! لوگوں میں میری حسنِ صحبت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "امّك" تیری ماں۔ اس نے عرض کیا: اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: "امّك" تیری ماں۔ اس نے عرض کیا: اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "امّك" تیری ماں۔ پھر عرض کیا اس کے بعد؟ فرمایا: "ابوك" تیرے والد۔"

ایک اور روایت میں ہے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا:

((یارسول اللّٰہ! من احق بحسن صحبتی؟))

یعنی یارسول اللہ! میری صحبت میں برتاؤ کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

"أمك، ثم امك، ثم امك، ثم ابوك ثم ادناك ادناك"

"سب سے مقدم تیری والدہ، پھر تیری والدہ پھر والدہ، پھر والد پھر قریب ترین

رشتہ دار ہے۔"

بعض انسان یہ کہہ رہے ہوتے ہیں، مجھے کسی کو دوست اور ساتھی بنانے کی ضرورت نہیں۔ مگر اسے سوچنا چاہیے۔ ٹھیک ہے اس کو ضرورت نہ ہو، مگر والدین کو اس کی ضرورت ہے، تم ان کے لخت جگر ہو، ان کو تم سے بات چیت کرنے کی خواہش ہوگی، مشاورت کی ضرورت ہوگی، اپنے بعض معاملات میں تمہیں شریک کرنا چاہیں گے، انہیں تم سے خدمت لینے کی ضرورت ہوگی، اس لیے والدین کے ساتھ رہنا ان کی محبت وشفقت سے بہرہ ور اور ان کی صحبتوں سے مستفیض ہونا سب سے زیادہ سعادت مندی ہے۔

پانچواں اصول:

تعارض کی صورت میں ماں کو فوقیت دینا

مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس فرمان ذیشان کا مقتضا یہ ہے کہ برّ واطاعت میں ماں کے تین حق ہیں اور والد کا ایک۔ وجہ اس کی یہ ہے بچے کے معاملے میں ماں تین طرح کی مشقتوں اور مشکلات سے گزرتی ہے۔ حمل کی صعوبت، وضع حمل کی تکلیف پھر دودھ پلانے کی مشقت، جبکہ باپ اتنی صعوبت ومشکلات نہیں اٹھاتا۔ ان مشکل مراحل سے گزرنے میں صرف تربیت کے میدان میں باپ شریک ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهُ فِي عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ [لقمان: ١٤]

"ہم نے انسان کو والدین کے بارے میں تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہے، تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

آیت کریمہ میں وصیت میں دونوں کو برابر رکھا مگر والدہ کو امور ثلاثہ کے ساتھ مختص فرمایا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: یہ جو حکم ہے کہ ''ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے'' اس کا مطلب ہے مزاحمت کے وقت ماں کو ترجیح دینا ہے، یعنی اگر کسی کام کے بارے میں ماں کرنے کا اور باپ نہ کرنے کا حکم دیں یا اس کے خلاف حکم دیں تو ایسی صورت میں ماں کی بات مانی جائے گی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اطاعت وفرمانبرداری میں باپ کے مقابلے میں ماں کو فضیلت وفوقیت حاصل ہے، اگرچہ بعض علماء دونوں میں برابری کے قائل ہیں۔ بعض نے اس قول کو امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن درست پہلا قول ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اگرچہ بعض شوافع نے قول ثانی کو اختیار کیا ہے کہ جمہور علماء شافعیہ ماں کی فضیلت وفوقیت کے قائل ہیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں کوئی صریح قول منقول نہیں ہے۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا، میری والدہ نے مجھے طلب کیا، باپ نے ان کے پاس جانے سے روکا تو میں کس کی بات مانوں تو فرمایا: اپنے والد کی اطاعت کرو، ماں کی نافرمانی نہ کرو، ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ماں باپ اطاعت میں برابر ہیں۔

اسی طرح امام ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ سے اسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا اپنی ماں کی اطاعت کرو، کیوں کہ والدہ کو دو تہائی حق اطاعت حاصل ہے اس سے قول اول کی تائید ہوتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الادب المفرد'' میں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنن میں یہ روایت نقل کی ہے:

((ان اللّٰہ یوصیکم بامھاتکم ثم یوصیکم بامھاتکم ثم

یوصیکم بامھاتکم ثم یوصیکم بالاب ثم الاقرب فالاقرب .))

''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں (کی اطاعت) کی وصیت کرتا ہے، پھر تمہاری ماؤں کے متعلق وصیت کرتا ہے، پھر تمہاری ماں کے متعلق وصیت کرتا ہے، پھر باپ کے متعلق وصیت کرتا ہے، اس کے بعد قریبی رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ داری کی قربت کے تناسب سے حسن سلوک کی وصیت کرتا ہے۔''

ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"امك واباك ثم اختك واخاك ثم ادناك وادناك . "

''سب سے پہلا حق ماں باپ کا پھر بہن بھائیوں کا پھر قریبی رشتہ داروں کا قرابت کی ترتیب پر۔''

قرابت داروں میں ترتیب اس طرح ہے۔ ماں باپ کے بعد حق دار کا پھر والدین کے رشتہ میں آنے والے رشتہ دار عصبات، اس کے بعد ذوی الارحام وغیرہ۔

اور ماں کا اطاعت میں سب پر مقدم ہونا حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے شوہر کا، میں نے عرض کیا ''مرد پر؟'' فرمایا: ''اس کی ماں کا۔''

اور تمام اہل حقوق میں سے ماں کا حق اور اس کی اطاعت کا مقدم ہونا مندرجہ ذیل حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے۔

ایک عورت نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے، میرا پیٹ اس کے لیے برتن (جائے سکونت) اور میرا پستان اس کے لیے پینے کا برتن اور میری گود اس کے لیے محافظ تھی، اس کے والد نے مجھے طلاق دی ہے اور اس کو مجھ سے چھینا ہے تو

حضور ﷺ نے فرمایا:

((انت احق به مالم تنكحى .))

''تم جب تک (دوسری جگہ) نکاح نہیں کرتی اس وقت تک تم ہی اس کی حقدار ہو۔''

امور ثلاثہ (حمل، وضع حمل، رضاعت) کی صعوبتوں کی بناء پر والدہ اس کی حقدار بن گئی۔

چھٹا اصول:

انت ومالك لابيك کی تشریح

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے:

''ایک شخص نے خدمت نبوی ﷺ میں آ کر عرض کیا: میرے پاس کچھ مال ہے اور میرا بیٹا بھی ہے اور میرے والد کو مال کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "انت ومالك لابيك ان اولادكم من اطيب كسبكم فكلوا من كسب اولادكم " تم اور تمہارا مال تمہارے والد کی ملکیت ہے تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے اور اپنی اولاد کی پاکیزہ حلال کمائی سے کھاتے رہو۔''

(مصنف عبد الرزاق ۱۲۹/۹)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان اولادكم من كسبكم وهبة الله لكم يهب لمن يشاء إناثا ويهب لمن يشاء الذكور" تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے اور اللہ کی عطا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹی عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عنایت فرماتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک شخص نے خدمت اقدس میں آ کر عرض کیا یارسول اللہ! میرے والد نے میرا مال لے لیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فأتني بابيك" اپنے باپ کو میرے پاس لے آؤ۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام تشریف لائے، اور فرمایا: اللہ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے: کہ وہ بوڑھا جب تمہارے پاس آئے تو اس سے اس چیز کے بارے میں پوچھ لیجئے جو صرف اس کے دل میں آتی ہے اور اس کے کان تک وہ بات نہیں پہنچی ہے۔ چنانچہ جب وہ شخص حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا، تیرا بیٹا تیری شکایت کیوں کر رہا ہے؟ کیا تم اس کا مال اس سے چھیننا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا: اس سے پوچھ لیجئے کیا اس نے اپنی کسی پھوپھی یا خالہ یا مجھ پر کچھ خرچ کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو ان باتوں کو، ان باتوں کے بارے میں بتا دیجئے جو صرف تمہارے دل میں آتی ہیں، کان تک نے ان کو نہیں سنا ہے۔ بوڑھے نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے متعلق ہر وقت ہمارے یقین میں اضافہ فرماتا رہتا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کچھ باتیں سوچی ہیں جو میرے کان تک نہیں پہنچی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنا دو، میں بھی سن لوں۔ اس نے کہا:

غذوتك مولودًا ومنتك يافعا ... تعلّ بما أجني عليك وتنهل

تخاف الردى نفسي عليك وانها ... لتعلم ان الموت وقت مؤجل

فلما بلغت السن والغاية التي ... اليها مدى ما كنت فيك أومل

جعلت جزائي غلظة وفظاظة ... كانك انت المنعم المتفضل

فليتك اذا لم ترع حق أبوّتي ... فعلت كما الجارا لمصاحب يفعل

فاوليتني حق الجوار ولم تكن ... علي بمال دون مالك تبخل

"میں نے تجھے بچپن میں غذا مہیا کی، میری محنت سے تم کھاتے پیتے تھے۔ میرا نفس ہر وقت تیری ہلاکت کا خوف کرتا حالانکہ اس کو علم تھا کہ موت کے لیے وقت مقرر ہے۔ جب تم اپنی عمر کے اس مرحلے کو پہنچ گئے جس کے ساتھ میری

امیدیں وابستہ تھیں تو تم نے میری ساری محنت کا بدلہ بد خلقی اور سختی سے دیا گویا کہ تم نے میرے ساتھ احسان کیا۔ اگر تم مجھے باپ ہونے کا حق نہیں دیتے تو کاش کہ ایک پڑوسی کا حق دیا ہوتا اور تم مجھ کو پڑوسی پر ترجیح دیتے مجھ پر خرچ کرنے پر بخل نہ کرتے۔"

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اس کے بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا: "انت ومالك لابيك."

اس طرح سابق میں بھی ایک حدیث گزری جس میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد مبارک نقل کیا گیا:

"وان كان خرج يسعى على ابوين شيخين كبيرين، فهو فى سبيل الله"

"اگر کوئی شخص اپنے بوڑھے والدین (کی کفالت کے لیے) کمائی میں مصروف ہے تو وہ اللہ کے راستے پر ہے۔"

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

"ولا يحل لرجل ان يعطى عطية او يهب هبة ثم يرجع فيها الا الوالد فيما يعطى ولده ومثل الذى يعطى العطية ثم يرجع فيها كمثل الكلب يأكل فاذا شبع قاء ثم يعود فى قيئه."

"کسی انسان کے لیے یہ جائز و حلال نہیں کہ وہ کسی کو کچھ عطاء کرے یا ھبہ کر کے پھر اس کو اس سے واپس لے لے۔ مگر والد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے کسی بچے کو عطا کر کے واپس لے لے۔ کسی کو کچھ عطاء کر کے اس کو واپس لینے کی مثال اس کتے کی سی ہے جو پیٹ بھرنے کی وجہ سے قے (الٹی) کرے، پھر اس کو چاٹ لے۔"

ساتواں اصول:

والدین کو غلامی سے آزادی دلانا

بر و اطاعت کی یہ صورت سب سے اہم ہے۔ پہلے زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ بیٹا آزاد ہے۔ ماں باپ یا ان میں سے ایک غلام ہے تو مال دے کر ماں باپ کو آزاد کرانا بہت بڑی نعمت اور عظیم اطاعت تھی۔ اس زمانے میں اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ والدین کسی وجہ سے سخت قرضوں کے شکنجے میں پھنس گئے ہوں، تو ایسی صورت میں اولاد پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں تو سنئے رسالت مآب ﷺ کی زبانی۔

"لا يجزى ولد والدًا الا ان يجده مملوكا فيشتريه ، فيعتقه . "

''کوئی بچہ بھی اپنے والد کا حق ادا نہیں کرسکتا الا یہ کہ اپنے والد کو مملوک (کسی کا غلام) پائے اور پیسہ خرچ کر کے اس کو خریدے اور آزاد کردے۔''

(مسند احمد، مسلم، ترمذی)

اس زمانے میں اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی وجہ سے والدین یا ان میں سے کوئی ایک قید میں مبتلا ہوجائے تو ایسی حالت میں اولاد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان کی آزادی اور کفالت کی کوششیں کریں، کیوں کہ ارشاد نبوی ہے:

"انت ومالك لابيك . "

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مـن حج عن ابويه او قضى عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الابرار . "

''جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے یا ان پر عائد تاوان ادا کرے تو وہ قیامت کے دن ابرار (نیکوکاروں) کی صف میں سے اٹھایا جائے گا۔''

آٹھواں اصول:

والدین اور بچوں کے درمیان دُعا کا تبادلہ

والدین کے لیے دعا بھی برّ واطاعت کا ایک اہم پہلو ہے، والدین کے ساتھ قلبی لگاؤ کا مظہر ہے، حقیقی فرماں برداری دلی عظمت کی نشانی ہے، والدین کے ساتھ محبت دل میں موجزن ہوکر دعاء کی صورت میں زبان سے نکلتی ہے، جب بھی بچے اور والدین کے درمیان محبت میں اضافہ ہوتا ہے، تو دونوں طرف سے ایک دوسرے کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ثلاث دعوات مستجابات لاشك فيهن، دعوة المظلوم، دعوة المسافر، دعوة الوالد على ولده." (ابوداود، ترمذی)

''تین دعائیں یقیناً قبول ہوتی ہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعاء، والد کی دُعا اپنی اولاد کے لیے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم امّ سُلیم (حضرت انس کی والدہ) کے گھر تشریف لائے، ام سلیم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی اور کھجور پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"اعيدوا سمنكم في سقائه وتمركم في وعاءه فاني صائم." گھی کو اس کے برتن میں اور کھجوروں کو کھجوروں کے برتن میں ڈال دو، میرا روزہ ہے۔'' پھر گھر کے ایک کونے میں جا کر نفل نماز پڑھی، ام سلیم اور ان کے گھر والوں کے لیے دعاء کی، ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا ایک خویصۃ بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خویصہ کیا ہے؟ عرض کیا: آپ کا خادم ''انس'' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کی دعا اس طرح

فرمائی: "اللھم ارزقه مالا ، وولدًا' وبارك له" حضور ﷺ کی دعا مبارکہ کی برکت سے آج میں انصار مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، اور اولاد میں برکت کا یہ عالم ہے، کہ میں نے اپنے ہاتھ سے ۱۲۰ سے زیادہ اولاد کو دفن کیا۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الادب المفرد" میں ابوحازم کا قول نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "میرے والد نے مجھے بتایا کہ وہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی ذاتی زمین "العقیق" میں گیا۔ زمین میں داخل ہو کر بلند آواز سے کہا: "علیك السلام ورحمة اللّٰہ وبرکاته یا أماه" اماں جان! آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی و رحمت ہو۔" ان کی والدہ نے جواب دیا: "وعلیك السلام ورحمة الله وبرکاته" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: "رحمك اللّٰه کما ربیتنی صغیرا" اللہ تجھ پر رحم فرمادے جس طرح آپ نے بچپن میں میری پرورش کی، والدہ کہتی ہیں آپ پر بھی اللہ کی رحمت ہو، تم نے میری فرمانبرداری کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو، پھر فرمانے لگی، "اللھم بارك لنا فی اموالنا وأولادنا"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "اپنے شوہر اور دونوں بچوں کو میرے پاس لے کر آؤ" حضرت فاطمہ ان کو لے کر حاضر خدمت ہوئی، اور ان پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا: "اللھم إن ھؤلاء آل محمد ، فاجعل صلواتك وبرکاتك علی محمد وعلی آل محمد انك حمید مجید" "اے اللہ! یہ آل محمد ہیں اپنی رحمتیں اور برکتیں محمد اور آل محمد پر نازل فرما، بے شک آپ ہی تحمید و تمجید کے لائق ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے چادر اٹھا کر ان میں داخل ہونے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے چادر کھینچ کر فرمایا: "إنك علی خیر"۔ "یعنی تم خیر پر ہو"۔ (رواہ احمد ۳۲۳/۶)

نواں اصول:

والدین کو اذیت نہ دینا

اذیت دینے کے کئی اسباب ہوتے ہیں، اذیت دینا تو دور کی بات ہے ان کے نام تک کا احترام لازم ہے، یہ برّ و اطاعت کی دلیل ہے، اور فرمانبردار ہونے کی نشانی ہے، ان کے نام کو بری باتوں اور گالی سے بچانا چاہیے، گالی کا سبب نہیں بننا چاہئے، گالی اور بُرا بھلا کہلوانے کا سبب بننے کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً ایسے بُرے کام کا ارتکاب کرنا کہ جس کی وجہ سے ان کو غصہ آجائے اور وہ خود کو کوستے رہیں اور برا بھلا کہتے رہیں، تو اس کا سبب اولاد بن گئی، یا کسی کے ساتھ برائی سے پیش آ گیا جس کی وجہ سے اس نے تیرے والدین کو گالی دی تو سبب تو تم اس کا بنے یا کوئی تیرے ساتھ برائی سے پیش آیا، تم نے اس کو گالیاں دیں، جواب اس نے بھی گالیوں سے دیا تو والدین کو گالیاں دلوانے کا سبب تم بن گئے۔

بہرحال اذیت پہنچانے اور ان کے نام کو بدنام کرنے کی کوئی بھی شکل ہو، وہ برّ و اطاعت کے منافی ہے۔ ابن سنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا، اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے سے پوچھا: "من ھذا" یہ کون ہے؟ اس نے عرض کیا: یہ میرا والد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"فلا تمش امامه ولا تستب له، ولا تجلس قبله ولا تدعه باسمه."
"تم ان کے آگے نہ چلو، نہ ان کے لیے برائی کا سبب بنو، ان سے پہلے نہ بیٹھو، ان کا نام لے کر مت پکارو۔"

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالخارق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: فرمایا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، معراج کی رات مجھے ایک نورانی شخصیت کے پاس سے گذارا گیا۔ وہ عرش کے نور کے اندر تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ کیا یہ کوئی فرشتہ ہے؟ کہا گیا، نہیں فرشتہ نہیں ہے، میں نے پوچھا کوئی پیغمبر ہے؟ جواب نفی میں آیا، میں نے کہا پھر یہ کون

ہے؟ تو جواب ملا، یہ ایسا شخص ہے کہ دنیا میں اس کی زبان ہمیشہ ذکر الٰہی سے تر رہتی تھی، اس کا دل مساجد کے ساتھ معلق رہتا تھا، اس نے اپنے والدین کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔"

بخاری شریف میں آپ کا یہ ارشاد مبارک بھی منقول ہے۔

"لعن اللّٰہ من لعن والدیہ ."

"والدین کے ساتھ لعن طعن کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من الکبائر شتم الرجل والدیہ ." (مصنف عبد الرزاق ۱۱/۱۳۸)

"والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا کوئی انسان اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے، جواب میں اس نے گالی دینے والے کے باپ کو گالی دی، کسی کی ماں کو گالی دی اس نے اس کی ماں کو گالی دی۔

دسواں اصول:

اپنے نسب کی تشہیر اور اس پر فخر کا اظہار کرنا

اسلام نے اس بات پر کافی زور دیا کہ نسب کی تشہیر کی جائے۔ چنانچہ بچہ کی پیدائش کے موقع پر عقیقہ کرنے کو ضروری قرار دیا۔ تاکہ اس کے ذریعے بچہ کی پیدائش کی تشہیر ہو جائے۔

بعض دفعہ بڑا تعجب بلکہ افسوس ہوتا ہے، کہ کچھ لوگ مجمع میں خود کو اپنے والد کی طرف منسوب کرنے سے گریز کرتے ہیں، اور دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ یہ انتہائی خطرناک عمل ہے اس میں کفر کا سبب بننے کا خطرہ ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ادعی الی غیر ابیہ ، فالجنۃ علیہ حرام ."

(بخاری، مسلم، مسند احمد، ۱/۹۶۹.)

''جس نے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف کردی اس پر جنت حرام ہے۔''

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا ترغبو عن اٰبائكم فمن رغب عن أبيه فهو كفر ."

''اپنے آباء و اجداد کی طرف اپنی نسبت کرنے سے اعراض مت کرو، جس نے ایسا کیا اس نے کفر کیا۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف جان بوجھ کر کی تو اس نے کفر کیا، جس نے ایسا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے اس کو چاہیے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

گیارہواں اصول:

والدین کی طرف سے حج بدل کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک مرتبہ بقرہ عید کے موقع پر قبیلہ بنو خثعم کی ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یارسول اللہ! حج اللہ کا فریضہ ہے، میرے والد انتہائی ضعیف ہیں، سواری پر بیٹھ نہیں سکتے، آپ مجھے بتلا دیجئے، کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نعم" (صحيح ابن خزيمة ٣٤٢/٤) یعنی ہاں کرسکتی ہو۔ ابن رزین نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے والد کمزور ہیں، حج و عمرہ کرنے پر قادر نہیں ہیں اور نہ سفر کرسکتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حجّ عن ابيك" (صحيح ابن خزيمة، ٣٤٦/٤) اپنے والد کی طرف سے حج کرو۔

بارہواں اصول:

والدین کی نذر کو پورا کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے سہارے پیدل چل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بوڑھے کا کیا معاملہ ہے؟ اس کے بیٹوں نے کہا: یارسول اللہ! اس پر نذر واجب ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ارکب ایها الشیخ فان اللّٰه غنی عنك وعن نذرك ."

''بڑے میاں! سواری پر سوار ہوکر چلو، اللہ تعالیٰ کو تیری نذر کی ضرورت نہیں ہے۔'' (ابن خزیمه، ٤/٣٤٧)

تیرھواں اصول:

دنیا و آخرت میں والدین کی نافرمانی کی سزا

صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ألا انبئکم بأکبر الکبائر ، قلنا بلی یارسول اللّٰه! قال الاشراك باللّٰه وعقوق الوالدین .))

''کیا میں تمہیں تمام بڑے گناہوں میں سے بڑے گناہ نہ بتاؤں؟ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ کیوں نہیں، بتلا دیجئے، فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے یہ کہہ کر اٹھ کر بیٹھ گئے، اور فرمایا: "الا وقول الزور" سنو! جھوٹی گواہی دینا بھی، پھر یہ الفاظ آپ ﷺ مسلسل دہراتے رہے۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((ثلاثة لا ينظر الله اليهم يوم القيامة، العاق لوالديه والمرأة المترجلة، والديوث، وثلاثة لا يدخلون الجنة، العاق لوالديه، ومدمن الخمر، والمنّان بما اعطى.))

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین قسم کے لوگوں کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے۔ والدین کا نافرمان، مردوں کی مشابہت کرنے والی عورت، اور دیوث، اور تین قسم کے لوگ جنت میں نہیں داخل ہوں گے، والدین کا نافرمان، شراب خوری کا عادی، احسان جتلانے والا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے "الادب المفرد" میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دس کلمات کی وصیت فرمائی ہے۔

① ''تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرانا اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے اور جلا دیا جائے۔''

② تم ہرگز والدین کی نافرمانی نہ کرنا، اگرچہ وہ تم کو تمہارے اہل و مال سے باہر کر دیں۔

③ کسی فرض نماز کو جان بوجھ کر ترک نہ کرنا، کیوں کہ جس نے جان بوجھ کر فرض نماز ترک کر دی، وہ اللہ کے ذمہ سے نکل جائے گا۔

④ شراب نوشی ہرگز نہ کرنا، اس لیے کہ شراب ہر برے کام کی جڑ ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خود کو بچاتے رہنا، اس لیے کہ معصیت سے اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

⑥ میدان جنگ سے ہرگز مت بھاگنا اگرچہ تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔

⑦ تم کسی مقام پر ہو اور وہاں موت کا دور دورہ ہو تو ثابت قدم رہنا۔

⑧ اپنی استطاعت کے بقدر اپنے اہل و عیال پر صرف کرنا۔

⑨ ادب سکھانے کے لیے ان پر اپنے خوف کو نافذ کرنا۔

⑩ اللہ کے (احکام) کے معاملے میں انہیں ڈراتے رہنا۔
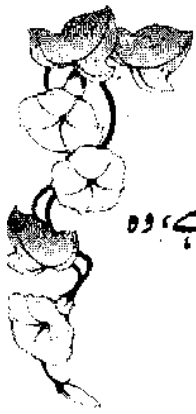
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الكبائر الا شراك بالله، وعقوق الوالدين، وقتل النفس واليمين الغموس.))

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان اللّٰه حرّم عليكم عقوق الامهات ومنعًا وهات، ووأد البنات وكره لكم قيل وقال وكثرة السؤال واضاعة المال.))

''اللہ تعالیٰ نے تم پر والدین کی نافرمانی، دوسروں کے حقوق ادا نہ کرنے اور اپنے حقوق مانگنے، بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام فرمایا اور قیل وقال، کثرت سوال اور اضاعت مال کو ناپسند فرمایا۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مالک بن عمرو القشیری سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((من اعتق رقبة مسلمة فهي فداء من النار فان كل عظم من عظامه محررة بعظم من عظامه، ومن ادرك احد والديه ثم لم يغفرله فابعده اللّٰه عزوجل، ومن ضم يتيما من ابوين مسلمين الى طعامه وشرابه حتى يغنيه اللّٰه وجبت له الجنّة.))

''جو شخص مسلمان غلام آزاد کردے وہ اس کے لیے جہنم سے چھٹکارے کا فدیہ ہے اس کی ہر ہر ہڈی اس غلام کی ہر ہر ہڈی کے بدلے میں آزاد ہوگی، جو شخص اپنے والدین میں سے کسی کو پائے، اور وہ اس کو نہ بخشوا دے تو اللہ تعالیٰ اس

شخص کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے، جو شخص کسی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچے کو اپنے ساتھ کھانے پینے میں شریک کرے یہاں تک کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا، تو اس کے لیے جنت واجب ہوگی۔''

''الاوسط'' میں طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم ایک جگہ جمع تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور فرمایا:

((یا معشر المسلمین! اتقوا الله، وصلوا ارحامکم، فانه لیس من ثواب أسرع من صلة الرحم، وایاکم والبغی، فانه لیس من عقوبة اسرع من عقوبة البغی، وایاك وعقوق الوالدین، فان ریح الجنة توجد من مسیرة الف عام والله لا یجدها عاق، ولا قاطع رحم، ولا شیخ زان، ولا جارٌ، ازاره خیلاء، انما الکبریاء لله رب العالمین.))

''اے معشر المسلمین، تقویٰ اختیار کرو، صلہ رحمی کرو، کیوں کہ صلہ رحمی کا ثواب جلدی ملتا ہے۔ بغاوت سے بچتے رہو، کیوں کہ بغاوت کی سزا بہت جلد ملتی ہے۔ والدین کی نافرمانی سے بچو، جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت تک سونگھی جاسکتی ہے۔ اللہ کی قسم! والدین کا نافرمان اور قطع رحمی کرنے والا جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکتا۔ اور نہ ہی بڑھاپے میں زنا کرنے والا سونگھ سکتا، اور تکبر کے ساتھ اپنی چادر (شلوار) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا بھی اس کی خوشبو نہیں سونگھ پائے گا۔ بے شک ساری بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔''

قیامت کی علامات میں سے نافرمانی کی بدترین صورت یہ ہے کہ بچہ اپنے والد کو قتل کرے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الادب المفرد'' میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لا تقوم الساعة حتی یقتل الرجل جاره وأخاه وأباه .))

''قیامت اس وقت قائم نہیں ہوگی جب تک انسان اپنے پڑوسی، بھائی اور والد کو قتل نہ کر دے۔''

والدین کی نافرمانی کی سزا سردست دنیا میں ملتی ہے:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((کل الذنوب یوخره اللّٰه الی یوم القیامة الا عقوق الوالدین فان اللّٰه یجعله لصاحبه فی الحیوة الدنیا قبل الممات .))

''اللہ تعالیٰ ہر گناہ کی سزا کو قیامت تک مؤخر فرماتا ہے مگر والدین کی نافرمانی کی سزا دنیا میں بھی مرنے سے پہلے سے چکھا دیتا ہے۔''

نافرمانی کی صورت:

والدین کے ساتھ ہر وہ سلوک جس سے ان کو اذیت پہنچتی ہو عقوق میں داخل ہے۔ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جس سے ان کی بے توقیری ہو رہی ہو۔ ذہنی تکلیف اور کوفت کا باعث ہو، عقوق میں داخل ہو کر کبیرہ گناہ بن جائے گا۔ مثلاً ان سے ملاقات کے وقت تیوری چڑھا کر چیں بجبیں ہونا، یا مجمع میں بیٹھا ہو، والد کی آمد پر ان کے لیے کھڑا نہ ہونا، اس کی پرواہ نہ کرنا، یا ایسی کوئی حرکت کرنا جس سے عرف اور اہل مروت کے ہاں ہتک آمیزی میں شمار ہوتا ہو تو یہ سب عقوق و نافرمانی میں داخل اور فرمان برداری کے خلاف ہے۔

۲ ...... والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ حسن سلوک کے چند اصول:

انسان بعض دفعہ ایسی حالت میں جوانی کی سرحد میں داخل ہوتا ہے کہ والدین میں سے کسی ایک کے سایہ عطوفت سے محروم ہوتا ہے یا دونوں دنیا سے جا چکے ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ان کی خدمت، اطاعت و فرماں برداری کی کیا صورت ہے۔ احادیث مبارکہ میں

غور وخوض کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کے نو اصول ہیں:

پہلا اصول:

والدین کی وصیتوں اور وعدوں کو پورا کرنا

چنانچہ امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہ اللہ ''ثرید بن سوید الثقفی'' سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میری والدہ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کی طرف سے ایک مسلمان غلام آزاد کردوں، میں نے خدمت نبوی میں حاضر ہوکر عرض، یارسول اللہ! میری والدہ نے مجھے ایک مسلمان غلام یا باندی آزاد کرنے کا حکم دیا جب کہ میرے پاس ایک سیاہ فام جاہل باندی ہے، کیا میں اس کو آزاد کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اسے بلا کر لاؤ، میں اس کو بلا لایا، جب خدمت نبوی میں حاضر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا: فرمایا: "من ربك" تیرا پروردگار کون ہے؟ اس نے کہا: اللہ ہے، فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے عرض کیا: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے آزاد کردو، یہ ایمان والی ہے۔''

حضرت مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک مرتبہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک قبیلہ بنوسلمہ کا ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ عرض کیا: یارسول اللہ! والدین کے انتقال کے بعد ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی کوئی صورت باقی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں'' ہے، ان کے لیے دعا اور استغفار کرنا، ان کے مرنے کے بعد ان کے وعدوں کی تکمیل کرنا، ان سے متعلق رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔ (مستدرك حاكم: ٤/١٥٥)

یہ حدیث تقریباً بر واطاعت کی صورتوں کو حاوی ہے۔ بعض دفعہ تنفیذِ وصیت میں اولاد کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر انہیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے۔ "مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ" یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائے گا، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا۔''

وفات کے بعد والدین کی وصیت اور وعدوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بہترین نمونے حضرات صحابہ کرام کے اندر موجود ہیں۔

مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جنگ جمل کے موقع حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے، میں بھی ان کے پہلوں میں کھڑا ہوگیا۔ فرمایا: ''بیٹے! آج مرنے والا ظالم ہوگا یا مظلوم، اور میں سمجھتا ہوں کہ میں مظلوم مروں گا۔ مگر مجھے میرے قرضوں کی فکر ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا میرے مال میں سے میرے قرضوں کی ادائیگی ہوجائے گی؟ پھر فرمایا: میری جائیداد فروخت کر کے میرا قرض اتار دو، اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچ جائے، اس کی ایک تہائی تمہارے بچوں کے لیے ہے۔

پھر اپنے قرضوں کی تفصیل بتانے لگے، فرمایا: اگر ان کی ادائیگی سے بے بس ہوگئے تو میرے مولا سے مدد مانگ لینا، عبد اللہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے یہ بات سمجھ میں نہ آئی، حتیٰ کہ میں نے پوچھ ہی لیا۔ عرض کیا۔ آپ کا مولیٰ کون ہے؟ فرمایا: اللہ ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اسی معرکہ میں قتل ہوئے، نقدی مال (دراہم و دینار) نہ چھوڑا البتہ دو جائیدادیں جن میں ایک جنگل تھا چھوڑی، اور گیارہ مکانات مدینہ منورہ میں، دو گھر بصرہ اور ایک کوفہ اور ایک گھر مصر میں چھوڑا، اور ان پر قرض کی کثرت کی وجہ یہ تھی کہ لوگ ان کے پاس مال امانت رکھنے کے لیے لاتے، تو ان سے کہہ دیتے یہ بطور قرض کے مجھے دے دو، کیوں کہ بطور امانت ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ وہ ساری زندگی نہ کہیں حکمران رہے ہیں، نہ کسی سرکاری امور میں مداخل رہے، البتہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ہیں اور حضرات خلفاء راشدین (ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ) کی معیت میں جہاد کرتے رہے ہیں۔ میں نے ان کے ذمہ قرضوں کا حساب لگایا تو پتہ چلا کہ

وہ ۲۲ لاکھ ہیں۔

ایک مرتبہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے پوچھا: بھتیجے! میرے بھائی پر کتنا قرض تھا؟ میں نے مقدار پوری نہیں بتلائی، بلکہ اصل قرض سے کم بتلائی تو فرمانے لگے: مجھے لگتا ہے تمہارے پاس اس کی ادائیگی کے لیے مال پورا نہیں ہوگا۔ پھر میں نے قرضوں کی پوری تفصیل بتا دی تو فرمانے لگے۔ تمہیں ادائیگی میں تنگی ہوگی، اگر مجھ سے کچھ مدد طلب کرو تو کر سکتے ہو، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ ستر ہزار کا ایک جنگل خریدا تھا۔ ان کے بیٹے عبد اللہ نے اس کو ۳ لاکھ میں فروخت کر دیا اور عام اعلان کر دیا۔ جس کا بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر قرض ہے وہ اس سے اپنا قرض وصول کرلے تو حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذمے چار لاکھ درہم تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: چاہو تو یہ رقم تم رکھ لو، یا مؤخر کرلو، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا، نہیں، عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو پھر مجھے غابہ میں سے کچھ دے دو، تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک حد بندی کر کے انہیں کہا: یہ تم اپنے قرض کے بدلے لے لو، تو انہوں نے اسے فروخت کر کے اپنا قرض وصول کرلیا اور ان کے لیے بچ بھی گئے۔ اس طرح جنگل کا کچھ حصہ عمرو بن عثمان، کچھ حصہ منذر اور کچھ حصہ ابن زمعہ نے خرید کر رقم دے دی۔ جس سے ان کے تمام قرضوں کی ادائیگی کی صورت بن گئی۔ جب تمام قرض اداء ہوگئے تو حضرت زبیر کی اولاد نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے تقسیم میراث کا مطالبہ کیا تو فرمایا: ابھی نہیں، میں موسم حج میں دوبارہ اعلان کروں گا کہ کسی کا حق زبیر کے ذمہ واجب ہو تو وہ آئے مجھ سے وصول کرے، چنانچہ چار سال تک ہر حج کے موقع پر مسلسل اعلان کرتے رہے۔

اس کے بعد میراث کو تقسیم فرمایا: ایک تہائی وصیت پر عمل کرنے کے بعد باقی کو ورثاء میں تقسیم کر دیا۔ ان کی چار بیویاں تھیں ہر ہر بیوی کے حصے میں بارہ بارہ لاکھ آیا۔ ان کی میراث کی کل مالیت پانچ کروڑ سے اوپر تھی۔

دوسرا اصول:

والدین کے لیے دعا و استغفار کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الادب المفرد" میں محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے دعا کی: "اللّٰھم اغفر لابی ھریرۃ ولامہ ولمن استغفرلھما" اے اللہ! ابوہریرہ اور اس کی والدہ اور ان کے لیے استغفار کرنے والوں کو بخش دے، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہم نے ابوہریرہ کی دعا کی برکات حاصل کرنے کے لیے ان کے لیے دعا کی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان اللّٰہ عزوجل لیرفع الدرجۃ للعبد الصالح فی الجنۃ، فیقول، یارب! انّی لی ھذہ فیقول باستغفار ولدك لك.))

''اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرمائے گا تو وہ کہے گا اے میرے پروردگار! مجھے یہ درجہ کس طرح ملا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تیرے بیٹے نے تیرے لیے استغفار کیا۔ جس کے نتیجہ میں تجھے یہ انعام ملا۔''

اس روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں طبرانی نے الاوسط میں ذکر کیا ہے۔

تیسرا اصول:

والدین کے دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا

یعنی ان کے رشتہ دار اور تعلق داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، ان کا ایک دراز گوش جس پر سامان لاد کر مکہ جاتے تھے، ایک دن اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر جا رہے تھے، تو ایک اعرابی (دیہاتی) ان کے پاس سے گزرے، اس سے فرمایا: کیا تم فلاں شخص کے بیٹے نہیں ہو؟ اس نے کہا: ہاں میں اُنہی کا بیٹا ہوں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا دراز گوش اور عمامہ

جوانہوں نے باندھا تھا۔ دونوں اس اعرابی کو عطا کر دیئے، ان کے ایک ساتھی نے کہا: آپ نے اپنی سواری اس کو دے دی۔ جس پر سوار ہو کر آپ سفر کرتے، اور عمامہ بھی دے دیا؟ تو فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((ان من ابر البر صلة الرحم اهل ود أبيه بعد ان يولى .))

''والد کی وفات کے بعد بہترین نیکی اور فرمانبرداری والد کے ساتھ محبت کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرنا ہے۔''

اس کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کرنے والوں میں سے تھے۔

صحیح ابن حبان میں ہے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں مدینہ منورہ آیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میری ملاقات کے لیے تشریف لائے، اور فرمایا: معلوم بھی ہے میں آپ کے پاس کیوں آیا؟ میں نے کہا: نہیں معلوم، تو فرمانے لگے: میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے ہوئے، آپ نے یہ ارشاد فرمایا:

((من احبّ ان يصل اباه فى قبره فليصل اخوان ابيه بعده! .))

''جسے اپنے والد کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا پسند ہو تو اس کو چاہیے کہ ان کے بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرے۔''

چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد کے درمیان محبت و دوستی کا تعلق تھا۔ جس کی وجہ سے میں نے چاہا آپ کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کروں۔ (مسند ابویعلیٰ)

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور اقدس ﷺ کی یہ روایت بھی نقل فرمائی:

((احفظ ودّ ابيك ، لا تقطعه فيطفئ الله نورك .))

''اپنے والد کے ساتھ محبت کرنے والوں کا خیال رکھو ورنہ اللہ تیرا نور بجھا دے گا۔''

چوتھا اصول:

والدین کے لیے صدقہ وخیرات کرنا

بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے خدمت نبوی میں آ کر عرض کی۔ یارسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ثواب ان کو پہنچ جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں پہنچ جائے گا تو اس نے کہا: میرا ایک محرم ہے میں نے آپ کو گواہ بنایا کہ میں نے اس کو اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کر دیا۔“

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میری والدہ وفات پا چکی ہیں۔ اگر میں صدقہ کر کے ان کو بخش دوں تو ثواب پہنچ جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں پہنچ جائے گا۔“

(صحیح ابن خزیمة ٤/١٢٤)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن عمرو بن شرحبیل بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کسی غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے گئے، ادھر ان کی والدہ مرنے لگی، لوگوں نے کہا، کچھ وصیت کیجئے، کہنے لگی، کس چیز کی وصیت کروں مال سعد کا ہے۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے واپس آنے سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ جب سعد رضی اللہ عنہ غزوہ سے واپس آئے تو انہیں بتایا گیا تو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو ان کو ثواب پہنچ جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں پہنچ جائے گا“ تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، فلاں فلاں باغ کو میں نے ان کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ میرے والد کا

انتقال ہوگیا۔ ان کی ملکیت میں کچھ مال تھا انہوں نے وصیت تو نہیں کی، اگر میں اس میں سے ان کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب پہنچ جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں پہنچ جائے گا۔ (صحیح ابن خزیمة ٤/١٢٣)

کنواں کھود کر یا سبیل لگا کر پانی صدقہ کرنا افضل ترین صدقوں میں شمار ہوتا ہے۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میری والدہ وفات پاگئی ہیں۔ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں، کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانی صدقہ کرنا، تو میں نے کنواں کھود کر صدقہ کردیا اور کہا: اس کا ثواب ام سعد کو پہنچے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا۔

((من حفر ماء لم يشرب منه كبد حرّى من جن ولا انس ولا طائر الا آجره الله يوم القيامة ومن بنى مسجدا كمفحص قطاة او اصغر بنى الله لهٗ بيتًا فى الجنّة .))

''جس نے کنواں کھودا جس سے کسی جن، انسان یا پرندہ کا جگر و کلیجہ تر ہوا تو اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا اجر عطا فرمائے گا اور جس نے مسجد بنائی اگرچہ وہ پرندے کے گھونسلے کی مانند یا اس سے بھی چھوٹی کیوں نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر بنائے گا۔'' (ابن ماجه)

پانچواں اصول:

والدین کی طرف سے حج کرنا

روایت میں آتا ہے، ابورزین نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا والد کافی بوڑھا ہے حج کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، نہ ہی عمرہ کرنے کی قوت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حج عن ابيك واعتمر'' (مستدرك حاكم ١/٤٨١) ''اپنے والد کی طرف سے حج کرو اور

عمرہ ادا کر۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا۔ یارسول اللہ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ مگر وہ حجِ فرض ادا نہیں کرسکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم مجھے یہ بتاؤ، اگر تمہارے والد پر کسی کا قرض واجب ہوتا تو تم اس کو ادا کرتے؟ اس نے کہا، جی ہاں، اس کو ادا کرتا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پھر اس کے ذمے قرض ہے اس کو ادا کرو۔ (بزار، طبرانی، المجمع للهیثمی ۳/۲۸۲)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: قبیلہ جہینہ کے ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا، یارسول اللہ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ کسی وجہ سے حج نہیں کرسکا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((حج عن أبيك .)) (صحیح ابن خزیمه ٤/٣٤٣)

”اپنے والد کی طرف سے حج کرو۔“

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اذا حج الرجل عن والديه تقبل الله منه ومنهما، واستبشرت ارواحهما فى السماء وكتب عند الله بارًا .)) (دار قطنی ٢/٢٦١)

”آدمی جب اپنے والدین کی طرف سے حج کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اور اس کے والدین کی طرف سے قبول فرماتا ہے اور اس کے والدین کی ارواح کو خوشخبری سنائی جاتی ہے اور وہ فرماں بردار و مطیع لکھا جاتا ہے۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من حج عن ابيه وامه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج .)) (دار قطنی ٢/٢٦٠)

”جس نے اپنے والد اور والدہ کی طرف سے حج ادا کیا تو اس نے اس کی طرف سے حج ادا کر دیا اور اس کو دس حجوں کا ثواب ملے گا۔“

چھٹا اصول:

مرحوم والدین کی خوشی کے لیے اعمالِ صالحہ میں جلدی کرنا

امام حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، آیت ﴿وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [التوبہ: ۱۰۵] کی تفسیر میں لکھتے ہیں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ عالم برزخ میں زندوں کے اعمال مُردے رشتہ داروں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ دلیل کے طور پر یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم فان کان خیراً استبشروا بہ وإن کان غیر ذلك قالوا اللھم الھمھم ان یعملو بطاعتك.))

''تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں اور اقرباء کو پیش کیے جاتے ہیں۔ نیک اعمال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور برے اعمال کو دیکھ کر کہتے ہیں۔ اے اللہ! انہیں نیک کام کرنے کی توفیق دے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم من الاموات فان کان خیرا استبشروا بہ وان کان غیر ذلك قالوا اللھم لاتمتھم حی تھدیھم کما ھدیتنا.)) (مسند احمد)

''تمہارے اعمال تمہارے مردے رشتہ داروں کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اگر اعمال اچھے ہوں تو خوش ہوتے ہیں اور اگر اچھے نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ! انہیں ہدایت دیئے بغیر موت نہ دیجیے۔''

حضرت ابن مبارک نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: تمہارے اعمال تمہارے اقرباء کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اچھے اعمال کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور

برے اعمال کو دیکھ کر دل گرفتہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ میں ایسا عمل کرنے سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے میرے ماموں عبد اللہ بن رواحہ کے سامنے شرمندہ کرے۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

''اعمال پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن حضرات انبیاء اور والدین کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ ان کی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔ لہٰذا تم تقویٰ اختیار کرو، گناہ کر کے اپنے مردوں کو تکلیف مت پہنچاؤ۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

((ان مما یلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علما علمه ونشره، او ولدا صالحا ترکه او مسجدا بناه او بیتا لابن السبل بناه او نهرًا کراه، او صدقة اخرجها من ماله فی صحته وحیاته تلحقه من بعد موته.)) (صحیح ابن خزیمه: ١٢١/٤)

''مومن کے مرنے کے بعد جن اعمال کا اسے ثواب ملے گا یہ ہیں۔ علم حاصل کر کے اس کو آگے پھیلا دیا یا صالح اولاد چھوڑ کر مرا، یا مسجد بنائی، یا مسافروں کے لیے مسافر خانہ بنوایا یا نہر بنوائی یا اپنی صحت میں مال میں سے صدقہ دے دیا تو سب کا ثواب مرنے کے بعد اس کو ملتا رہے گا۔''

اس سے قبل بھی ایک حدیث گزری ہے جس میں آپ کا یہ ارشاد مذکور ہوا ہے۔

((اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاث صدقه جاریة او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له.)) (مسند احمد ٣٧٢/٢، مسلم)

ساتواں اصول:

والدین کی قبروں کی زیارت کرنا

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی خود بھی روئے اور اپنے پاس والوں کو بھی رلا دیا اور فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی درخواست کی، تو اللہ تعالیٰ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی اور ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت طلب کی تو اجازت دے دی۔ تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ (ترمذی)

آٹھواں اصول:

والدین کی قسموں کو پورا کرنا اور انہیں گالی نہ دینا:

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے اپنے والدین کی قسم کو پورا کیا اور ان پر قرض کو اداء کیا اور ان کی برائی کا سبب نہیں بنا تو وہ اللہ کے ہاں مطیع فرمان بردار لکھا جائے گا اگرچہ وہ دنیا میں نافرمان ہو اور جس نے والدین کی قسم کی تکمیل نہیں کی اور نہ کسی قرض کو ادا کیا اور ان کے لیے برائی کا باعث بنا تو وہ نافرمان لکھا جائے گا اگرچہ وہ زندگی میں فرمان بردار ہو۔'' (المجمع ۱٤۷/۸)

نواں اصول:

والدین کی طرف سے روزہ رکھنا

عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ میری والدہ وفات پا گئی ہیں۔ان کے ذمے روزے ہیں۔حضور ﷺ نے ارشادفرمایا:"صومی عنها" ان کی طرف سے روزے رکھو، اس نے عرض کیا۔ اس پر حج بھی فرض تھا۔ جو ادا نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا"فحجّی عنها""اس کی طرف سے حج کرو"اس نے عرض کیا۔ میں نے اس کی طرف سے ایک باندی آزاد کردی ہے۔فرمایا:"قد آجرك الله" "اللہ تعالیٰ اس کا تمہیں اجر دے گا" (مستدرك الحاكم ٤/٣٤٧)

❁❁❁❁

فصلِ خامس:

بچوں کی تادیب و تربیت کا اسلوب

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((مـا اعـطـی اهـل بيـت الـرفـق الا نفعهم ولا منعوه الا ضرهم .))

''جس گھرانے کو نرمی عطا کی گئی ہو وہ گھرانہ اس سے نفع مند ہوتا ہے اور جسے نرمی کی صفت عطا نہ کی گئی ہو وہ نقصان سے دو چار ہوتا ہے۔''

- ...... تمہید: بچوں کی تادیب وتربیت کے چند بنیادی اصول:
- ...... پہلا اصول: ادب سکھانا تربیت کا لازمی جزو ہے
- ...... دوسرا اصول: غلطی کی اصلاح پہلے فکری طور پر پھر عملی طور پر کی جائے
- ...... تیسرا اصول: تادیب میں تدریجی طریقہ اختیار کرنا
- ...... تادیب کی چند صورتیں:

  ۱ ...... چابک دکھا کر ڈرانا

  ۲ ...... گوشمالی کرنا

  ۳ ...... مارنا اور اس کے ضابطے

- ...... مارنے کی ابتداء دس سال کے بعد
- ...... تین مرتبہ مارنا آخری حد ہے
- ...... کس چیز سے مارا جائے اور اس کی شرائط

تمہید

باب سابق میں نبوی طرز تربیت کا بیان تھا۔ چاہے فکری تربیت ہو یا جسمانی ونفسیاتی تربیت۔ اس باب کے تحت تادیبی عمل کے متعلق گفتگو ہے۔ نرمی کے باوجود اپنی حرکات سے باز نہ آئے، تو آخری حربہ تادیبی کاروائی ہونا چاہیے۔ تاکہ اسے احساس ہو کہ معاملہ سنجیدگی کا ہے جب تادیبی کاروائی کی تکلیف ہوگی تو والدین کے لطف ومہربانی ورحم وشفقت کی قدر ہوگی، اور وہ فرمانبرداری اور حسن اخلاق کی اہمیت کو جان لے گا۔ تادیب کی فضیلت حدیث نبوی میں اس طرح آئی ہے، ارشاد ہے:

((لأن يؤدب الأب ابنه خير له من ان يتصدق بصاع .)) (ترمذی)

''بچہ کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔''

اصلاح وتادیب پر گفتگو کرنے سے پہلے اس کا فقہی معنی جان لیا جائے، تادیب کے معنی بیان کرتے ہوئے امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بدائع الصنائع'' میں لکھا ہے۔

''بے شک بچے کو ادب سکھانے کے لیے تنبیہ کی جاتی ہے سزا دینے کے لیے نہیں۔''

کیوں کہ بچہ ادب سیکھنے کا محتاج ہے، سزا کا اہل نہیں ہے۔

دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سلسلے میں کیا ارشاد ہے، فرماتے ہیں۔

((مروا صبيانكم بالصلوة اذا بلغوا سبعا، واضربوهم عليها اذا بلغوا عشرا .))

''اولاد جب سات سال کی ہو جائے تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب دس کی ہو جائے (اور نماز نہ پڑھیں) تو ان کو (مارو)'' یعنی تادیبی کاروائی کرو یہ مارنا تادیب کے طرز پر ہو۔

تہذیب سکھانے کے لیے ہو، سزا اور عقوبت سے نہ ہو، کیوں کہ مارنا بطور سزا کے ہوتو اس کا اثر صحیح نہیں ہوگا اور یہ جنایت کا تقاضا کرتا ہے اور بچے کی غلطی جنایت نہیں ہے، اور سزا جنایت پر ہوتی ہے۔

پہلا اصول:

ادب سکھانا تربیت کا لازمی جزو ہے

ادب کے لیے مارنا، ڈانٹنا انتقام کے طور پر نہ ہو۔ بلکہ اس کا اصل مقصد اور بنیادی ہدف تربیت ہو اور یہ تربیت کا حصہ ہو۔ اپنا غصہ فرو کرنے کی غرض سے نہ ہو۔

حضرت ابن الجزار القیروانی رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن سے تادیب کی ضرورت پر زور دے کر لکھا ہے: بچپن میں بات کو قبول کرنے اور جلد اثر لینے اور ہر بات کو ماننے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ اگر کسی کو اس بات پر اعتراض ہو کہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ بچوں کی طبیعتیں خصلتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ بلکہ بعض بچوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ادب کو جلدی قبول کرتے ہیں اور بعض بالکل قبول ہی نہیں کرتے، اس طرح بعض بچوں میں شرم وحیا زیادہ ہوتا ہے اور بعض بالکل نہیں شرماتے، اس طرح بعض تعلیم پر بھرپور توجہ دیتے ہیں اور بعض بالکل بے توجہی اور بدمختی کا شکار ہوتے ہیں۔ بعض تعریف اور حوصلہ افزائی سے خوب پڑھتے ہیں اور بہت کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ بعض کی عادت یہ ہوتی ہے جب ان کو مارا یا ڈانٹا نہ جائے تو محال ہے کہ کچھ پڑھ لیں۔ بس صرف خوف کی وجہ سے کچھ پڑھ لیتے ہیں۔

اس طرح کچھ بچوں کو ہم نے دیکھا جو جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ بولنے کو پسند کرتے ہیں اور بعض کو دیکھا جو جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ اس طرح طبعی لحاظ سے بچوں میں بڑا اختلاف ہے تو آپ کیسے کہہ سکتے ہیں تادیب سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا؟ کیا مارنے یا ڈانٹنے سے خصلت و جبلت بدل جائے گی۔ مذموم طبیعت، محمود طبیعت بھی بدل جائے گی؟ تو اس قائل سے ہم یہ کہیں گے کہ آپ نے بچوں کے طبائع اور ان میں

اختلاف کا ذکر کیا اور کہا، کیا تادیب سے طبیعت مذمومہ طبیعت محمودہ بن جائے گی؟ ہاں ایسا ہی ہوگا۔ جس کی طبیعت میں کجی تھی، بچپن میں اس کو درست کرنے کی کوشش نہ کی گئی، اس سے غفلت برتی گئی، اور اس کو اپنی طبیعت مذمومہ کے مطابق چلنے دیا گیا تو یہ عادت پختہ ہوگی اگر شروع میں تادیب سے کام لیا جاتا اور طبیعت مذمومہ کے تقاضے کے مطابق چلنے نہ دیا جاتا تو غالب گمان ہے کہ وہ سیدھا مہذب اور مؤدب ہوتا۔ عادات طبیعت میں پختہ ہونے کے بعد ان کو چھڑانا اور درست کرنا انتہائی مشکل ہے۔ بچپن میں پختہ ہوئی عادت کو چھوڑنا بچے کے لیے قریب ناممکنات میں سے ہے، کسی فلاسفر کا قول ہے ”بدعادت لوگوں کی اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بچپن سے بدعادات کے عادی ہیں۔ بچپن میں بری عادات واخلاق سے کسی نے ان کو نہیں روکا اور نہ ہی تادیب وتہذیب، اخلاق کی درستگی کی گئی۔“

اس وجہ سے ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ شروع سے ہی یعنی ابتداء پیدائش سے تربیت وتہذیب کی تعلیم کی طرف بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ چونکہ صغرسنی میں ذہن کچا ہوتا ہے۔ ہر تعلیم وتربیت کو قبول کرتا ہے، افعال حمیدہ اور اخلاق حسنہ اور مہذب طرز زندگی گزارنے کی عادات کو جلد قبول بھی کر لیتا ہے اور اپناتا بھی ہے۔ جس نے بھی اپنی اولاد کو بچپن سے ادب، اخلاق حمیدہ سے آراستہ کیا اس نے اپنے بچے سے محبت، عزت و ادب اور احترام پایا ہے اور سعادت اور نیک بختی کی دولت سے سرفراز ہوا اور جس نے اولاد کی تربیت اور تادیب و تہذیب سے غفلت برتی اور ان کی طرف توجہ نہ دی اس کو بعد میں سخت نقصان اٹھانا پڑا، پچھتاوے کے سوا انہیں کچھ نہیں ملا۔ شاید اس وقت انہیں احساس ہو کہ ان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے کہ وہ بچوں کی تربیت اور کردار سازی سے غافل رہا۔

بری عادات کے عادی لوگ بڑے ہو کر لوگوں سے شرما شرمی ظاہر میں اپنے اوپر جبر کر کے برے کام نہ بھی کریں۔ مگر باطن میں ان عادات کو اپنائیں گے، اور کرنے پر مجبور ہوں گے، کیوں کہ یہ انسان کی فطرت میں ہے کہ اپنی عادت کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل

ہوتا ہے اور اس کو اپنانے کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ عادات اچھی ہوں یا بری۔ انسان طبعی طور پر اس کو کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور عادت طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ بعض حکماء باقاعدہ اس بات پر مصر ہیں کہ عادت طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا بچوں کو اچھی عادات کے عادی بنانے کی مقدور بھر کوشش کرنی چاہیئے۔ اخلاق و کردار کے اعلیٰ پیکر بنانے کا زمانہ بچپن کا زمانہ ہے۔ طبیعت میں اگر کجی بھی ہو تو وہ درست ہو جاتی ہے اور کجی دور ہو جاتی ہے اور اگر اس موقع پر ان پر توجہ نہ دی جائے، اور یہ کجی اور ٹیڑھا پن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید پختہ ہوتا چلا جائے گا۔ بعد میں اس کو درست کرنا، راہِ راست پر لانا انتہائی دشوار تر ہوتا چلا جائے گا۔ بعد میں پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیوں کہ طبیعت میں پہلے سے کجی تھی۔ بچپن میں اس پر توجہ نہ دی گئی تو وہ مزید قوت پکڑے گی۔ بعد میں پریشانی کا سبب بنے گا اور اگر صغر سنی میں اس کو درست کرنے کی کوشش کی جائے تو کم از کم یہ تو ضرور ہوگا کہ بری عادات کا خوگر نہ ہوگا۔

ہاں اگر بچہ طبعاً صحیح المزاج اور سلیم الطبع ہو تو اس کی تادیب اس کے اندر مزید بہتری پیدا کرے گی۔ اخلاق و کردار میں مزید اچھائی آ جائے گی اور اس کو ادب سکھانا انتہائی آسان ہوگا، کیوں کہ اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی کرنے سے مزید اچھائی کا شوق بڑھے گا اور ترش اور سخت الفاظ کے ڈر سے وہ غلطی اور خطا سے باز رہے گا اور اگر بچہ میں حیا کی کمی ہو، الفت و محبت کی قدر نہ کرتا ہو، جھوٹ اور غلط بیانی کو پسند کرتا ہو، تو ایسے بچوں کی تادیب میں اور تہذیب میں مشکلات پیش آتی ہیں تو غلطی پر ایسے بچوں کو خوف دلانا ضروری ہوتا ہے اور لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست، اندازِ گفتگو، اٹھنے، بیٹھنے اور کھانے پینے غرض ہر طرح مہذب طرز زندگی گزارنے کی عادت ڈالنا ترغیب، ترہیب اور تادیب کے ذریعے ضروری ہے۔

دوسرا اصول:

غلطی کی اصلاح پہلے فکری طور پر پھر عملی طور پر کی جائے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بچے کے اندر سے خطا و غلطی کو بالکل ختم کرنا ایک بہت بڑی کامیابی ہے، عملی تربیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔

بچہ سے سرزد ہونے والی خطا پر جب ہم غور کریں گے، تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس غلطی و خطا کی اصل وجہ اور بنیاد تین چیزیں ہیں یا تو اس کا سبب فکر و دانش کی کمی ہوگی، یعنی بچہ ناسمجھی اور بے فکری کی وجہ سے غلطی کرے گا یا اس کا سبب عملی ہوگا۔ یعنی بچہ کام کو کرنے کی طاقت نہ رکھ سکنے کی وجہ سے غلطی کر جاتا ہے یا غلطی جان بوجھ کر کرے گا۔ اب مربی پر لازم ہے کہ غلطی کے اصل سبب پر غور کر کے اس کی وجہ کو معلوم کرلے، اور اس کو درست کرنے کی کوشش کرے، اس طرح اصلاح اور تربیت آسان تر ہو جاتی ہے، بچے سے اکثر غلطی لاعلمی اور کم فہمی کی وجہ سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس مرحلہ پر اس کی بے فکری اور کم فہمی کو احسن طریقے سے دور کرنے اور اس کی کج فہمی کو درست کرنا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ ایسے مواقع پر بچے کی فکری غلطی کو درست کرنے کے لیے انتہائی نرمی اور حکمت کے ساتھ کام لیتے محبت کے ساتھ سمجھاتے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرحمٰن بن ابی عقبہ رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے والد سے (جو اہل فارس کے غلام تھے) روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کے ساتھ میں غزوۂ احد میں شریک تھا، میں نے ایک مشرک پر وار کر کے کہا: یہ لیجیے، میں ایک ایرانی لڑکا ہوں، حضور ﷺ نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم نے یہ کیوں نہیں کہا: ''میں انصاری لڑکا ہوں؟'' کسی قوم کا بھتیجا انہی میں شمار کیا جاتا ہے۔''

دیکھیے: عین گھمسان کی لڑائی میں بھی کس طرح بہترین طریقے سے تربیت فرمائی اور کتنے نرم الفاظ استعمال فرمائے، فرمایا: ''ھلّا قلت انا الغلام الانصاری؟ وابن اخت القوم

منهم . "دیکھئے! کتنے محبت بھرے الفاظ ہیں۔

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور منہ میں ڈال دی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كخ كخ ارم بها أما علمت أنا لا نأكل الصدقة .))

''اسے پھینک دے، تمہیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ لفظ کــخ کــخ ، بچوں کو گندگی سے بچانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

غور کیجئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کس لطیف اور پیارے انداز سے غلطی کی اصلاح فرمائی۔ پہلے کــخ ، کــخ کہہ کر منع کیا۔ پھر فوراً نہ کھانے کی وجہ اور علت بیان فرمائی۔ تا کہ پوری زندگی ان کے لیے ایک اہم رہنما اصول اور قاعدہ کلیہ بن جائے، دیکھئے کیسا پیار اور دل نشیں انداز اختیار فرمایا۔ لاعلمی کی وجہ سے سرزد ہونے والی غلطی کی اصلاح فرمائی، اور اس کی علت بھی بیان کی۔ بچے کی فکری غلطی کی اصلاح کے سلسلے میں تیسری حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرات شیخین رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی سفر میں ایک کالے رنگ کا لڑکا جس کا نام انجشہ تھا، وہ اونٹ کو چلانے کے لیے حدی خوانی (اونٹ کو چلانے اور تھکاوٹ کا احساس نہ دلانے کے لیے شعر پڑھنا) کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''يا أنجشه! رويدك سوقك بالقوارير . "

ایک مرتبہ فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

((مه يا غلام فان هذا يوم من حفظ فيه بصره غفر له .))

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ترمذی شریف میں موجود ہے وہ فرماتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہمارے ہاں رہنے والے ایک لڑکے جس کا نام افلح تھا، سے فرمایا وہ سجدہ کرتے وقت سجدہ کی جگہ کو پھونک کر صاف کرتا تھا: یــا افــلح ترّب وجهك" افلح

اپنے چہرہ کو خاک آلود کرو۔"

اس طرح کا ایک واقعہ بھی حدیث شریف میں آیا ہے، ابورافع بن عمرو کے چچا کہتے ہیں کہ: میں بچہ تھا انصار کے باغ میں جا کر پتھر مار کر کھجوریں گرایا کرتا تھا۔ حضور ﷺ کو بتایا گیا: کہ یہاں ایک لڑکا ہے جو کھجوروں کو پتھر مار کر گراتا ہے، مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "یا غلام لم ترم النخل؟ بچے! تم کھجوروں کو کیوں پتھر مارتے ہو؟ میں نے عرض کیا: کھانے کے لیے مارتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: پتھر مت مارا کرو، اور نیچے گری ہوئی میں سے کھایا کرو اور میرے سر پہ دست مبارک پھیر کر فرمایا: "اللھم اشبع بطنه" اے اللہ اس کا شکم سیر فرما دے۔ یہ روایت، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔

دیکھیے! حضور اقدس ﷺ نے کس پیارے انداز سے سمجھایا اور کھانے کے شرعی طریقہ کی طرف رہنمائی فرمائی، کہ بجائے پتھر مارنے کے گری ہوئی میں سے کھایا جائے، باغ کے مالک کی اجازت کے بغیر گرا کر کھانا جائز نہیں ہے۔ پھر اس کے سر پر دست شفقت پھیر کر شفقت کا اظہار فرمایا۔ پھر اس کے لیے دُعا فرمائی، یہ مشکوٰۃِ نبوت سے صادر ہونے والا عظیم طرز تعلیم ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت:

بخاری و مسلم نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ان کی بیٹی بھی ان کے پاس اس وقت موجود تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک مرتبہ ایک عورت نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو میری ضرورت ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے کہا: اس عورت میں کس قدر حیا کی کمی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیٹی کو مخاطب کر کے فرمایا: وہ تجھ سے اچھی تھی، رسول اللہ ﷺ کی طرف راغب ہوئی، اور اپنے آپ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس طرح سنان بن سلمہ نے بیان کیا ہے، میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ

میں بچوں کے درمیان تھا۔ بلح (کھجور) اٹھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ ہماری طرف تشریف لانے لگے، میرے ساتھ والے بچے انہیں دیکھ کر بھاگ گئے، میں اسی جگہ پر کھڑا رہا، میرے پاس تشریف لائے، میں نے عرض کیا ان کو ہوا نے گرایا ہے۔ فرمایا: دکھاؤ، میں دیکھ لیتا ہوں۔ جب میں نے انہیں دکھایا تو فرمایا چلے جاؤ، تو میں نے عرض کیا۔ آپ تھوڑی دیر میرے ساتھ چلتے رہیے گا۔ کیوں کہ آپ جب نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے تو یہ لڑکے ان کو مجھ سے چھین لیں گے، تو حضرت عمر میرے کہنے پر میرے ٹھکانے تک میرے ساتھ تشریف لائے۔ (کتاب العیال لابن ابی الدنیا ۱/۴۱۸)

غور کیجئے! وقت کے امیر المؤمنین بچوں کی تربیت کس طرح فرما رہے ہیں۔ انتہائی نرم لہجے میں اس سے جواب طلبی فرما رہے ہیں اور حقیقت حال جاننے کی کوشش فرما رہے ہیں۔ اس طرح بچے کی دین فہمی پر غور کیجئے اور داد دیجئے کہ والدین کس طرح اپنے بچوں کو دینی مسائل کی تعلیم دیتے تھے کہ بچہ کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ درخت سے خود گرے ہوئے پھل کو کھانا جائز ہے، حضرت امیر المؤمنین کی شفقت اور بچے کی جرأت پر نظر کیجئے کہ وہ خلیفۃ المسلمین کو کہہ رہے ہیں میرے ساتھ میرے گھر چلئے تاکہ میں بحفاظت گھر پہنچ جاؤں۔

اسی طرح صحیحین میں ابن عمر کا واقعہ موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ایک مرتبہ ان کا گزر کچھ لڑکوں کے پاس سے ہوا۔ وہ ایک پرندے کو باندھ کر اسے نشانہ بنا رہے تھے اور پرندے کا مالک ہر خطا جانے والے تیر کے عوض کچھ متعین چیز لے رہا تھا۔ حضرت ابن عمر کو آتے دیکھ کر سب منتشر ہو گئے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ کس نے اس طرح کیا ہے؟ جس نے ایسا کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جاندار چیز کو (باندھ کر) نشانہ بنانے والے پر لعنت فرمائی۔

امام ترمذی نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میرے والد نے مجھے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا: بیٹے! یہ عمل بدعت ہے، بدعت سے اپنے آپ کو بچاؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بدعت سے سخت نفرت

کیا کرتے تھے، میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، اور ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہے، میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ (جہراً) پڑھتے ہوئے نہیں سنا، لہٰذا جب پڑھو تو بسم اللہ نہ پڑھو، بلکہ الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرو۔ دیکھئے! منع کرنے کے ساتھ اس کی علت اور وجہ بھی بتلادی۔ یہی تعلیم نبوی ہے جو آپ نے سابق میں ملاحظہ فرمالیا۔ یہ طریقہ، بچے کی فکری اور غلط فہمی کی درستگی میں زبردست مؤثر ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچے کو کوئی کام سرانجام دینے کے لیے کہا جاتا ہے، مگر پہلے سے وہ کام کیا ہوا نہیں ہوتا، نہ کسی کو کرتے ہوئے دیکھا ہوتا ہے اس وجہ سے وہ اس کام کے متعلق مکمل علم نہیں رکھتا ہوتا پھر اس میں غلطی کر جاتا ہے۔ غلطی پر اس کو ڈانٹ دیا جاتا ہے یا سزا دی جاتی ہے، تو اس غلطی پر سزا دینا ظلم ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

بلکہ تعلیم نبوی یہ ہے پہلے کام عملی طور پر کر کے اسے دکھایا جائے، پھر کرنے کو کہا جائے، آپ ﷺ کا یہی طریقہ تربیت تھا۔ یہ تربیت کرنے والوں اور والدین کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ دیکھئے! آپ ﷺ نے کس طرح عملی تربیت فرمائی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ایک لڑکے کے پاس سے گزرے جو بکری کی کھال اتار رہا تھا۔ مگر وہ صحیح طریقے سے نہیں اتار رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ہٹ جاؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ بکری کی کھال کس طرح اتاری جاتی ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک کھال اور گوشت کے درمیان داخل کیا اور کھال اتارتے رہے، حتیٰ کہ بغلوں تک پہنچ گئی، پھر آپ ﷺ یہاں سے تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی، وضو کی تجدید نہیں فرمائی۔ دیکھئے! آپ ﷺ نے عملی طور پر کر کے دکھادیا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تربیت کے اس نہج کو اپنا کر اپنی اولاد اور ماتحتوں کی تربیت فرمائی۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا کہ انہوں نے اپنے قبیلے والوں سے فرمایا: اے قبیلہ اشعر کے لوگو! اپنے بچوں اور عورتوں کو جمع کرو، میں

تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھاتا ہوں۔ چنانچہ قبیلے والے جمع ہو گئے تو انہوں نے وضو کیا اور بتایا کہ حضور اقدس ﷺ کس طرح وضو فرماتے تھے، پھر آگے ہوئے، پہلے مردوں کی صف کو درست کیا، پھر اس کے پیچھے بچوں کی صف بنائی۔ اس کے پیچھے عورتوں کی، اس طرح عملی طور پر کر کے دکھانے سے اس کی صورت بچے کے ذہن میں نقش ہو جاتی ہے، خصوصاً حسّی چیز جیسے نماز، حج، عمرہ اور روزہ وغیرہ۔

تیسرا اصول:

تادیب میں تدریجی طریقہ اختیار کرنا

اگر بار بار اصلاح کرنے کے باوجود بھی بچہ غلطی کے ارتکاب سے باز نہ آئے تو پھر تادیبی کاروائی ضروری ہے مگر تدریجی انداز سے ہو، فوراً مارا نہ جائے۔

تادیب کی چند صورتیں:

[1]...... چابک دکھا کر ڈرانا:

پہلے مرحلہ میں صرف ڈرانے اور خوف دلانے سے کام لیا جائے اس کی صورت یہ ہو کہ چابک یا ڈنڈا دکھا کر ڈرایا جائے، یا اور کوئی آلہ سزا دکھا کر متنبہ کیا جائے تو محض چابک یا عصا دیکھ کر بھی درستگی اور اصلاح کی طرف آئے گا اور اخلاق کو درست کرنے کی کوشش کرے گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

”حضور اقدس ﷺ نے گھر میں چابک لٹکانے کا حکم فرمایا ہے۔“

طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((علقوا السوط حيث يراه أهل البيت فانه أدب لهم .))

”(گھر میں) کوڑا ایسی جگہ پر لٹکایا کرو جہاں گھر والوں کی ہر وقت نظر پڑے، یہ ان کی تادیب ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی، جس کو امام ”احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کیا ہے۔ ارشاد ہے:

لا ترفع عنهم عصاك ادبا . "

''تادیب کے لیے ان پر سے اپنے عصا کو ہٹانا نہیں۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوعاً مروی ہے:

((علقوا السوط حيث يراه اهل البيت .))

ان احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو گھر میں عصا یا چابک کا ہونا ضروری ہے، تاکہ بچے اسے دیکھ کر غلطی وخطا کاری کے ارتکاب سے باز آئیں۔

۲ ...... گوشمالی کرنا:

سب سے پہلی سزا ان کا کان ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا جائے، یہ بدنی سزا کا پہلا مرحلہ ہونا چاہیے، تاکہ اس تکلیف کا احساس کر کے آئندہ خطا کاری سے باز آجائے۔

ابن سنی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میری والدہ نے مجھے انگور دے کر خدمت نبوی میں بھیجا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے اس میں سے کچھ کھالیا جب وہاں پہنچا تو آپ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا: یا غدر!

۳ ...... مارنا اور اس کے ضابطے:

جب عصا اور چابک یا کوڑا دیکھ کر بھی شرارتوں سے باز نہ آئے اور نہ ہی کان کھینچنے سے کوئی خاص فرق پڑے بلکہ اپنی ضد اور غلطی پر اصرار کرتا رہے تو اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کو توڑنے کے لیے مارنا چاہیے مگر دیکھنا بھی ہے۔ کہ مارنے کے کوئی اصول وضوابط ہیں یا والدین یا دوسرے مربی حضرات کا جس طرح جی چاہے سزا دیں؟ اصل میں مارنے کے بھی چند اصول اور قواعد ہیں۔

مارنے کی ابتداء دس سال کے بعد:

حدیث شریف میں آپ کا ارشاد مبارک ہے:

((مروا اولادکم بالصلوة وهم ابناء سبع ، واضربوهم عليها وهم ابناء عشر .))

''اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور دس سال کی عمر کو پہنچ کر نماز ترک کریں تو مارو۔''

مار کی ابتداء دس سال کے بعد ہوتی ہے اور وہ بھی ایک عظیم دینی ستون اور بنیاد کو ترک کرنے پر ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سب سے پہلا سوال ہوگا۔

دیکھئے! اس عظیم دینی بنیاد کو دس سال سے کم عمر میں ترک کرنے پر مارنے کا حکم نہیں ہے تو دوسرے دنیاوی امور میں، کوتاہی کی صورت میں بطریقِ اولیٰ نہیں مارا جائے گا۔ جو کسی بھی اہمیت کے لحاظ سے نماز کے برابر نہیں۔

دس سال سے قبل تو ہر طرح کے تحمل، صبر، بردباری سے کام لیا جائے۔ یہی تعلیم نبوی ہے۔

الاثرم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ معلم کے لیے بچوں کو سزا دینے کی کیا صورت ہے؟ فرمانے لگے: کم فہم بچوں کو نہ مارا جائے اور سزا بقدر خطا ہونی چاہیے۔

والدین اور تربیت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ بچے کی غلطی کے اصل سبب پر غور کریں، اور سزا دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیں، بعض دفعہ زیادہ مارنے کی وجہ سے اعضاء میں نقص واقع ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ بعض دفعہ بچے کے لیے ذہنی کوفت کا باعث بن جاتا ہے۔ مار اگر انتہائی ضروری ہو جائے تو ہلکے پھلکے انداز سے ہو۔ انتقام لینے کے لیے یا اپنا غصہ فرو کرنے کے لیے نہ ہو، یہ بات ذہن نشین رکھیں، مار پیٹ کی کثرت ذہنی اور فکری نشوونما کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے اور ذہنی پسماندگی کا شکار ہونے کے ساتھ بچہ پست ہمت بھی ہو جاتا ہے۔

دارقطنی کی اس روایت پر غور کریں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مروهم بالصلوة سبع سنين واضربوهم عليها لثلاث عشر .))

''سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور تیرہ سال کی عمر میں اس پر مارو۔''

دیکھئے! نہ مارنے کا زمانہ تیرہ سال کی عمر تک ممتد ہو سکتا ہے۔

تین مرتبہ مارنا آخری حد ہے:

عام تادیب کے لیے مارنا تین بار سے زیادہ نہ ہو، اور مار کی حد زیادہ سے زیادہ دس ہے۔ کیوں کہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا یجلد فوق عشر جلدات الا فی حد من حدود اللہ .))

''دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارا جائے، الا یہ کہ کوئی شرعی حد ہو تو اور بات ہے۔''

اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں بھی روایت ہے جس میں فرمایا گیا کہ:

((لا عقوبة فوق عشرة أسواط ، الا ان یکون فی حد من حدود اللہ .))

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ''التعزیر والادب'' کے عنوان سے معنون کیا ہے۔ شارح بخاری علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ترجمۃ الباب میں، الادب سے مراد تادیب ہے، کیوں کہ اس کا عطف تعزیر پر ہے۔ اور تعزیر معصیت و نافرمانی پر ہوتی ہے اور یہ تادیب عام ہے۔ باپ کی طرف سے تادیب ہو یا استاذ کی طرف سے۔ (فتح الباری ۱۵/۱۹۱)

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق قرآن کی غلطی پر صرف تین بار مارنا جائز ہے بچے کو اس سے زیادہ مارنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے عمال کو خط لکھ کر فرماتے، اساتذہ کو حکم دیا جائے کہ وہ بچوں کو تین بار سے زیادہ نہ ماریں۔

امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، اگر استاد، شاگرد کو تین بار سے زیادہ مارے تو اس کا بدلہ اس سے لیا جائے گا۔ (کتاب العیال ص ۱/۵۳۱)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: استاد کا شاگردوں کے درمیان برابری نہ کرنا ظلم ہے۔

اس ساری گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ تادیب کے لیے بچے کو زیادہ سے زیادہ تین بار مارنا

چاہیے، تین سے زیادہ مارنے کی صورت میں اس کا بدلہ لینا ضروری ہے۔

اس مقام میں بعض ایسے احمقوں کے فعل کے بارے میں کچھ تبصرہ کرتا چلوں، جو ہر وقت بچوں پر بے رحمی سے ڈنڈے برساتے رہتے ہیں۔ ان میں شفقت اور رحم نام کی کوئی چیز نہیں۔ فضیلۃ الشیخ محمد خضر حسین رحمۃ اللہ علیہ اپنا ایک عینی مشاہدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ مجھے جامعہ ازھر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مسجد میں حفظ قرآن کی درسگاہ کے قریب بیٹھنے کا موقع ملا، مگر وہاں کے بعض اساتذہ کے طرز تعلیم دیکھ کر مجھے سخت کوفت اور دلی صدمہ پہنچا، میں نے دیکھا کہ قاری صاحب کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے جو اس کے ہاتھ سے جدا ہی نہیں ہوتا۔ جدا کیا ہوتا، وہ تو مسلسل بچوں کے پہلوؤں اور پشتوں پر برستا رہتا ہے اور میں نے دیکھا کہ بعض بچے درد کو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے بھاگنے پر مجبور ہوگئے، اور کچھ بچوں کو دیکھا، جو ضرب کھا کر اچھل جاتے، اور استاذ صاحب ہیں کہ ان کے دل میں ذرہ بھی رحم نہیں آتا۔ میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے کہا۔ ان مقامات پر بیٹھنا خود پر ظلم کرنا ہے، اٹھئے، یہاں سے۔ اس منظر کو دیکھ کر خود میرے ساتھ پیش آنے والا ایک واقعہ یاد آیا۔ میں ''نزرت'' شہر کا جج تھا۔ وہاں کسی مقام پر بچوں کی تربیت کے موضوع پر میرا بیان ہوا۔ میں نے صاحب ''المدخل'' کے بیان کردہ مضمون کے مطابق بچوں کے ساتھ نرمی، اور شفقت کا ذکر کیا کہ بچوں پر زیادتی نہ کی جائے اگر مارنا انتہائی ناگزیر ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ تین ڈنڈے لگائے جائیں۔ اس سے تجاوز نہ کیا جائے، ان کے ساتھ انتہائی شفقت و مہربانی کا سلوک کیا جائے، اس طرح مختلف باتیں بیان کیں تو بعد میں کسی معلم کا خط بذریعہ ڈاک ملا۔ اس نے میرے بیان پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا تھا۔ آپ اس طرح باتیں طلبہ کے سامنے نہ کیا کریں۔ کیوں کہ وہ یہ باتیں سن کر ہم پر جری ہوں گے، ہمارا رعب ختم ہو جائے گا۔

(کتاب الصلات از شیخ محمد خضر حسین رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۱)

کس چیز سے مارا جائے اور اس کی شرائط:

آدابِ تربیت سے جاہل لوگ مار کر اپنے دل کو تشفی دیتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں،

تربیت اور اصلاح کی غرض سے نہیں مارتے، اس لیے آلہ ضرب کی شرائط بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ آلہ ضرب باریک لکڑی کا ہونا چاہیے جس سے صرف جلد پر اثر ہو، زیادہ درد کا باعث نہ ہو۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ حد زنا میں کوڑے کی نوعیت کو بیان کر کے کہتے ہیں۔ کوڑے کی کیفیت قرآن کریم کی آیت "فَاجْلِدُوْا" ہی سے مترشح ہے۔ جَلَدَ۔ جِلْد سے ماخوذ ہے اور جلد جسد انسانی کے اوپر کے حصے کو کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے تمام اصحاب معاجم اور علماء تفسیر اس بات پر متفق ہیں کہ کوڑے کی ضرب صرف ظاہری کھال پر اثر انداز ہو۔ آگے گوشت تک سرایت نہ کر جائے، لہٰذا ہر وہ ضرب جو گوشت کو قطع کرے، یا کھال کو اکھاڑ دے اور زخم کردے، تو یہ حکم قرآن کی خلاف ورزی شمار ہوگی۔

لہٰذا بچے کو سزا دینے کے لیے استعمال ہونے والا ڈنڈا یا کوڑا، نہ انتہائی سخت ہو کہ زخم کردے، اور نہ ہی انتہائی نرم ہو کہ جس سے درد ہی نہ ہو بلکہ درمیانہ ہو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "المؤطا" میں زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے زنا کا اعتراف کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑا منگایا تو ایک ٹوٹا ہوا کوڑا پیش کیا گیا۔ فرمایا: "اس سے بہتر لے آؤ۔" پھر ایک نیا کوڑا جس کا سرا ٹوٹا ہوا نہیں تھا پیش خدمت کیا گیا تو فرمایا: درمیانہ قسم کا کوڑا لے کر آؤ، تو ایک نرم سا کوڑا پیش کیا گیا۔ اس سے حد لگانے کا حکم دیا، تو حکم کی تعمیل کی گئی۔

(مصنف عبد الرزاق ٣٦٦/٧)

ابوعثمان النھدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک کوڑا لایا گیا تو فرمایا: اس سے نرم چاہتا ہوں پھر ایک چابک پیش کیا گیا تو فرمایا: اس سے تھوڑا سخت ہونا چاہیے، پھر ایک درمیانہ سا چابک لایا گیا تو فرمایا اب اس سے مارو۔
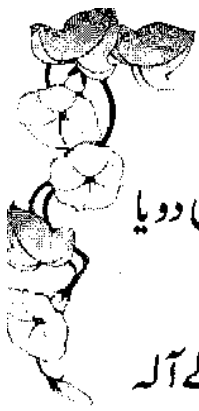
اسی طرح ایسا چابک بھی استعمال کرنا جائز نہیں جس میں گرہیں لگی ہوں، یا اس کی دو یا تین شاخیں ہوں۔

شیخ شمس الدین الانبانی رحمۃ اللہ علیہ نے بچوں کی تادیب کے لیے استعمال ہونے والے آلہ ضرب کی شرائط بیان کیں۔

① حجم میں معتدل ہو، جو عصا اور قضیب کے مابین ہو۔

② رطوبت میں معتدل، یعنی اتنا زیادہ نرم نہ ہو جس سے درد محسوس ہی نہ ہو اور نہ ہی اتنا سخت ہو کہ جس سے زخم پڑ جائے۔

③ مارنے اور تادیب کے لیے کوئی ایک چیز متعین نہ کرے، بلکہ کبھی عصا کا استعمال ہو تو کبھی چابک سے کام لے اور کبھی کپڑے کو لپیٹ کر اس سے تادیب کرے۔

(التربية في الاسلام ص ١٣٥)

دوسری شرط یہ ہے کہ ضرب نہ زیادہ شدید ہو نہ ہی انتہائی آہستہ ہو، بلکہ درمیانی ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوڑا مارنے والے سے فرماتے، ہاتھ اتنا اوپر اٹھاؤ کہ تیری بغل ظاہر نہ ہو۔ یعنی اپنی پوری قوت سے ضرب رسید مت کرو۔

اس بات پر تمام فقہاء کرام متفق ہیں کہ ضرب زخم کرنے والی یا سخت درد دینے والی نہ ہو۔

شیخ شمس الدین الانبانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "رياضة الصبيان" میں بچے کی تادیبی ضرب کی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

① ضرب بدن کے ایک ہی جگہ پر نہ ہو بلکہ متفرق جگہوں پر ہو۔

② ضربوں کے درمیان وقفہ ہو، پے در پے نہ ہو، تاکہ پہلی ضرب کا درد کچھ کم ہو۔

③ مارنے والا اپنے ہاتھ کو اتنا بلند نہ کرے کہ اس سے بغل ظاہر ہو اور اتنے زور سے نہ مارے جس سے مضروب کو سخت تکلیف ہو۔ (احكام القرآن للجصاص ٣/٣٢٢)

ملاحظہ کیجئے، ان ضوابط کی رعایت سے بچے کی اچھی تربیت پر کتنا اچھا اثر پڑتا ہے۔ بچہ کی تربیت میں روز افزوں ترقی ہوگی اور وہ کمال کی طرف بڑھے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مارنے کی جگہ ایک نہ ہو، یعنی بدن کے ایک حصہ پر مارا نہ جائے بلکہ چہرے اور شرمگاہ اور سر کے علاوہ بدن کے تمام حصوں پر مارنا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے نشہ میں مست ایک شخص کو پیش کیا گیا تو آپ نے حد لگانے کا حکم دیا۔ فرمایا: چہرے اور شرمگاہ کے علاوہ بدن کے دوسرے تمام حصوں پر ضرب رسید کرو۔ (احکام القرآن للحصاص ۳/۳۲۲)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اذا ضرب احدکم فلیتق الوجه .))

(احکام القرآن للحصاص ۳/۳۲۲)

''اگر تم میں سے کوئی مارے تو چہرے پر نہ مارے۔''

ابن سحنون رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "احوال المتعلمین" میں رقمطراز ہے:

استاد کو چاہیے کہ بچے کے سر، اور چہرے پر مارنے سے پرہیز کرے، کیوں کہ یہ نازک مقامات ہیں، سر پر مارنے سے دماغ میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، یا آنکھ پر لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ البتہ پیروں اور ٹانگوں پر مارنے کی گنجائش ہے اس میں خطرات کم ہوتے ہیں۔ (التربیة فی الاسلام ص ۲۷)

علی بن ابی جملہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، سلیمان بن سعد، خلیفہ عبد الملک بن مروان کے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کی تربیت کرتا تھا اور اس میں تادیب اور مار سے بھی کام لیتا تھا تو عبد الملک نے سلیمان سے کہا: سلیمان! میرے بچوں کے چہروں پر مت مارو۔

(کتاب العیال لابن ابی الدنیا ص ۱/۵۲۶)

مروان بن شجاع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ابراہیم بن ابی علبہ رحمۃ اللہ علیہ، ولید بن عبد الملک کے بچوں کے استاد تھے، ایک مرتبہ ولید نے دیکھا کہ ابراہیم ایک بچی کو مار رہے ہیں، کہنے لگے، ابراہیم! بچیوں کے سرین پر نہیں مارنا چاہیے۔ ان کے ہاتھوں اور پیروں پر مارو۔

(کتاب العیال لابن ابی الدنیا ص ۵۲۶)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مارنے کے لیے اچھا مقام ہاتھ اور پیر ہیں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں نہ مارا جائے۔ حضور اقدس ﷺ نے مسلمانوں کو غصہ نہ کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔ جتنا بھی ممکن ہو غیظ و غضب سے بچا جائے۔

ایک شخص نے آپ ﷺ سے وصیت کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لا تغضب" ''غصہ نہ کیا کرو'' آپ ﷺ نے ان الفاظ کو تین بار دہرایا۔

غصہ کی علامت یہ ہے کہ زبان سے بچے کی برائی نکلے، اس کے لیے برے الفاظ استعمال کرے، اس وجہ سے "التربیة فی الاسلام" کے مؤلف نے لکھا ہے کہ حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے کہ بچے کو برا بھلا نہ کہا جائے، سب و شتم سے کام نہ لیا جائے، جیسے جاہل قسم کے والدین اور مربی اپنی اولاد کو غصہ میں کہہ دیتے ہیں: اے بندر، اے کتے، یہ انداز انتہائی نامناسب ہے۔

ان باتوں کی عادت نہ بنائی جائے۔ یہ الفاظ غصے کے وقت زبان سے نکل جاتے ہیں حالانکہ یہ مقام غصہ کا نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے قاضیوں کو بھی غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا: ارشاد ہے: "لا یقضی القاضی وھو غضبان" (بخاری) ''غصہ کی حالت میں قاضی فیصلہ نہ کرے۔''

ایک مرتبہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا۔ جب مارنے لگے تو فرمایا: ''اس کو چھوڑ دو'' وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: اس وقت میں نے اپنے نفس میں غصہ محسوس کیا۔ غصہ کی حالت میں مارنا مجھے پسند نہیں ہے۔

ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بچوں کے معلم کے لیے مناسب ہے کہ وہ ان باتوں کی رعایت کرے، اور مارنے کو بچوں کے فائدے کا ذریعہ سمجھے، اپنے غصے کو فرو کرنے کے لیے نہ ہو، مسلمانوں کے بچوں کو خواہش پورا کرنے، غصہ کو ختم کر کے اپنے نفس کو راحت پہنچانے کے لیے مارنا ظلم ہے۔ (التربیة فی الاسلام ص ۲۷۰)

پانچویں شرط یہ ہے اگر بچہ اللہ کا نام لے تو فوراً مارنا بند کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس معاملے میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی موجود ہے، آپ نے فرمایا:

((اذا ضرب احدکم خادمه فذکر الله فارفعوا ایدیکم .))

(ترمذی)

''تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مارنے لگے اور وہ اللہ کا نام لے، تو وہ اپنا ہاتھ روک لے۔''

اس سے شاید کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو، اس طرح کرنے سے ہوسکتا ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کے نام کو بھاگنے کا ذریعہ بنائے، اس طرح وہ خطا کا عادی بن جائے، اور ضرب سے بچنے کے لیے اس کو استعمال کرے۔ تو جواب یہ ہے حضور اقدس ﷺ کی حدیث اور آپ کے حکم کی اتباع کا فائدہ ہے جہاں اس سے بچہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیٹھ جائے گی وہاں مارنے والے کے غصہ کا بھی بہترین علاج ہوجائے گا کہ بچہ اللہ کا نام دے کر نہ مارنے اور رحم کرنے کی درخواست کر رہا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام نامی سن کر بھی انہیں احساس نہ ہو اور ان کی حماقت میں اضافہ ہو، یہ کمزور ایمان کی علامت ہے، ان لوگوں کو بھی سوچنا چاہیے کہ وہ گنہگار ہیں۔ اپنے رب کے کتنی نافرمانیاں کرتے ہیں مگر اللہ رب العزت کے حکم کو دیکھئے۔ سزا پر مکمل قادر ہونے کے باوجود سزا نہیں دیتا۔ عذاب مسلط نہیں کرتا۔

((اللّٰھم وقفنا لتادیب اولادنا علی النحو الذی ترضاہ .))

''اے اللہ! ہمیں اپنی اولاد کی ایسی تربیت کرنے کی توفیق عطا فرما جس سے آپ راضی ہوں۔''

تربیت کرنے والوں اور والدین کے متعلق انداز تربیت کا بیان ہو چکا، اب اگلے صفحات میں بچے کے اسلامی تشخص کو احادیث کی روشنی میں بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

قسم ثانی: بابِ اوّل

اسلامی نہج پر شخصیت کی تعمیر و تربیت

- ......تمہید
- ......عقیدے کی تعمیر و تربیت کے چند اہم اصول
- ...... پہلا اصول: بچہ کو کلمۂ توحید کی تلقین کرنا
- ...... دوسرا اصول: اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ ہی سے مدد طلب کرنے اور قضا و قدر پر ایمان کی تلقین کرنا
- ...... تیسرا اصول: رسول اللہ ﷺ کی محبت، آپ ﷺ کے اہل بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کی ترغیب دینا
- ...... چوتھا اصول: قرآن کریم کی تعلیم دینا
- ...... پانچواں اصول: عقیدے پر ثابت قدمی اور اس کی خاطر جان قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرنا

تمہید

ایسی قد آور شخصیت بننے کے لیے جو معاشرے پر اثر انداز ہو اور اجتماعی و انفرادی زندگی میں کردار ادا کرے اور تاریخ کا رخ موڑ دے تربیت کی تمام جہات پر مکمل طور پر توجہ دیئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور تاریخی کردار ادا کرنے والی شخصیات کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت و کردار میں ابتدائی تربیت کا بہت بڑا دخل ہے۔

اور تربیت کا بہترین میدان اور عظیم مرحلہ بچپن اور صغر سنی کا مرحلہ ہے کیوں کہ اس زمانے میں بچے کے اندر قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ یہ زمانہ بھی کافی طویل ہوتا ہے، اس طویل زمانے میں والدین اور اساتذہ کے لیے بہترین موقعہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ کے ذہن کی سرزمین میں اخلاق و کردار، اعلیٰ روایات اور علم کے بیج بودیں، جوانی میں جا کر تناور درخت بن جائے، اور بادِ مخالف سے بھی اس میں جنبش نہ آئے، اسی تربیت کے عظیم فائدے کو سامنے رکھ کر تربیت کی افادیت سے واقف والد یا سرپرست کتاب میں بیان شدہ طرز تربیت کو اپنائے تو انشاء اللہ والدین اور بچے دونوں کے لیے انتہائی سود مند ہوگا اور یہ بات ذہن نشین رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ بچے کی تربیت دودھ چھڑانے کے زمانے ہی سے شروع ہوجاتی ہے، دودھ چھڑانے کے بعد بچے کی تادیب اور اخلاق کی درستگی کی طرف سنجیدہ توجہ دینی چاہیے، تاکہ ابتداء ہی میں اس کے ذہن میں کردار و اخلاق کی بہتری کے بیج راسخ ہوجائیں اور اس کی نافہمی کو سامنے رکھ کر غفلت برتنے سے بچا جائے۔ اب اگلے صفحات میں بچے کی کردار سازی اور شخصیت سازی کے تعمیری اصولوں پر سیر حاصل گفتگو ہوگی، عقیدے کی پختگی کے سلسلے میں کلام ہوگا۔ پھر دوسرے بیان کئے جائیں گے۔

عقیدے کی تعمیر و تربیت کے چند اہم ارکان اور اصول یہ ہیں:

[۱]: بچے کو کلمہ توحید "لا اله الا الله محمد رسول الله" کی تلقین کرنا۔

[۲]: اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ ہی سے مدد طلب کرنے اور قضاء قدر پر ایمان کی تلقین کرنا۔

[۳]: رسول اللہ ﷺ کی محبت، آپ ﷺ کے اہلِ بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کی ترغیب دینا۔

[۴]: قرآن کریم کی تعلیم دینا۔

[۵]: عقیدے پر ثابت قدمی اور عقیدے کی خاطر جان قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ م بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ o وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾

[الاعراف: ۱۷۲۔۱۷۴]

عقیدے کی تعمیر و تربیت کے چند اہم اصول:

عقیدۂ اسلامی دوسرے عقائد سے ممتاز ہے۔ اللہ پر، اللہ کے فرشتوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور قضاء وقدر پر ایمان مذکورہ تمام چیزیں غیب کی چیزیں ہیں۔

اس مرحلے میں انسان پریشان ہوتا ہے کہ ان باتوں کو بچے کے ذہن میں کس طرح اتارا جائے اور بچہ ان پر کس طرح عمل پیرا ہو۔ بیان کا انداز کس طرح ہو کہ بچے کی ذہنی صلاحیت اس کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو۔ مگر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ایسے مواقع میں تعلیمات نبوی ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہیں۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیدے کی پختگی

بچے کے ذہن میں راسخ کرنے کے پانچ ارکان ہیں۔

① کلمہ توحید کو بچے کے ذہن میں جاگزیں کرنا۔

② اللہ تعالیٰ کی محبت کو ذہن میں پختہ کرنا۔

③ حضور ﷺ کی محبت حضرات اہل بیت کرام اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی محبت کو ذہن نشیں کرنا۔

④ قرآن کی تعلیم سے آراستہ کرنا۔

⑤ عقیدے پر ثابت قدم رہنے اور اس پر قربانی دینے کا جذبہ پیدا کرنا۔

پہلا اصول:

بچہ کو کلمہ توحید کی تلقین کرنا

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بڑی تاکید کے ساتھ کہا ہے کہ عقیدے کو بچپن ہی میں بچے کے دل و دماغ میں پختہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''جان لیجئے: عقیدے کے متعلق جو بیان کیا گیا، مناسب ہے کہ اس کو ابتدائی مرحلے میں بچے کے ذہن میں ڈال دیا جائے، تاکہ اس کو خوب یاد کرے، پھر آہستہ آہستہ اس کے معانی بھی اس پر ظاہر ہوتے چلے جائیں گے، مگر ابتداء اس کو یاد کرنا، پھر سمجھنا ہے، پھر اس پر اعتقاد و یقین کرنا ہے۔ یہ یقین و اعتقاد بچے کے ذہن میں بلا دلیل ہی پختہ ہوتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بچپن ہی میں ایمان بچے کے قلب کے اندر جاگزیں ہوتا ہے۔ دلیل و برہان کی ضرورت نہیں رہتی ہے اور ایمان و عقیدہ توحید کو ذہن میں پختہ کرنے کے لیے کسی دلیل یا فلسفیانہ طرز کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کو قرآن کی تلاوت اس کی تفسیر، حدیث اور اس کے معانی میں مشغول کر دیا جائے، رفتہ رفتہ قرآن کے معانی کے ذریعے اس کے اعتقاد میں رسوخ پیدا ہوتا چلا جائے گا۔ اللہ کی وحدانیت اس کے سامنے ظاہر ہوتی چلی جائے گی، پھر وہ عبادات کے انوارات سے منور ہوتا چلا جائے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر بچہ فطرت ایمانی پر پیدا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ﴾ [الاعراف: ۱۷۲]

''یاد کرو اس وقت کو جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو نکالا اور خود ان کو ان کے نفسوں پر گواہ بنایا، (فرمایا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے کہا: کیوں نہیں آپ ہمارے رب ہیں، اللہ نے فرمایا تم بھی گواہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا۔''

(احیاء علوم الدین ۱/ ۹٤)

حدیث قدسی میں اس آیت کی تشریح موجود ہے، ارشاد ہے:

''میں نے اپنے بندوں کو دین حق پر پیدا کیا، شیاطین نے ان کو ورغلا کر دین حق سے برگشتہ کر دیا۔ میں نے ان چیزوں کو ان پر حرام کر دیا جن کو میں نے ان کے لیے حلال کیا تھا۔''

ملا علی قاری حدیث ''کل مولود یولد علی الفطرۃ'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہاں فطرت سے مراد فطرت اسلام و ایمان ہے یعنی اگر اس کو کسی مذہب کی طرف رہنمائی کئے بغیر چھوڑ دیا جائے تو وہ خود بخود ایمان کو اختیار کرے گا۔ کیوں کہ اس کی جبلت میں اسلام ایمان کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھی گئی ہے اور اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ ایمان و اسلام پر ذہنی اور طبعی طور پر عمل پیرا رہے گا۔ کسی اور دین کی طرف مائل ہو کر ایمان سے منحرف نہیں ہوگا۔

بعض نے فطرت سے اللہ کی معرفت اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار مراد لیا ہے اور یہ قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے۔ وہ فرماتے ہیں اگر کسی کو کوئی بتانے والا نہ ملے تو اس پہ محض عقل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اولاد کے عقائد کی درستگی کا زبردست اہتمام فرماتے، اور انتہائی محنت فرماتے، دیکھئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [البقرہ: ۱۳۲]

''ابراہیم نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی اے میرے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو منتخب فرمایا ہے پس تم ہرگز نہ مرو مگر مسلمان ہونے کی حالت میں۔''

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں:

﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴾

[لقمان: ۱٦]

''بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا وہ آسمانوں کے اندر ہو یا زمین کے اندر ہو تب بھی اللہ اس کو حاضر کر دے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین (اور) باخبر ہے۔''

قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرائی جائیں۔ مثلاً سورۂ اخلاص میں اعتقاد عقلی اور سورۂ ''الکافرون'' میں اعتقاد عملی کا مضمون ہے۔ اس طرح قرآن کریم کی آیات کی برکات سے ایمان و عمل میں رسوخ پیدا ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو بھی دعوت اسلام دیتے تھے، دیکھئے! حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مشرف بہ اسلام ہوتے وقت دس سال سے کم تھی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار بچوں کی عیادت کر کے ان کو اسلام لانے کی دعوت دیتے تھے۔

مصنف عبد الرزاق میں روایت ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یہودی پڑوسی تھا، جو اخلاقی لحاظ سے بھی کوئی بہتر نہیں تھا، وہ بیمار ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کی

عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس سے فرمایا: کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنے والد کے چہرے کی طرف سوالیہ انداز سے متوجہ ہوا۔ اس کے والد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بھی خاموش رہا تو آپ ﷺ نے مکرر تین بار یہ الفاظ ارشاد فرمائے تو تیسری مرتبہ اس کے والد نے کہا۔ جو کچھ ابوالقاسم (حضور ﷺ کی کنیت) کہہ رہے ہیں کرلو، تو اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ پھر اس کا انتقال ہوا تو یہودی اس کی تجہیز وتکفین کے لیے پیش پیش ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نحن اولى به منكم" ہم تمہارے مقابلے میں اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے غسل کا انتظام فرمایا اور تکفین کرکے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرات سلف صالحین بچوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے اور اسلام کی طرف دعوت دینے کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ملک عرب میں کسی یہودی یا نصرانی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اپنے بچوں کو یہودی یا نصرانی بنالیں۔

(مصنف عبد الرزاق ٦/٤٨)

ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس قبیلہ بنوتغلب کا ایک شخص آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں تمہارا ایک حصہ تھا، اب وہ حصہ اسلامی حکومت میں سے وصول کرلو، اور اس حصے میں اس شرط پر اضافہ کرلیا کہ وہ اپنے بچوں کو نصرانی نہیں بنائیں گے۔

(مصنف عبد الرزاق ٦/٥٠)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کام آپ ﷺ کے طریقے پر کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ جس وقت بنوتغلب کے عیسائیوں کے ساتھ صلح فرمارہے تھے اس وقت میں بھی حاضر تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ اپنے بچوں کو عیسائی نہیں بنائیں گے۔ اگر اس کی خلاف ورزی کریں گے، تو معاہدہ ختم کرلیا جائے گا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عیسائی غلام تھا، وہ ہر وقت اس کو اسلام کی دعوت دیتے

رہتے۔ یہ ساری باتیں اس لیے ذکر کر دی گئیں تا کہ آگے مستقبل کے معماروں کی بہتر سے بہتر تربیت ہو سکے۔

عقیدے کی ابتدائی بنیاد:

کلمہ توحید کو بچے کے دل و دماغ کی سرزمین میں راسخ کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے بچوں کو سب سے پہلے کلمہ "لا الہ الا اللّٰہ" یعنی توحید سکھلاؤ اور موت کے وقت پھر "لا الہ الا اللّٰہ" کی تلقین کرو۔ (مستدرک حاکم)

عبدالرزاق اپنے مصنف میں فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ کرام کا معمول تھا کہ بچہ جب بولنے کے قابل ہو جاتا تو سب سے پہلے کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللّٰہ" کہنے کی تلقین فرماتے، اور سات سات مرتبہ کہلوانے کی کوشش کرتے، تا کہ بچے کا پہلا تکلم کلمہ طیبہ سے شروع ہو۔

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ ''احکام المولود'' میں لکھتے ہیں: جب بچہ بولنے کے قابل ہو جائے تو "لا الہ الا اللّٰہ" کی تلقین کرو، تا کہ اس کے کانوں کے ساتھ ٹکرانے والی پہلی آواز اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کی ہو۔ کیوں اللہ تعالیٰ کے سامنے سب حاضر ہیں، سب کو دیکھتا اور سنتا ہے، ناموں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے پسندیدہ نام عبداللہ، عبدالرحمٰن ہے۔ اس لیے کہ جب بچے کو ابتداء سے اس نام سے پکارا جاتا رہے گا تو ہوش سنبھالتے ہی اس کے دل میں یہ بات پختہ اور جاگزیں ہو جائے گی۔

عبدالکریم بن ابی امیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم کے بچوں کو جب وہ بولنے کے قابل ہوتے، تلقین فرماتے ہوئے کہتے کہ کہو"

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾ [الاسراء: ١١١]

(مصنف عبد الرزاق ٤/٣٣٤)

تکرارِ شہادتین کے متعلق ابن ظفر المکی نے ایک لطیفہ قصہ لکھا ہے۔

ابوسلیمان داود بن نصیر الطائی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر جب پانچ سال کی ہوگئی تو ان کے والد نے ان کو ایک مؤدب (استاذ) کے حوالے کردیا۔ استاذ نے سب سے پہلے تعلیم کی ابتدا قرآن کریم کی تعلیم سے کی، قرآن کریم کی آیات یاد کراتے رہے جب اس نے سورۂ ﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾ [الانسان: ۱] کی تعلیم حاصل کرلی اور اس کو یاد کرلیا تو ایک دن اس کی والدہ نے اس کو دیکھا کہ وہ دیوار کی طرف رخ کرکے ہاتھ سے کچھ اشارہ کررہا، والدہ کو فکر لاحق ہوگئی کہ اس کی عقل متاثر تو نہیں ہوگئی، اس کا نام لے کر آواز دی، داؤد! اٹھو! بچوں کے ساتھ کھیلو، اس نے کوئی التفات نہیں کیا، نہ جواب دیا تو والدہ نے اس کو اٹھایا، اور گلے لگایا تو اس نے کہا: امی! یہ کیا کررہے ہو، تجھے کیا ہوگیا؟ ماں نے کہا، تم کن خیالوں میں کھوئے ہوئے ہو؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے ساتھ ہوں، ماں نے کہا: وہ کہاں ہیں، کہنے لگا جنت میں، ماں نے کہا: وہ کیا کر رہے ہیں۔ کہنے لگا: ﴿مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا﴾ پھر پڑھتے پڑھتے اس آیت کریمہ ﴿وَكَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا﴾ تک پہنچے، متفکرانہ انداز سے والدہ سے کہا: اماں! ان کی سعی (کوشش) کیا ہے؟ ماں سے کچھ جواب نہ بن پایا۔ جواب نہ دے سکی، تو ماں سے کہا: آپ یہاں سے اٹھ جایئے، تاکہ میں ان اللہ کے بندوں کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ کر فرحت حاصل کرلوں، ماں وہاں سے اٹھی، اور اس کے والد کو ساری صورت حال بتلا دی، تو اس کے والد نے اس کو بلا کر کہا: داود! ان کی سعی یہ ہے کہ وہ "لآ اله الا الله محمد رسول الله" کی کثرت سے ہر وقت ذکر کرتے رہتے ہیں۔

بچوں کی تعلیم و تربیت ہی کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الادب المفرد" میں نقل کیا ہے، ارشاد مبارک یہ ہے:

((انفق على عيالك من طولك ولا ترفع عنهم عصاك ادبًا وأخفهم في الله .))

''اپنے بچوں پر اپنی وسعت کی بقدر خرچ کیا کرو، لاٹھی کو ان کے اوپر سے مت ہٹاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ان کو ڈراتے رہا کرو۔''

آپ ﷺ نے رسالت ملنے کے بعد دعوت دینے میں تاخیر نہیں فرمائی اور بچوں کو دعوت اسلام دینے میں پہل کی، اور حضرت علی کو دعوت دی۔ اس وقت ان کی عمر دس سال سے کم تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ایمان قبول کیا اور خفیہ طور پر آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے، حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کو بھی نہیں بتایا۔

ایک دن ان کے والد نے ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، رسول اللہ ﷺ سے کہا: میرے بھتیجے! یہ کون سا دین ہے جس کی تم پیروی کر رہے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! یہ اللہ کا دین ہے، اس کے فرشتوں کا دین ہے، اس کے رسولوں کا دین ہے۔ ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیغمبر بنا کر اپنے بندوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے جس کی طرف میں لوگوں کو بلاتا ہوں، آپ پر زیادہ حق بنتا ہے کہ اس دین کو قبول کریں اور اس کی ترویج میں میری معاونت کریں۔

حضور اقدس ﷺ نے اس طرح دین کی تبلیغ فرمائی اس میں بچوں کو دین حق کی طرف بلانے کا خاص اہتمام فرمایا۔ غلام بچوں میں سب سے پہلے ایمان کے نور سے منور ہونے والا بچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں، یہ شام سے قیدی بنا کر لائے گئے تھے، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔

حضور اقدس ﷺ نے ان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے طلب کر کے آزاد فرمایا تھا اور اس کو اپنا منہ بولا (بیٹا) بنایا تھا۔ اسلام کی دولت سے سرفراز ہونے والے بچوں نے دین کے لیے بڑی قربانیاں دیں۔ دیکھیے! آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی رات میں آپ ﷺ کے بستر پر سو کر آپ کا دفاع حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی تربیت کا اثر تھا کہ دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کا جذبہ قلب میں موجزن ہوتا ہے اور قافلہ صلحاء کے مقتداء بن جاتے ہیں۔

دوسرا اصول:

اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ ہی سے مدد طلب کرنے اور قضا وقدر پر ایمان کی تلقین کرنا

اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ سے مدد اور اس کا مراقبہ، قضاء وقدر پر ایمان وغیرہ چیزوں کو بچپن ہی میں دل میں جاگزیں اور پختہ کرنا ازبس ضروری ہے۔

ہر بچے کو مختلف قسم کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی اقتصادی ہو یا تعلیمی، غرض ہر ہر شعبے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ بچہ ان مشکلات کو شعوری یا غیر شعوری طور پر عبور کرتا ہے تو سوال یہ ہے کہ ان مشکلات سے ذہنی طور پر خلاصی اور نجات کی کوئی صورت ہے یا نہیں، اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

یہ تمام مشکلات دور ہوں گی، ان کا ذہنی طور پر ازالہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پختہ ہونے سے اور ہر معاملے میں اللہ جل شانہ، سے مدد مانگنے سے، اور دل میں اللہ کی وحدانیت اور اس کی محبت کو سوچنے سے، اور قضاء قدر پر ایمان لانے اور حضور اقدس ﷺ کے طرز تربیت پر عمل پیرا ہو کر تربیت کرنے سے یہ تمام چیزیں بچے کے دل و دماغ میں اپنے لیے جگہ بنالیتی ہیں اور ان صفات سے متصف بچہ بڑا ہو کر عملی زندگی کے میدان میں کبھی پریشان نہیں ہوگا۔ پامردی سے حالات کا مقابلہ کر پائے گا۔ صفات مذکورہ کو بچوں کے قلب میں راسخ کرنے کے متعلق وارد احادیث میں سے ایک یہ بھی ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا ترفع عصاك علی اهلك واخفهم فی الله عزوجل." اپنے اہل وعیال سے عصا کو مت ہٹانا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے معاملے میں انہیں ڈراتے رہیں۔ (المجمع للبیهقی ۱۰٦/۸)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک مرتبہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا، مجھ سے ارشاد فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات سکھا رہا ہوں۔ اللہ کو یاد کرو، اللہ تمہیں یاد کرے گا اللہ کو

یاد کرو، اس کو اپنے سامنے پاؤ گے، اگر مانگو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو، اگر مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو، یہ جان لو! کہ اگر ساری امت مل کر تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظور ہو اور اگر ساری امت مل کر تجھے ضرر پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا جا چکا ہو تمام فیصلے ہو چکے ہیں۔ اگر بچہ اس حدیث کو یاد کر لے، اور اس کے مفہوم کو خوب اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین کر لے تو ساری زندگی کبھی پریشان نہیں ہوگا۔ بادِ مخالف کا انتہائی جوان مردی اور استقامت سے مقابلہ کرے گا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد نے اس عظیم نبوی تربیت کو خوب قبول کیا۔ اس کے مطابق ان کی تربیت ہوئی، توحید، وحدانیت میں پختگی، قضاء وقدر پر مضبوط ایمان، ہر مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس بات پر کامل اعتقاد کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ تنگی کے بعد فراخی، کشادگی کے بعد تنگی سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے۔ یہ محض زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ حضرات صحابہ کی زندگیاں اس کا عملی ثبوت ہیں۔

حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں حضرت مالک اشجعی رحمۃ اللہ علیہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا میرا بیٹا عوف قید ہو گیا ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے کہلا بھیجو، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ تم "لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ" کا کثرت سے ورد کرو، چنانچہ حضرت عوف کو بتایا گیا۔ وہ اس پر مکمل عمل پیرا رہے اور کثرت سے "لا حول ولا قوۃ" پڑھتے رہے، دشمن نے چمڑے سے اس کو باندھا تھا، ذکر کی برکت سے چمڑا ٹوٹ کر گر گیا۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلے، باہر آئے دیکھا اونٹ موجود ہے۔ اس پر سوار ہو کر وہاں سے نکلے، یہاں تک کہ گھر پہنچ گئے، دروازے پر دستک دی، والد نے کہا، رب کعبہ کی قسم! عوف آیا ہے، والدہ نے کہا: ہائے، وہ کس طرح آ سکتا ہے۔ وہ تو چمڑے کی رسی سے بندھ چکا ہے، بہر حال باپ پہل کر کے دروازے کی طرف دوڑے، دیکھا، بیٹا سامنے ہے۔ پوری کارگزاری سنائی، مالک اشجعی رضی اللہ عنہ انہیں لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے بارے میں فرمایا: اس کو ایسا استعمال کرو جیسے تم

اپنے اونٹ کو کرتے ہو، آیت اتری:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق: ۲، ۳)

سہل بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک انصاری جوان کو جلتی آگ کی لکڑی لگ گئی اور اس کے اندر گھس گئی، اس سے وہ زیادہ گھبرا گیا، آگ کا تصور کر کے رونے لگا اس کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق آگاہ کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں اس کے پاس تشریف لے گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں داخل ہوئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لپٹ گیا اور پھر نیچے گر گیا اور انتقال کر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کرو، خوف و ہراس نے اس کے جگر کو ٹکڑے کر دیا۔

(مستدرك حاكم، ۲/٤۹٤)

ولید بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، میں اپنے والد کی بیماری میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ ان پر موت کے آثار دیکھ کر میں نے عرض کیا: اباجان! مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا: مجھے اٹھا کر بٹھا دو، جب بٹھائے گئے، تو فرمایا: میرے لختِ جگر! تم ایمان کا مزہ اور معرفتِ الٰہی کی حقیقت اس وقت تک نہیں پاسکتے۔ جب تک قضاء و قدر پر ایمان نہ لاؤ اور اس پر یقین نہ کرو، میں نے عرض کیا۔ اباجان! مجھے کیسے معلوم ہو کہ اچھی بری تقدیر کیا ہے؟ تو فرمایا: جو کچھ تکلیف یا راحت تجھے پہنچے وہ سب کچھ تقدیر کے مطابق ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا پھر اس کو حکم دیا۔ لکھ دو، قلم نے اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والے تمام امور کو لکھ دیا۔ اگر اس عقیدے کے علاوہ دوسری حالت میں تیری موت آجائے تو جہنم میں داخل ہو جاؤ گے۔

(مسند امام احمد)

سلفِ صالحین کی زندگی کی چند جھلکیاں:

① ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستے میں گشت کر رہے تھے، کچھ بچے راستے

میں اکٹھے کھیل رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ایک کے سوا سب بھاگ گئے، وہ ایک حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا اور نہ بھاگنے کی وجہ پوچھی، تو کہا: میں نے کوئی غلطی نہیں کی، کیوں بھاگوں؟ اور نہ آپ سے خوف زدہ ہوں کہ آپ کے لیے راستہ چھوڑ دوں۔ (تذكرة الآباء، ص ٦١)

② ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر پہ جا رہے تھے، راستے میں ایک غلام کو دیکھا، وہ بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے کہا: تم ان میں سے ایک بکری فروخت کرو گے؟ اس نے کہا: یہ میری بکریاں نہیں ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: مالک سے کہہ دو ایک بکری کو بھیڑیا کھا گیا تو اس نے کہا: "فاین اللّٰہ" "اللہ کہاں گیا" غلام کے یہ الفاظ ابن عمر کو بہت اچھے لگے، بعد میں بار بار یہ کلمات دہراتے رہے۔ (الرسالة القشيرية، ص ١٤٧)

③ کسی بزرگ کے شاگرد تھے، کسی کو شاگرد خاص بنانا چاہا، شاگردوں میں سے ہر ایک نے کہا، مجھے بنا دو، اس نے کہا: ابھی نہیں، پھر آزمائش کے لیے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک پرندہ دے کر کہا، کہ اس کو ایسی جگہ میں لے جا کر ذبح کرو، جہاں کوئی تمہیں نہ دیکھ سکے، ایک کے علاوہ سب نے ذبح کر کے پیش کیا۔ صرف ایک پرندہ کو ذبح کیے بغیر زندہ سلامت واپس لایا۔ استاد نے پوچھا: ذبح کیوں نہیں کیا؟ شاگرد نے کہا: آپ نے فرمایا تھا کہ ایسی جگہ میں لے جا کر ذبح کر دو جہاں کوئی نہ دیکھ سکتا ہو مگر مجھے ایسی کوئی جگہ نہ ملی، استاذ نے اسی کو اپنا معتمد خاص بنایا۔ (الرسالة القشيريه، ص ١٤٧)

④ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا: سہل بن عبد اللہ التستری کہتے ہیں، میں تین سال کا بچہ تھا، رات کو اٹھ کر اپنے ماموں محمد بن سوار کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتا تھا۔ ایک دن مجھ سے فرمایا: تم اس اللہ کو یاد کیوں نہیں کرتے ہو جس نے تم کو پیدا کیا؟ میں نے عرض کیا: میں کس طرح یاد کروں؟ فرمایا: بستر پر جا کر کپڑے اتارتے وقت تین بار زبان کو حرکت دیئے بغیر دل میں کہہ دو، اللہ میرے ساتھ ہے۔ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اللہ حاضر ہے، میں چند رات اس پر عمل کرتا رہا۔ پھر انہیں بتایا کہ میں یہ

عمل کرتا رہا ہوں، فرمایا روزانہ سات مرتبہ کرو، اس پر بھی عمل کرتا رہا۔ چند دن کے بعد انہیں بتایا، تو فرمایا: روزانہ گیارہ مرتبہ کہا کرو، پھر اس کی لذت میں نے اپنے دل میں محسوس کرلی۔ پھر ایک سال کے بعد میرے ماموں نے کہا: جو عمل میں نے تمہیں بتایا ہے تادم مرگ اس پر ہمیشہ عمل پیرا رہو۔ کیوں کہ یہ عمل دنیا و آخرت میں تمہیں فائدہ دے گا۔ میں سالہا سال اس پر مداومت کرتا رہا۔ اس کی لذت و حلاوت کو میں نے اپنے من میں محسوس کیا۔ میرے ماموں نے پھر ایک دن مجھ سے فرمایا: سہل! جس شخص کے ساتھ اللہ ہو اور اس کی طرف دیکھ رہا ہو حاضر و ناظر ہو، کیا وہ گناہ کر سکے گا؟ گناہ سے خود کو بچاتے رہو، پھر مجھے مدرسہ میں داخل کرادیا گیا، میں نے استاذ صاحب سے کہا، مجھے خیالات کے منتشر ہونے کا خطرہ ہے تو فرمایا میں کچھ گھنٹوں کے لیے ان کے پاس چلا جاؤں، پڑھ کر جلد گھر واپس لوٹوں، اور قرآن حفظ کرنے لگا، اور چھ سال کی عمر میں میں نے حفظ مکمل کرلیا۔ میں مسلسل روزہ رکھا کرتا تھا۔

5. ظفر المکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "انباء نجباء الابناء" میں واقعہ نقل کیا ہے۔ حارث المحاسبی بچپن میں چند بچوں کے پاس سے گزرے جو ایک کھجور فروش کے گھر کے دروازے کے سامنے کھیل رہے تھے، وہ کھڑے ہوکر ان کو دیکھنے لگے۔ اتنے میں کھجور فروش اپنے گھر سے باہر نکلا، اس کے ہاتھ میں چند کھجوریں تھیں۔ حارث سے کہا: کھالو، حارث نے کہا: یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ اس نے کہا: تھوڑی دیر پہلے میں نے ایک شخص کے ہاتھ کھجوریں فروخت کی تھیں۔ یہ اس کی کھجوروں میں سے گرگئی تھیں میں نے اٹھالی تھیں۔ حارث نے (کھیلنے والے بچوں کی طرف مخاطب ہوکر) کہا: کیا یہ شخص مسلمان ہے؟ بچوں نے کہا: ہاں مسلمان ہے۔ حارث کچھ کہے بغیر آگے چل پڑا، کھجور فروش نے پیچھے جاکر اس کو پکڑ کر کہا، میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک وہ بات مجھے نہ بتاؤ، جو میرے بارے میں تیرے دل میں آئی ہے۔ حارث نے کہا: بابا جی! اگر تم مسلمان ہو تو کھجور کے مالک کو تلاش کرو، اس کی کھجوریں اس کے حوالہ کرو، ارے

بابا! تم مسلمانوں کے بچوں کو حرام کھلا رہے ہو۔ بوڑھے نے کہا: اللہ کی قسم میں نے کبھی بھی دنیا کے لیے تجارت نہیں کی۔

⑥ مذکورہ کتاب میں ہے کہ حسین بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جب قرآن کریم کا حفظ مکمل کرلیا تو اس کے والد نے اس کو اپنے ساتھ دکان میں کام کرنے کے لیے لگا دیا۔ مگر وہ صبح قلم دوات لے کر نکلتے اور قرآن کا علم حاصل کرتے، دکان پہنچنے میں دیر ہوتی تو والد صاحب ڈانٹتے اور برا بھلا کہتے، اور کبھی کبھار مار بھی دیتے، اور کبھی کسی کام کے لیے بھیجتے تب بھی قلم دوات ساتھ رکھتے، جب کسی عالم سے ملاقات ہوتی تو علم حاصل کرتے، اور دکان سے آنے میں تاخیر ہوتی اور باپ کی مار برداشت کرنا پڑتی۔

ایک دن اس کے والد نے کہا: آخر اس علم سے تمہیں کیا ملے گا؟ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ کی معرفت ملے گی۔ باپ نے کہا، وہ کیا ہے؟ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کا علم، پھر کیا ہوگا؟ عرض کیا: اوامر پر عمل کروں گا، اور نواہی سے باز رہوں گا۔ یہ جواب سن کر والد نے کہا: آئندہ آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ علم حاصل کرو، میں تجھے کچھ نہیں کہوں گا۔

⑦ آخر میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے واقعے پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے چچا، سال میں ایک مرتبہ بغداد کے احوال اور لوگوں کی خفیہ رپورٹ حکمرانوں کو لکھ بھیج دیتے تھے، اور خلیفہ مسلمین کو اس کی اطلاع کرتے، ایک مرتبہ یہ رپورٹ احمد بن حنبل کے ہاتھوں بھیج دی۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کنارہ کشی کی اور اس کو دریا برد کر دیا۔ اس لیے کہ کہیں وہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کا سبب نہ بن جائے۔ ابن حنبل کے ورع وتقویٰ کو دیکھ کر الہیثم نے کہا اگر یہ بچہ زندہ رہا تو اپنے زمانے کا عظیم شخص اور حجت ہوگا۔'' (رجال الفکر والدعوۃ لابی الحسن علی الندری ۱/۱۰۵)

تیسرا اصول:

رسول اللہ ﷺ کی محبت، آپ ﷺ کے اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کی ترغیب دینا

رسول اللہ ﷺ کی محبت، آپ ﷺ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بچے کے دل و دماغ میں پیوست کی جائے، کیوں کہ توحید کی مضبوطی اور ایمان کی تکمیل اس کے بغیر ممکن نہیں، اس وجہ سے حضرات اسلاف و اخلاف محبتِ رسول کو اپنے بچوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کا بھرپور اہتمام کرتے تھے کیوں کہ اس سے اسلامی شعور بیدار ہوتا ہے، بہت ساری مشکلات کا مداوا ہوتا ہے۔ یہ بات بھی انتہائی قابل ملاحظہ ہے کہ انسان کا نفس طبعی طور پر اپنے ماحول میں مقتدر شخصیت کو اپنا آئیڈیل (نمونہ) بنانے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات اور اسلامی تربیت میں وہ عظیم شخصیت جس کی پیروی کی جائے، جس کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنایا جائے وہ صرف حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس ہی ہے۔ اس ذات سے بڑھ کر کوئی مقتداء اور پیشوا ہونا ناممکن ہے۔

انسانی نفس گمراہی اور بے راہ روی کا شکار اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو اپنا مقتداء نہیں بناتا۔ اس وجہ سے مختلف گمراہیوں کے جال میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور نام نہاد مفکرین کے گمراہ کن خیالات کو اپنا کر حیران سرگردان ہوتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ابتداء ہی سے اپنے بچوں کے دلوں کو محبت رسول وعظمت رسول سے بھر دیں اور ان کے قلب و دماغ میں گاڑ دیں۔

اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

❶ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ادّبوا اولادکم علی ثلاث خصال، حب نبیّکم، وحب آل بیته وتلاوۃ القرآن.))

''اپنی اولاد کو تین خصلتوں کی عادت ڈالو، اپنے نبی کی محبت، ان کے اہل بیت کی محبت، قرآن کریم کی تلاوت۔'' (الطبرانی)

❷ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں مگر یہ کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرا حشر ان کے ساتھ ہوگا جن سے تیری محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اللہ کے رسول کے ساتھ محبت کرتا ہوں، ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے میری محبت ہے، میں امید رکھتا ہوں کہ اس کی برکت سے میری نجات ہو جائے گی۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بچپن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رہے ہیں اور دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو بچوں کے دلوں میں کس طرح راسخ کر دیا جائے۔ اس کے لیے حضرات صحابہ کرام کا عمل ہمارے لیے رہنما ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کے دلوں میں حبِ رسول کو کس طرح راسخ کر دیا کہ دنیا و مافیہا کی تمام چیزوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی، اور آپ کی خاطر قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور خدمت کو اپنے بچوں کے سامنے بیان کیا جائے۔ جس سے ان کے دلوں میں محبت پیدا ہوگی۔

[۱]: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو فوراً قبول کیا، کسی سے مشورہ نہیں کیا اور اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ اسلامی احکامات اپنانے لگے۔ کسی سے خوفزدہ نہیں ہوئے، حالانکہ اس وقت ان کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔

[۲]: حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیجیے، اور صغر سنی میں دس سال خدمت نبوی میں گزار دیے۔ کھیل کود کر، جو بچوں کا محبوب ترین مشغلہ ہوتا ہے کو یکسر چھوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر فوراً لبیک کہہ کر آپ کے احکامات پر فوراً عمل کرتے۔

بخاری شریف میں حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت

موجود ہے، فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، السلام علیکم فرمایا اور مجھے کام کے لیے بھیج دیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور اطفالِ صحابہ تو آپ ﷺ کی خدمت اور محبت کی اعلیٰ مثال پیش کرتے ہیں آپ ﷺ کے کہنے کا انتظار کئے بغیر آپ ﷺ کی ضروریات کو ملاحظہ کرتے رہتے، اور آپ کی خدمت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔

[۳]: بخاری نے روایت نقل کی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ آپ ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوئے اور میں نے پانی پہلے سے رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ آپ ﷺ کو بتایا گیا تو دعا دی فرمایا:

((اللّٰھم فقھه فی الدین .))

''اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔''

[۴]: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے، حضور ﷺ کے وضو کا پانی میں اور ایک انصاری لڑکا خدمت میں پیش کرتا۔

[۵]: حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور فاطمہ بنت المنذر رضی اللہ عنہا کہتے ہیں: حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا، ہجرت کے وقت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے حاملہ تھیں۔ جب قباء کے مقام میں پہنچے تو عبداللہ پیدا ہوئے۔ تحنیک کے لیے خدمت نبوی میں لے گئیں، آپ ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھا کر کھجور منگائی۔ اس کو چبایا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کے منہ میں ڈال دی۔ یہ عبداللہ کا امتیاز ہے کہ پہلی غذا جو آپ کے منہ میں داخل ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے سر پر دست مبارک پھیر دیا۔ برکت کی دعا کی، عبداللہ نام رکھا، پھر جب سات یا آٹھ سال کے ہوگئے تو ان کو بیعت کے لیے خدمت نبوی میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے آتے دیکھ کر تبسم فرمایا، پھر بیعت لی۔ (مسلم)

یہ تھے حضرات صحابہ کے بچے، محبت نبوی سے سرشار، جذبہ خدمت سے معمور، والدین کی بہترین تربیت کے نمونے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بیعت سے یہاں مراد بیعت برکت ہے۔ بیعت تکلیف نہیں۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی اور بچے سے بیعت نہیں لی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے والوں کے قتل پر بچوں کا کردار:

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ غزوہ بدر کے موقع پر عین معرکہ میں میری دائیں طرف ایک بچہ نے مجھ سے سوال کیا، چچا! ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا تمہیں ابوجہل سے کیا واسطہ؟ کہنے لگا، پتہ چلا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا ہے۔ اگر میں اس کو دیکھ لوں واللہ اس کو قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا، پھر بائیں طرف سے بھی ایک بچہ آیا اس نے بھی یہی سوال کیا۔ پھر گھسان کی لڑائی شروع ہوئی، اچانک ابوجہل نظر آیا۔ میں نے ان بچوں سے کہا۔ وہ ہے جس کو تم تلاش کر رہے ہو۔ دونوں بچے اس کو دیکھتے ہی اس کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ لپکے، اور اس کے قتل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی بڑی کوشش کی، پھر آناً فاناً اس کو نیچے گرادیا اور قتل کردیا، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانے کے لیے بڑی جلدی سے چلے، اور ہر ایک نے کہا، یارسول اللہ! ابوجہل کو میں نے قتل کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی تلواریں دکھاؤ، چونکہ تلواریں دونوں کی خون آلود تھیں۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں نے قتل کیا۔ دیکھیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی محبت کہ آپ کو ایذاء پہنچانے والوں کو بھی جان سے مار دینے پر تیار ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے اور آپ سے شاباش حاصل کرنے کے لیے جان کی بازی لگادی۔

شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المستطرف" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں بحرین کے ایک علاقے میں بچے گیند سے کھیل

رہے تھے۔ قریب ایک پادری بیٹھا ہوا تھا، گیند پادری کو جالگا، پادری نے گیند اپنے قبضے میں لے کر رکھ لیا، بچوں نے بڑی منت سماجت کی، آخر کار نہ دیا، اس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی، تو بچوں نے لاٹھیوں سے اس کو مار مار کر ہلاک کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو بہت زیادہ خوش ہوئے کہ اس سے پہلے کسی بڑی فتح یابی پر ایسے خوش نہیں ہوئے تھے۔ پھر فرمایا: اب اسلام غالب ہو چکا اور اس کو عزت ملی کہ امت کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے شاتم رسول کی خبر لی اور اس کو قتل کر دیا اور پادری کے خون کو ھدر قرار دیا۔

کتبِ تفاسیر میں آیت "لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ" کی شان نزول میں لکھا ہے۔ غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی پر حضور ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں پانی کے پاس لوگ جمع ہوگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک نوکر تھا جس کا نام جھجاہ بن مسعود تھا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی نکیل پکڑ کر چلتا تھا جھجاہ اور سنان بن وبر الجہنی (جو بنی عوف کا حلیف تھا) کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہوا، بات لڑائی تک پہنچ گئی، سنان نے اپنی قوم کو آواز دی، اور کہا یا معشر الانصار! اور جھجاہ نے نعرہ لگایا، یا معشر المہاجرین! رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی وہاں موجود تھا، وہ برا فروختہ ہوا، اس کے ساتھ اس کے قبیلے کے لوگ بھی موجود تھے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، جو عمر میں چھوٹے تھے۔ عبد اللہ بن ابی غضبناک ہوا اور کہنے لگا، کیا ان لوگوں نے واقعی ایسا کیا کہ ان لوگوں (مہاجرین) کو ہم نے جگہ دی۔ ان کی مدد کی، مال بھی دیا اور جگہ بھی۔ اس کی مثال ایسی ہوئی جیسے کہا جاتا ہے۔ "سمن كلبك يأكلك" اپنے کتے کو طاقتور بناؤ تا کہ تمہیں کھالے۔ واللہ جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے عزت دار ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا۔ پھر اپنی قوم کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا یہ تم نے خود اپنے لیے کیا۔ ان لوگوں کے لیے جگہ مہیا کی۔ اپنے اموال ان کے مابین تقسیم کیے۔ واللہ اگر تم اپنا مال ان سے واپس لو گے تو یہ لوگ کسی اور ملک کی طرف چل پڑیں گے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ ساری باتیں سن رہے تھے، پھر خدمت نبوی میں جا کر

یہ ساری باتیں بتائیں۔

نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ چیز کے ساتھ محبت کی مثال:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک نوجوان کے گھر گیا۔ وہاں آپ ﷺ کی خدمت میں ایک برتن میں ثرید پیش کی گئی، اس میں کدو کا سالن تھا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ برتن میں کدو تلاش کر کے تناول فرما رہے ہیں۔ میں نے بھی تلاش کر کے آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ اس دن سے میں کدو کو پسند کرتا ہوں۔

دیکھیے! آپ ﷺ کی پسندیدہ خوراک بھی اطفالِ صحابہ کو محبوب ہے۔

آپ ﷺ کے الفاظ مبارک کو حفظ کرنے کی چند مثالیں:

محمود بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، آپ کو رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں سے کچھ یاد ہیں؟ تو فرمایا: ہاں، میں نے آپ ﷺ کے یہ الفاظ مبارک یاد کیے۔

((دع ما يريبك الى ما لايريبك فان الصدق طمانينة والكذب ريبة .)) (ترمذی)

''جس کام میں شک ہو اس کو چھوڑ کر غیر شک والے کام پر عمل کرو۔ اس لیے کہ سچائی اطمینان اور جھوٹ شک کا باعث ہے۔''

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ کے عہد مبارک میں، میں چھوٹا تھا اور آپ ﷺ کے الفاظ اور احادیث یاد کیا کرتا تھا۔ مجھے بولنے سے نہیں روکتے تھے مگر بڑوں کے سامنے بولنے کی اجازت نہ تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری۔ میں نے دیکھا کہ مؤذن آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ مسجد کی طرف تشریف لے گئے، آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ دعا تھی۔

((اللهم اجعل فى قلبى نوراً واجعل فى بصرى نورا واجعل

مـن خـلفي نوراً ومن امامي نوراً واجعل من فوقي نوراً ومن تحتي نوراً اللّٰهم اعظم لي نوراً.)) (صحيح ابن خزيمة)

''اے اللہ! میرے دل کو منور فرما، میری نظر کو منور کردے، اور میرے پیچھے نور کردے، میرے آگے نور کردے، میرے اوپر نور کردے اور نیچے نور کردے۔ اے اللہ نور کو میرے لیے بڑھا دے۔''

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ وہ عہد نبوت میں چھوٹے سے بچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت قریب البلوغ تھے، وہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوا، میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابطح پر ایک قبہ میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی لے کر نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے لیے تشریف لے گئے۔ سرخ رنگ کے لباس میں ملبوس تھے، آپ کے پنڈلیاں مبارک کھلی تھیں، گویا ان کی چمک میں اب بھی دیکھ رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، میں بڑے غور سے عمل کو دیکھ رہا تھا، میں نے دیکھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں چہرے کو موڑ دیا۔ پھر آپ کے سامنے ایک لاٹھی گاڑ دی گئی، اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوگئے، اور قصر نماز (دو رکعتیں) پڑھائی، آپ کے سامنے سے گدھے اور کتے گزرتے رہے۔ کسی نے نہیں روکا۔ مدینہ منورہ لوٹنے تک قصر نماز پڑھاتے رہے۔

(مسند ابو یعلیٰ ۲/۱۸۸)

ایک روایت میں ہے: ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے مقام ''ھاجرۃ'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ لوگ آپ کے بچے ہوئے پانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے نکل رہے تھے، پھر ظہر کی نماز دو رکعات پڑھائی اور عصر کی نماز بھی دو رکعات ہی پڑھائی۔

اب آگے بچپن میں حفظِ حدیث کا ایک واقعہ نقل کیا جارہا ہے جو حضرت امام احمد ابن

تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن میں حفظ حدیث کا عجیب واقعہ احمد عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ "العقود الدریۃ فی مناقب شیخ الاسلام ابن تیمیہ" میں لکھا ہے۔ پورا دمشق ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے محیر العقول قوت حافظہ، ذکاوت، اور طراوت ذہنی سے حیران تھا۔ حلب کے ایک عالم کو دمشق آنے کا اتفاق ہوا۔ انہیں پتہ چلا کہ یہاں ایک بچہ ہے جو محیر العقول قوت حافظہ کا مالک ہے جس کا نام احمد ابن تیمیہ ہے، اس سے ملاقات کا شوق ہوا، وہ کہتے ہیں: اس کو دیکھنے کے لیے چلا۔ ایک دکاندار نے کہا، مدرسہ کے بچے یہاں سے ہی گزرتے ہیں، ابھی وہ نہیں گزرے ہیں، آپ بیٹھ جائیے، جب آئے گا میں آپ کو بتادوں گا۔ تھوڑی دیر بیٹھا تھا کہ دکان دار نے ایک بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہی ہے وہ بچہ، میں نے اس کو آواز دی۔ وہ آیا اس کے ہاتھ میں تختی تھی، اس پر حدیثیں لکھی ہوئی تھیں، وہ کہتے ہیں، میں نے وہ تختی ان سے لی اور اس میں لکھی ہوئی حدیثوں کو مٹا دیا اور ان سے کہا: ان حدیثوں کو سنا جنہیں میں نے مٹا دیا ہے، بچے نے بڑی بے تکلفی سے سنا دیا۔ پھر میں نے اس سے کہا، میں بھی کچھ حدیثیں املاء کرواتا ہوں ان کو لکھ لو، میں نے چند احادیث لکھوائیں، اور اس سے کہا، اس پر ایک نظر ڈال کر سنا، بچے نے لکھنے کے بعد نظر دوڑائے بغیر تختی مجھے دے کر کہا۔ لو سن لو، تو ایسے بہترین انداز میں بلا تکلف سنایا گویا اس نے ان کو خوب یاد کیا، میں نے گیارہ یا تیرہ احادیث لکھوائی تھیں۔ تمام کے تمام کو بہتر انداز سے سنا دیا۔ پھر میں نے کہا: بیٹے! یہ مٹا دو، پھر میں نے چند احادیث کی سند لکھوائی اور اس سے سنانے کو کہا، تو پہلے کی طرح بڑی روانگی کے ساتھ سنا دیا۔

تو یہ سارا منظر دیکھنے کے بعد شیخ نے کہا: اگر یہ بچہ زندہ رہا، تو اس کی بڑی شان ہوگی، اور عظیم آدمی بنے گا، اس کی مثال دنیا میں نہیں ملے گی۔

حدیث یاد کرانے کے لیے انعام دینا:

حضرت نضر بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، میں نے ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا، وہ فرماتے تھے، میرے والد مجھ سے کہا کرتے، میرے بیٹے! حدیث یاد کیا کرو، ہر حدیث یاد کرنے پر ایک درہم انعام دوں گا۔

حدیث سننے کے لیے شیخ کی خدمت کرنا:

مشہور محدث حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میرے والد سونے کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قرضوں تلے دب گئے، مجھے مکہ مکرمہ لے آئے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے ہم مسجد کی طرف گئے، مسجد کے دروازے پر ایک شیخ ملے، مجھ سے کہنے لگے: بیٹے! میری سواری کی نکیل تھوڑی دیر کے لیے تھام لو، میں مسجد میں جا کر نماز پڑھ آؤں، میں نے کہا: میں اس وقت تک یہ کام نہیں کروں گا، جب تک آپ مجھے کوئی حدیث سنا نہ دیں۔ شیخ نے مجھے چھوٹا اور نافہم سمجھ کر کہا، بیٹے، تم حدیث سن کر کیا کرو گے؟ تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ میں نے کہا آپ بیان کر دیجئے بس، تو انہوں نے مجھے کوئی آٹھ احادیث سنائیں، تب جا کر میں نے ان کی سواری کی لگام پکڑی، وہ نماز کے لیے چلے گئے، نماز پڑھ کر واپس آئے، مجھ سے کہنے لگے، مجھے روک کر تم نے جو حدیثیں سنی تھی تمہیں اس کا کیا فائدہ پہنچا؟ میں نے عرض کیا: آپ نے یہ حدیث سنائی، یہ سنائی، اور یہ حدیث سنائی، ساری حدیثیں میں نے سنا دیں، تو شیخ نے کہا! "بارك الله فيك" اللہ تجھے برکتوں سے نوازے پھر فرمایا: کل میرے سبق میں آجانا۔ میں نے معلوم کیا تو وہ عظیم محدث حضرت عمرو بن دینار تھے۔

اسلاف کے بچوں کا علم کے لیے ہجرت کرنا:

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن عاصم کے والد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کے والد کہتے ہیں۔ میرے والد نے مجھے ایک لاکھ درہم دے کر فرمایا: جاؤ، میں تمہارا چہرہ اس وقت تک نہ دیکھوں جب تک ایک لاکھ حدیثیں یاد کر کے نہ لاؤ۔

(الرحلة فی طلب الحديث ١/١٧٢)

علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے لیے سفر کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں میں واسط سے کوفہ کی طرف چل پڑا۔ ہشیم بھی میرے ساتھ شریکِ سفر ہوئے، واسط سے چند فرسخ مسافت طے کرنے کے بعد ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے پوچھا کہ صاحب، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے: مجھ پر قرضوں کا بوجھ ہے، اسے اتارنے کی سعی

میں لگا ہوں، میں نے عرض کیا: چلئے میرے ساتھ میں اس کا انتظام کرتا ہوں، میرے پاس فی الحال چار ہزار درہم موجود ہیں۔ چنانچہ میں اس کو لے کر واپس واسط کی طرف آیا۔ اور ہیثم نے اپنا سفر جاری رکھا، میں گھر آ کر ان کو دو ہزار درہم عطا کر کے واپس عازم کوفہ ہوا۔ میں شام کے وقت پہنچا، اور ہیثم صبح پہنچ چکا تھا، اور محدث منصور کے پاس جا کر چالیس حدیثیں حاصل کر چکا تھا۔ میں رات گزار کر صبح منصور کے گھر کی طرف چل پڑا، ان کے گھر کے قریب پہنچا، تو لوگ جنازہ اٹھا کر لا رہے ہیں، میں نے پوچھا: یہ کس کا جنازہ ہے؟ بتایا گیا: منصور کا! فوراً میری زبان سے چیخ نکلی، میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا، وہاں بزرگ موجود تھے، انہوں نے مجھ سے پوچھا: اے نوجوان! تم کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا، میں کوفہ ہی اس لیے آیا تھا کہ منصور سے حدیث کا علم حاصل کروں، ان کا انتقال ہو گیا۔ بزرگ نے کہا: میں تمہیں ایسے محدث کے بارے میں نہ بتادوں جو منصور سے بھی بڑے ہیں۔ بلکہ منصور کی والدہ کی شادی کے موقعہ پر موجود تھے؟ میں نے عرض کیا: ضرور بتلا دیجئے، فرمایا: لکھو، حدثني عكرمة عن ابن عباس، اس طرح وہ بزرگ احادیث لکھواتے گئے اور میں لکھتا گیا۔ میں ان کے پاس پورا ایک مہینہ رہا۔ ایک دن میں نے ان سے عرض کیا، آپ یہ تو بتادیں کہ آپ ہیں کون؟ فرمایا: ایک مہینہ رہنے کے باوجود تم نے مجھے نہیں پہچانا۔ مجھے حصین بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں۔ میرے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان صرف عکرمہ کا واسطہ ہے۔ دیکھئے! اس جوان کی علم کے لیے قربانی، اپنے وطن کو چھوڑا، سفر کیا۔ جس مقصد کے لیے سفر کیا تھا اس کے فوت ہونے سے سخت غمزدہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی برکت سے استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ کو بطور استاذ اسے عطا فرمایا۔ یہ صرف ان کے اخلاص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی برکت ہے۔

بچوں کو کتابت حدیث میں احتیاط کی تربیت:

ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میرے والد نے مجھ سے پوچھا: حدیثوں کو لکھ لیا؟ میں نے عرض کیا: ہاں لکھ لیا۔ فرمایا: اصل کے ساتھ تقابل کیا؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا۔ پھر آپ

نے لکھا نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

احادیث لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ نقل کو اصل کے ساتھ ملایا جائے اور انتہائی احتیاط سے کام لیا جائے۔ اسلاف اس کی زبردست تاکید فرماتے اور بچوں کو اس کی عادت ڈلواتے۔

بچیوں کا احادیث نبویہ ﷺ حفظ کرنا:

زبیدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی آپ سے حدیث اخذ کر کے یاد کیا کرتی تھی، دروازے کے پیچھے پردے میں بیٹھتی تھی۔ امام صاحب کے شاگرد سے غلطی ہو جاتی تو دروازہ کھٹکھٹاتی جس سے تنبہ ہوتا اور امام صاحب شاگرد سے حدیث دہرانے کو کہتے۔

بچوں کو حدیث کی روایت اور اس کو سمجھنے کی کوشش کی تربیت:

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت عروہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: بیٹے! مجھے پتہ چل گیا ہے تم مجھ سے حدیث سن کر لکھ لیتے ہو پھر ان کو دوبارہ کتابت کرتے ہو؟ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں آپ سے حدیثیں سن کر لکھ لیتا ہوں، پھر ان حدیثوں کو دوسروں سے بھی سنتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا تم معنوی لحاظ سے کوئی فرق محسوس کرتے ہو؟ عرض کیا، نہیں، فرمانے لگیں، پھر کوئی بات نہیں، لکھ لیا کریں۔

بچوں کو سیرت النبی ﷺ سے روشناس کرانا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین اپنے بچوں کے اندر محبتِ نبی ﷺ کو راسخ کرنے کے لیے سیرت النبی ﷺ کو باقاعدہ درساً پڑھا کر بچوں کے دلوں میں محبت رسول کی چنگاری کو جگہ دینے اور قرآن کے ساتھ آپ کی سیرت وحدیث کو بھی پڑھا دیتے۔ کیوں کہ سیرت وحدیث معانی قرآن کریم کی شرح تھے۔ یہی سیرت اور آپ کے الفاظ مبارکہ، نبی ﷺ کی محبت کو دل میں موجزن کر کے انسانیت کو گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کرتے ہیں، باطل سے حق کی طرف لے آتے ہیں۔

اسماعیل بن محمد بن سعد بن وقاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے والد مجھے آپ ﷺ کے مغازی اور سرایا باقاعدہ پڑھاتے، اور فرماتے، یہ تمہارے آباء واجداد کی عزت ہے، اسے ضائع مت کرو۔

حضرت زین العابدین بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، ہم آپ ﷺ کے مغازی کی تعلیم اس طرح حاصل کرتے تھے جس طرح قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے۔

سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: والدین پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو آپ ﷺ کی سیرت سے روشناس کرائیں۔ انہیں بتائیں کہ آپ ﷺ پیدا مکہ میں ہوئے اور مبعوث قیامت تک آنے والے تمام جن و بشر کی طرف ہوئے اور مدینہ منورہ میں ان کا روضہ اقدس ہے، ان کی اطاعت واجب ہے، ان کے ساتھ محبت جزو ایمان ہے۔

آگے ہم ایک عظیم عالم دین، ادیب اور مفکر شیخ ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جو آپ ﷺ کی سیرت پر مشتمل ایک کتاب پڑھنے سے ان کے دل میں کس طرح محبتِ رسول ﷺ موجزن ہوئی، دل کی دنیا کس طرح بدل گئی۔ سن لیجئے، خود ان کی زبانی جو اپنی کتاب "الطریق الی المدینہ" میں رقمطراز ہیں: آج کی مجلس میں، میں ایک ایسی عظیم کتاب کے متعلق گفتگو کروں گا، جس کی عظمت میرے قلب و جگر میں موجزن ہے، جس کے مصنف کے لیے دعا گو ہوں، ایمان کے بعد میرے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی ترین متاع ہے، بلکہ وہ میرے ایمان کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اس کتاب کا نام "سیرۃ رحمۃ للعالمین" ہے۔ جس کے مصنف قاضی محمد سلیمان منصور پوری ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

اس کتاب کے حصول کا ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ وہ یہ کہ میرے والد محترم وفات پا چکے تھے، اس وقت میری عمر نو سال تھی، میرے بڑے بھائی میری کفالت و تربیت فرماتے تھے۔ ان کی بھرپور کوشش ہوتی کہ میں بچپن سے ہی مطالعہ کا خوگر بنوں اور مطالعہ کے لیے میرے لیے سیرت کی کتابوں کو منتخب فرماتے اور سب سے پہلے جو کتاب پڑھنے کی مجھے دی وہ "سیرت خیر

البشر" تھی۔ سیرت کی کتب کے مطالعے سے سیرت سازی، عقیدے کی پختگی، اخلاق کی درستگی، کردار کی بلندی اور ایمان کی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

ایک دن میری نظر ایک کتاب پر پڑی، جس کے اوپر لکھا تھا۔ "رحمة للعالمین" مجھے کتابوں کی فہرست دیکھنے اور کتاب کے متعلق اشتہارات پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ "رحـــمة لـلـعـــالمین" پڑھنے کا شوق دل میں موجزن ہوا۔ کتاب منگوانے کے لیے خط تو لکھا۔ مگر قیمت ادا کرنے کے لیے میرے پاس بجٹ نہیں تھا، کیوں کہ اس وقت میں بہت چھوٹا تھا۔ دس سال میری عمر تھی، رقم وغیرہ کا انتظام کم ہی ہوتا تھا۔ بہر حال ایک دن ڈاکیہ کتاب لے کر ہماری بستی کی ڈاک کے ساتھ حاضر ہوا۔ کتاب کو تو دیکھا، مگر اس کو وصول کرنے کے لیے میرے پاس رقم نہیں تھی۔ امی جان سے طلب کی۔ مگر انہوں نے معذرت کرلی، حالانکہ وہ اپنے یتیم بچے کی ہر خواہش کو پورا کرنے کے لیے حتی الامکان کوشش فرماتی۔ مگر اس وقت ان کے پاس رقم نہیں تھی۔ اس مرحلے میں مجھے کوئی سفارشی و مددگار نہیں ملا۔ مگر جس نے غزوۂ بدر میں چھوٹے عمیر بن وقاص کو غزوے میں شرکت کی درخواست پر اس کی دلداری کی، اس کی تمنا کو پورا کرکے شاملِ غزوہ ہونے کی اجازت دی، یقیناً وہی انسانوں کے آنسوؤں کا مداوا، اللہ کے نیک بندوں کی درخواستیں سننے والا ہے، بہر حال میری حالت کو دیکھ کر میری رحم دل و شفیق والدہ کا دل نرم ہوا، میرے لیے کتاب خریدنے کا انتظام فرمایا اور میں نے کتاب وصول کرلی اور کتاب پڑھنا شروع کی۔ شروع کیا تو میرے دل پر اثر انداز ہونے لگی، اور میری دل کو حرکت دینے لگی۔ ایسی عظیم اور پُرکیف حرکت جیسے پرسرور رات میں ہری شاخ جھومنے لگتی ہے اور حرکت کرتی ہے۔ فاتحین اور بڑے بڑے بہادروں پر لکھی گئی کتب اور سیرت پر تحریر کردہ کتب کے درمیان یہی عظیم فرق ہے کہ فاتحین پر لکھی گئیں کتابیں دل پر حملہ آور ہوتی ہیں، اور سیرت طیبہ پر مشتمل کتابیں دل کو سرور و فرحت بخشتی ہیں۔

بہر حال! کتاب کے مطالعے کے دوران عجیب لذت سے سرشار ہوا، وہ ایسی لذت تھی۔ جو دیگر تمام لذتوں سے مختلف تھی جن سے میں بچپن میں آشنا تھا۔ اس کی لذت سخت

بھوک کے وقت لذیذ ترین کھانے کی طرح تھی، نہ دیر تک پڑھنے کے بعد چھٹی ملنے کی لذت کی طرح تھی۔ نہ اس کی لذت عید کے دن نئے کپڑے پہننے کی لذت کے مشابہ تھی اور نہ ہی اس کی مشابہت اس لذت سے تھی جو کھیل کے وقت حاصل ہوتی ہے اور نہ وہ لذت میچ جیتنے کے وقت حاصل ہونے والے سرور کی مانند تھی۔ بلکہ اس کی صفت کو بیان کرنے پر قادر نہیں ہوں، میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس لذت کو میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لذت روحانی قسم کی لذت تھی۔ جیسے بڑے روحانی لذت کا شعور رکھتے ہیں بچے بھی اس دولت سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ اس کتاب میں ان مسلمانوں کی خبریں بھی پڑھتا رہا، اسلام لانے پر مشرکین جن کو عذاب میں مبتلا کرتے تھے، اور وہ انتہائی ثابت قدمی اور صبر و استقامت اور پامردی کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ بلکہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ وہ لذت و سرور کے ساتھ برداشت کرتے تھے، میں جانتا ہوں اس کی عظیم لذت ہے جس سے بڑے بڑے اغنیاء اقویاء اور صالح کہلانے والے لوگ بھی واقف نہیں ہیں، حق پر چلنے والے اس لذت سے سرشار ہوتے ہیں۔ مجھے اس لذت کی شیرینی اب بھی محسوس ہوتی ہے۔ میرا نفس چاہتا ہے کہ وہ لذت ایک مرتبہ اور نصیب ہو جائے۔

اس میں میں نے آپ ﷺ کی ہجرت کا واقعہ بھی پڑھا۔ جس میں آپ ﷺ کے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کا قصہ بڑا پُر کیف ہے کہ ہر قبیلہ بڑے اخلاص، محبت اور تمنا کے ساتھ یہ درخواست کر رہا ہے کہ یارسول اللہ! میزبانی کی عظیم سعادت سے ہمیں نواز دیجئے۔ آپ ﷺ فرماتے جاتے ہیں کہ اونٹنی کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، یہ مامور من اللہ ہے۔ اونٹنی چلتے چلتے اس مقام پر جا کر بیٹھ جاتی ہے جہاں آج کل مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ اس وقت عظیم سعادت مند، رسول اللہ ﷺ کی میزبانی کے شرف سے مشرف ہونے والے صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی فرحت و سرور اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔ میں یہ واقعات پڑھتا گیا اور مجھے ایسا لگتا رہا گویا میں اس منظر کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں، اور لذت و سرور سے معمور ہوں، میں کتابوں میں عام بادشاہوں اور فاتحین کے کسی شہر کے اندر

داخل ہونے کے واقعات کا بھی مطالعہ کرتا ہوں جن کے مطالعے سے دل پر بوجھ اور اضمحلال کی سی کیفیت ہوتی ہے۔

میں اس کتاب میں غزوۂ احد کا وہ عجیب واقعہ بھی پڑھتا رہا، جس میں قربانی دینے کی مثال کائنات عالم میں کوئی پیش نہ کر سکا ہے۔ جس میں وفا، اخلاص، شجاعت و بہادری، ایمان، یقین اور اخلاق کی عظیم مثالیں تھیں۔ میں پڑھتا جاتا اور جھومتا جاتا۔ خاص کر حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا وہ قول (جس) کو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر لڑائی سے کنارہ کش ہونے والوں سے فرمایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے، اب ہمیں دنیا میں زندہ رہنے کا کیا حق ہے ہم کس لیے زندہ رہیں گے۔ لہٰذا جس طریق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی تم بھی اسی راستے کو اپنالو، اور مجھے ایک صحابی کے قول سے بھی بڑی لذت محسوس ہورہی تھی کہ جس میں انہوں نے فرمایا تھا۔ میں احد پہاڑ کی طرف سے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں، مجھے اس صحابی کی محبت اور انداز قربانی کی حالت پڑھ کر بڑا رشک آرہا تھا۔ جس کی جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں نکلی، دیکھیے! ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خود کو ڈھال بنادیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لیے کس طرح خود کو سپر بنا کر آپ کی حفاظت کی۔ میں کتاب میں حضرات صحابہ کرام کی محبت و قربانی کے قصے پڑھ پڑھ کر کبھی اشکبار اور گریہ کناں ہوتا اور کبھی فرحت و سرور میں جھوم جاتا۔

آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بچوں کو مالا مال کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ام سُلیم[1] کے گھر میں تشریف لایا کرتے تھے، کبھی آپ کے بستر پر تشریف فرما ہوتے۔ اور لیٹ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ تشریف لائے، ام سلیم رضی اللہ عنہا گھر پر موجود نہیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بستر پر لیٹ گئے، آنکھ لگ گئی، اتنے میں ام سُلیم رضی اللہ عنہا تشریف لائیں، ان کو بتایا گیا کہ آپ کے بستر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں، جلدی سے حاضر ہوئیں، دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک نیچے گرا ہوا

[1] ام سلیم رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہیں۔ (از مترجم)

ہے، جلدی سے پسینے کو پونچھ کر ایک بوتل میں ڈالنے لگیں، اتنے میں آپ ﷺ بیدار ہوئے، فرمانے لگے۔ ام سُلیم! تم کیا کر رہی ہو؟ کہنے لگیں، آپ کا پسینہ مبارک محفوظ کر رہی ہوں تا کہ ہمارے بچوں کے لیے خیر و برکت کا باعث بنے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے درست کام کیا۔

یہ ہے وہ حرص جو حضرات صحابہ وصحابیات کے اندر آپ کے آثار کو حاصل کرنے کی تھی۔ نہ صرف خود بلکہ اپنے بچوں کو بھی آپ کے برکات سے مالا مال کرنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے فرمان مبارک "اصبت" سے آپ کی تائید بھی شامل حال ہوئی۔

چوتھا اصول:

قرآن کریم کی تعلیم دینا

تربیت کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن کی تعلیم کی ابتداء بچہ کے ہوش سنبھالتے ہی کریں، کیوں کہ اس سے اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ اللہ میرا رب ہے اور یہ اس کا کلام ہے۔ اس طرح قرآن کریم کی روح بچپن ہی سے اس کے اندر سرایت کر جائے گی اور نورِ قرآن اس کی فکر و دانش میں پیوست ہوگی اور اس کی قوتِ ادراک اور قوتِ فہم منور ہوں گی، اس طرح وہ قرآن کی محبت اور اس کے نور کے ساتھ پروان چڑھے گا۔ اس کے اوامر پر عمل اور نواہی سے بچنے کا ملکہ پیدا ہوگا۔

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم سے روشناس کرانا اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے سب سے اہم اصل ہے۔ اس وجہ سے بچے فطرت اسلامی پر پروان چڑھیں گے، خواہشات نفس کے قلب و دماغ میں جگہ بنانے سے پہلے قرآن کے انوارات و برکات پہلے سے جاگزیں ہوں گے، خواہشات کو گھسنے کا موقع نہیں ملے گا، جس سے معصیت وضلال کے خطرات ختم ہو جائیں گے۔

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو مزید مضبوط کر دیا، وہ فرماتے ہیں: والدین کا اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دینا، دین کے شعائر میں سے ہے، امت اس پر عمل پیرا ہے، کیوں کہ اس سے ایمان دل میں راسخ، عقائد پختہ ہوں گے، قرآن تو تعلیم کی بنیاد ہے۔

ابن سینا "السیاسة" میں فرماتے ہیں، جب بچہ سمجھنے کے قابل ہوجائے تو قرآن کی تعلیم سے ابتداء کرنی چاہیے، حروف ہجوں میں لکھے جائیں اور لا الہ الا اللہ کی تلقین کی جائے۔

بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے پر وارد شدہ احادیث:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ادّبوا اولادکم علی ثلاث خصال، حب نبیکم، وحب آل بیته، وتلاوة القرآن .)) (الطبرانی)

"اپنے بچوں کو تین چیزوں کی تعلیم دیا کرو، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ان کے اہل بیت کی محبت اور قرآن کی تلاوت۔"

یہ بھی ارشاد ہے:

((فان حملة القرآن فی ظل عرش اللّٰہ یوم لاظل الا ظله مع انبیاءه واصفیائه .))

"بے شک حاملین قرآن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایے تلے انبیا و اصفیاء کے ساتھ ہوں گے۔ جس روز اس کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔"

(فیض القدیر ٦٨٥)

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوظبیہ کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرض الوفات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ ان سے پوچھا: بیماری کیا ہے؟ فرمایا: گناہوں کی بیماری ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کس چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت کی۔ پوچھا آپ کے لیے طبیب کا انتظام کروں؟ فرمایا: طبیب ہی نے مجھ پر بیماری طاری کردی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ کے لیے کوئی عطیہ کا حکم دوں؟ فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کو تو ضرورت نہیں۔ آپ کے بعد آپ کی بیٹیوں کے کام آئے گا، فرمایا: کیا تمہیں اندیشہ ہے کہ میری بچیاں فقر میں مبتلا ہوں گی؟ نہیں، ایسا

نہیں ہوسکتا، کیوں کہ میں نے اپنی بچیوں کو ہر شب سورۂ واقعہ پڑھنے کی عادت ڈالی ہے۔ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

((من قرء سورة الواقعة كل ليلة لم تصبه فاقة ابدا .))

''جس نے ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنا معمول بنالیا اس کو کبھی بھی فاقہ نہیں ہوگا۔''

(عمل اليوم والليلة لابن سنی ٨٥)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اولاد کے ہر عمل کی نگرانی کرتے تھے۔ اس کے متعلق حضور ﷺ سے رہنمائی لیتے۔ روایت میں آتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یارسول اللہ! میرا یہ بیٹا دن کو قرآن پڑھتا ہے اور رات کو سوجاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ما تنقم ان ابنك يظلّ ذاكرا ويبيت سالما .))

''تمہیں کیوں تکلیف ہورہی ہے، تیرا بیٹا دن کے وقت ذاکر اور رات کو سالم محفوظ رہتا ہے۔''

حضرات صحابہ اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کا اہتمام فرماتے تھے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایسی تربیت فرمائی تھی۔ مصعب بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "خیارکم من تعلم القرآن وعلمه" تم میں سے جس نے قرآن کی تعلیم دی وہ تم میں سب سے بہتر ہے۔

(بخاری، مسلم، ابوداود، ابن ماجہ)

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم لوگوں کو قرآن پڑھنے، اس کی تلاوت کرنے، اس کے معانی کو سمجھنے کی تلقین وتعلیم کرتے نظر آتے ہیں۔ خاص کر اپنی اولاد کے اندر تلاوت قرآن کی محبت جاگزیں کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

چنانچہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے فرمایا: تمہارے سامنے ایک حدیث کا تحفہ پیش کرکے تجھے خوش نہ کردوں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں،

ضرور، فرمایا: تم سورۃ ملک "تبارك الذی" کو پڑھا کرو، اپنے گھر والوں کو اور اپنے تمام بچوں اوران کے بچوں کو اس کی تعلیم دو، اور اپنے پڑوس کے بچوں کو پڑھنے کی ترغیب دو، کیوں کہ یہ سورۃ نجات دلانے والی ہے، قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کو جہنم سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مجادلہ کرے گی اور اپنے قاری کو جہنم کی آگ سے بچا کر رہے گی اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لو ددت انها فی قلب کل انسان من امتی .))

"میں چاہتا ہوں کہ یہ (سورۃ ملک) میری امت میں سے ہر ایک کے دِل میں موجود ہو" (ترمذی)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن سے محبت اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینے اور اس کی اہمیت کو دل میں بٹھانے کا کوئی موقعہ فروگذاشت نہیں کیا۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب بھی وہ قرآن پاک ختم فرماتے، اپنے گھر والوں کو جمع کرتے، اوران کے لیے دعا کرتے۔ (المجمع للهیثمی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فخریہ انداز میں فرماتے، کہ میں نے قرآن کی تعلیم صغرسنی میں عہد نبوت میں حاصل کی، جس وقت آپ کا انتقال ہوا اس وقت میں دس سال کا بچہ تھا اور محکمات پڑھ چکا تھا۔

اس طرح گھر میں بچوں کے قرآن کریم پڑھنے سے خاندان اور گھر والوں پر سے مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں۔

حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان القوم يبعث الله عليهم العذاب حكما مقضيا فيقرء الصبی من صبيانهم فی المكتب الحمد لله رب العالمين فيسمعه الله فيرفع عنهم بسببه العذاب اربعين سنة .))

"اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب کا حتمی فیصلہ کرتا ہے، پھر مکتب میں بچہ، الحمد للہ رب

العالمین'' پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سن کر اس فیصلہ شدہ عذاب کو چالیس سال تک کے لیے موخر کر دیتا ہے۔'' (تفسیر کبیر ۱/۱۷۸)

اس طرح اسلاف اور صالحین امت کا یہ معمول رہا کہ اپنے بچوں کو قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی تربیت بڑے اہتمام کے ساتھ فرماتے۔

اس کے بے شمار واقعات ہیں، من جملہ قاضی ورع عیسیٰ بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے بچوں کو قرآن پڑھاتے، اسی طرح فاتح صقلیہ اسد بن فرات بھی بذات خود اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دیتے اس طرح ان کی بیٹی نے بڑا علمی مقام پایا۔

بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے والے والدین کا قیامت کے دن اعزاز:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من قرء القرآن وتعلمه وعمل به البس والداه يوم القيامة تاجا من نور ضوءه مثل الشمس ويكسى والده حلتين لا تقوم لهما الدنيا فيقولان بم كسينا هذا؟ فيقال باخذ ولدكما القرآن.))

''جس نے قرآن پڑھا، اس کے معانی کو سیکھا اور اس پر عمل کیا تو قیامت کے دن اس کے والدین کو نور کا ایک تاج پہنایا جائے گا۔ جس کی روشنی سورج کی روشنی جیسی ہوگی اور اس کے والدین کو ایسے جوڑے پہنائے جائیں گے، کہ پوری دنیا بھی اس کی قیمت کے برابر نہ ہوگی، وہ یہ کہیں گے یہ جوڑے ہمیں کس وجہ سے پہنانے گئے ہیں، کہا جائے گا، تمہارے بچے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے۔'' (مستدرك حاكم)

بچوں کا فہم قرآن:

والدین اور تربیت پر مامور افراد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مختصر معانی اور مفہوم بھی بتاتے چلے جائیں، بچے کو چھوٹا اور کم فہم سمجھ کر

غفلت نہ برتی جائے، آپ یہ نہ سمجھیں یہ بچہ چھوٹا ہے، کم فہم ہے، نہیں ایسا نہیں، یہ اس وقت معلومات کا بہت بڑا خزانہ اپنے قلب و دماغ میں جمع کرسکتا ہے جو آج کل کمپیوٹر نہیں کرسکتے۔ مگر صرف اہتمام سے تربیت کی دیر ہے اور بس۔ ذرا ملاحظہ کیجئے اور میری تائید کیجئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے سورۂ نساء کے متعلق سوالات کرو، میں نے بچپن میں اس کی تعلیم حاصل کی ہے (مستدرك) اسی طرح ایک قریشی لڑکے نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ مجھے یہ سمجھا دیجئے کہ میں جب اس آیت پر پہنچتا ہوں تو پڑھنا دشوار ہوجاتا ہے۔ آیت یہ ہے ﴿حَتّٰی إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ تو میری کیفیت ایسی کیوں ہوتی ہے کہ میں اسے نہ پڑھوں، تو حضرت نے فرمایا: ہاں آیت کا معنیٰ نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اصل میں تفسیر اس طرح ہے: اذا استيأس الرسل من قومهم ان يصدقوا یعنی پیغمبر قوم کی تصدیق اور ایمان لانے سے مایوس ہوگئے، اور ظنوا کا مطلب یہ ہے کہ قوم نے گمان کیا کہ پیغمبروں کے ساتھ جھوٹے وعدے ہوئے، اب کوئی اشکال کی بات نہ رہی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ کتنی ضلالت کی بات ہے کہ قرآن کے الفاظ تو پڑھتا ہے۔ مگر معانی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ پھر وہ قرآن کی تعلیم بچوں، عورتوں، غلاموں اور باندیوں کو دیتا ہے جو پھر اہل علم سے جھگڑتے ہیں۔ (جامع العلوم والحكم)

حضرت مصعب بن سعد بن وقاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے عرض کیا: اباجان! مجھے آیت "اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ" کے متعلق سمجھا دیں، ہم میں سے کون ہے جو نماز میں نہیں بھولتا، اور اس کو وساوس نہیں آتے، تو میرے والد نے فرمایا: اس کا یہ مطلب نہیں جو تم نے سمجھا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے "وقت ضائع کرنا غافل ہوکر، حتیٰ کے وقت نکل جائے"۔

بچوں کا ایک اور نمونہ سن لیجئے، کس طرح قرآن سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مامون الرشید بچپن میں اپنے استاذ الکسائی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن پاک پڑھا کرتے تھے، کسائی کا معمول تھا

کہ وہ سر نیچے جھکا کر سنتے، جب غلطی آ جاتی ایک دم سر کو اوپر اٹھاتے تو مامون سمجھ جاتا کہ کوئی غلطی ہوئی، اسے ٹھیک کرتے پھر آگے چلتے۔ ایک دفعہ پڑھتے پڑھتے اس آیت ﴿یَـاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''اے ایمان والو! تم کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں'' پر پہنچے تو الکسائی نے سر اٹھایا تو مامون نے دیکھا غور کیا، آیت کو مکرر پڑھا، اپنی غلطی کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اپنی غلطی سمجھ میں نہیں آئی۔ استاذ پڑھا کر جب چلے گئے تو مامون نے اپنے والد کے پاس جا کر کہا، کیا آپ نے الکسائی کے ساتھ کوئی وعدہ کیا ہے؟ باپ نے کہا: بیٹے! تمہیں کس طرح پتہ چل گیا؟ تو مامون نے ساری صورت حال بتلا دی، تو والد کو بڑی خوشی ہوئی، کہ اس کے بچے نے بڑی فطانت اور ذہانت کا مظاہرہ کیا۔

قرآن بچے کے دل میں کس طرح اثر انداز ہوتا ہے؟

قرآن کریم انسان کے دل پر اثر ڈالتا ہے اور دل کو مہمیز لگاتا ہے۔ دل کی تاروں کو حرکت دیتا ہے۔ نفس میں جتنی زیادہ صفائی و پاکیزگی ہوگی، قرآن اس کے لیے مؤثر ہوگا۔ طے شدہ بات ہے کہ بچے کا نفس پاکیزہ ہوتا ہے، اس کی فطرت صاف ہوتی ہے اور شیطانی حملوں کی ابھی آماجگاہ نہیں بنا ہوا ہوتا تو اس حالت میں قرآن کریم یاد کرایا جائے تو قلبی قوت اور روحانی کیفیت میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی سورتوں پر غور کریں، تو اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بچے کے لیے ان کو یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں صرف ایک پارے میں ہیں، باقی سورتیں کچھ بڑی ہیں اور کچھ چھوٹی۔ استاذ مصطفیٰ صادق رحمہ اللہ اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سورتوں میں ایک حکمت ہے۔ وہ عجیب حکمت غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔

دیکھئے! قرآن کی موجودہ ترتیب وہ ترتیب نہیں جس ترتیب میں قرآن نازل ہوا۔

دیکھئے! سورۃ والناس ترتیب نزولی کے اعتبار سے آخری سورت نہیں ہے۔ پھر یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں صرف ایک پارہ میں ہیں، یہ صرف اس لیے کہ یاد کرنا آسان ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ آگے آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس بات پر آپ غور کریں۔ موجودہ ترتیب میں

سورۃ والناس آخری سورۃ ہے۔ مگر بچہ سب سے پہلے والناس کو حفظ کرتا ہے۔ دیکھیے! اس کے فواصل کو کس طرح ایک حرف سین کے ساتھ لایا گیا۔ سین حروف صفیرہ میں سے ہے۔ جو بچہ کے لیے دلچسپی اور پسندیدگی کا باعث ہے، اور آیات پر بھی نظر دوڑا دیئے کہ کس تناسب کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آیات ہیں تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو اور بچہ شوق سے اس کو یاد کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب آیت کریمہ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ" (التحریم) نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات حضرات صحابہ کرام کے سامنے اس کی تلاوت فرمائی، تو ایک نوجوان بے ہوش ہوکر گر پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر اپنا دست مبارک رکھا، تو دل تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوان! "لا الہ الا اللّٰہ" کہہ دو، اس نے کہہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے بشارت ہو جنت کی۔ اس کے ساتھیوں نے کہا، صرف اس کو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا:

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ﴾ [ابراهيم: ١٤]

"یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور میری وعید کے ڈر سے۔"

قرآن کریم کے بچوں کے دلوں پر اثر انداز ہونے کی ایک اور مثال سن لیجئے۔ امام عبد الوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بچپن کے زمانے میں ایک مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں غور وفکر کرتا رہا، آخر کار میں نے اللہ تعالیٰ کو کسی پر قیاس کیا۔ پھر قرآن کریم کی اس آیت پر نظر پڑی، جس سے میرا ذہن صاف ہوگیا۔ آیت یہ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ [الشوریٰ]

"کوئی چیز اللہ کی مثل نہیں، وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی۔"

کم عمری میں حفظ کرنے والے بچوں کے چند نمونے:

والدین اور اساتذہ کے لیے یہ واقعات رہنما کا درجہ رکھتے ہیں، ان سے بچوں کے

حوصلے بلند ہوں گے۔ بچپن میں حفظ قرآن کا شوق مزید بڑھے گا اور جلد یاد کرنے اور محنت کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

① امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا، اور دس سال کی عمر میں مؤطا امام مالک کو حفظ کرلیا تھا۔ (طبقات الحفاظ ١٥٤)

② سہل بن عبد اللہ التستری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، میں حفظ قرآن کے لیے مکتب چلا جاتا۔ اور چھ یا سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔ (احیاء العلوم)

③ ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے دس سال کی عمر میں قرآن کریم کے علوم میں پختگی حاصل کرلی تھی۔

④ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق شیخ یاسین ابن یوسف فرماتے ہیں۔ میں نے نووی کو دس سال کی عمر میں نویٰ شہر میں دیکھا کہ بچے ان کو اپنے ساتھ کھلانے کو پسند نہیں کرتے اور وہ ان سے بھاگ رہا ہے نہ کھلانے پہ رو رہا ہے مگر زبان پر اس وقت بھی تلاوت جاری ہے تو ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ان کی محبت میرے دل میں پیدا ہوگئی اور ان کے والد ان کو اپنے ساتھ دکان میں بٹھاتے تھے، مگر وہ قرآن کی تلاوت کی وجہ سے خرید و فروخت کی طرف توجہ نہیں دیتے تھے، ایک دن میں ان کے استاد کے پاس چلا گیا۔ ان سے میں نے کہا: اس بچے کا بطور خاص خیال کرنا، مجھے لگتا ہے کہ یہ بچہ اپنے زمانے کا بہت بڑا عالم ہوگا اور سب سے بڑا زاہد و عابد ہوگا، اِس سے ایک جم غفیر مستفیض اور مستفید ہوگا، استاد نے کہا تمہیں کیسے پتہ چل گیا؟ کیا تم نجومی ہو؟ میں نے کہا: نہیں، میں نجومی نہیں ہوں، مگر یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر جاری فرمادیئے۔ استاد نے میری یہ گفتگو ان کے والد کو بتائی۔ چنانچہ ان کے والد نے ان کی طرف توجہ دی، حتیٰ کہ قرآن کریم حفظ مکمل کرلیا۔ (طبقات الکبریٰ)

⑤ اب ایسے بچے کا تذکرہ ہے جو سترہ سال میں قرءات سبعہ کا مکمل عالم بنا۔ وہ مشہور و معروف قاری علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ڈاکٹر عبد الحی الفرماوی ان کے حالات میں لکھتے ہیں: تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابن الجزری رحمہ اللہ کے والد تاجر تھے، بیٹے کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے دعا کو شرف قبولیت بخش کر، بیٹا عطا فرمایا، اس کی اچھی دینی، علمی اخلاقی تربیت پر خوب توجہ دی۔ یہی وجہ ہے کہ گھر والوں کی بھرپور توجہ سے حفظ مکمل کرلیا۔ اس وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی۔ پھر حفظ حدیث اور حفظ قراءت شروع کیا اور قرآن کریم کی ساتوں قراءتوں پر عبور حاصل کرلیا بلکہ قرآن کی تعلیم کے شوق نے ان کو بلاد شام کے سب سے بڑے شیخ القراءات کے پاس پہنچا دیا۔ اس طرح شیخ القراء ابن اللبان سے سترہ سال کی عمر میں قراءاتِ سبعہ کی تعلیم حاصل کرلی۔

⑥ بچوں کے شوق اور بچپن میں قرآن کی طرف راغب ہونے کی برکات کے متعلق ایک اور بچے کی حالت ملاحظہ کیجئے۔ علامہ ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ کے متعلق ان کے صاحبزادے نے لکھا ہے۔ انتہائی کم عمر میں حفظ قرآن مکمل کرلیا اور اپنے والد کے ساتھ تجارت میں اس غرض سے شامل ہوئے کہ بیع وشراء کے طریقے سیکھ لے۔ ایک مرتبہ دکان میں بیٹھ کر تلاوت کر رہے تھے۔ ایک اجنبی آدمی آیا، اس نے ان کو قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھ کر کہا ایسا نہ کرو، بلکہ ڈانٹ دیا اور کہا کہ اس طرح نہ پڑھا کرو، اور کہا کہ اس طرح قراءت جائز نہیں ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) یہ تجارت اور بیع وشراء کا مقام ہے۔ لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔ تمہاری قراءت کو نہیں سن سکیں گے، وہ بھی گنہگار اور تم بھی گناہ گار ہوتے ہو، اور (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس قراءت کو نہیں جانتے۔ یہ بات سن کر اسی وقت اس مقام سے اٹھے اور لوگوں سے پوچھا کہ اس وقت زمانے کا سب سے بڑا قاری ومقری کون ہے، ان کو بتلایا گیا کہ اس وقت شیخ سعید الحموی ہے۔ چنانچہ سیدھا ان کے حجرے میں پہنچ گئے۔ عرض کیا مجھے قرآن کی قراءات کے احکام اور تجوید وقراءت پڑھا دیں۔ زمانہ قبل از بلوغ کا ہے، ابھی تک وہ بالغ نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ ان سے

"المیدانیه" الجزریه، الشاطبیه، بڑی سمجھ اور پختگی کے ساتھ تمام قراءات مع توجیہات پڑھیں۔ (الشامی)

انتہائی کم عرصے میں حفظ قرآن کا عجیب واقعہ:

ابراہیم بن سعید الجوہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، میں نے چار سال کے بچے کو قرآن پڑھتے دیکھا۔ جس کو مامون کے دربار میں لایا گیا تھا۔ سمجھ کے لحاظ سے ایسا تھا کہ جب بھوک لگ جاتی تو رو پڑتا۔ (الکفایة: ص۱۱٦،۱۱۷)

ابومحمد عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمٰن الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، میں نے پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ چار سال کی عمر میں مجھے ابوبکر المقری کے پاس لے جایا گیا، وہاں مجلس میں کسی شخص نے کہا کہ یہ چھوٹا ہے، اس سے نہ سنا جائے، مگر استاذ ابوبکر المقری نے مجھ سے فرمایا: سورہ تکویر پڑھو، میں نے پڑھی، کسی اور نے کہا: سورۃ مرسلات پڑھو، میں نے وہ بھی پڑھی، اس میں بھی میری کوئی غلطی نہیں آئی تو ابوبکر المقری نے کہا، کوئی بات نہیں ہے اس کا قرآن سنا کرو۔ (الکفایة للخطیب البغدادی)

بچہ کو کب قرآن کی تعلیم شروع کرانی چاہیے:

ابوعاصم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، میں اپنے بیٹے کو تین سال کی عمر میں ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گیا، اس کی عمر تین سال سے کم تھی، میں نے کہا، آپ سے قرآن و حدیث سنتا رہے گا، فرمایا: اس عمر میں قرآن و حدیث پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

شاگرد کو انعام سے نوازنا:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت حماد نے جب سورہ فاتحہ مکمل حفظ کر لی تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو پانچ درہم نقد انعام دیا۔ یاد رہے، اس زمانے میں ایک درہم میں ایک مینڈھا مل جایا کرتا تھا۔ غور کریں صرف سورۃ یاد کرنے پر کتنے بڑے انعام سے نوازا! اور فرمایا: میرے بیٹے! جو کچھ سیکھ لیا اس کو کم نہ سمجھو، اگر میرے پاس اس سے زیادہ دراہم

ہوتے تو قرآن کریم کی تعلیم کے لیے وہ بھی تمہیں دے دیتا۔ (فتح باب العناية ص ۱۹)

ایک مرتبہ عظیم اسلامی سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی فوجی چھاؤنی میں گشت کر رہے تھے، دیکھا ایک بچہ قرآن پڑھ رہا ہے، اور اس کی عمر انتہائی کم ہے، اپنے باپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی قراءت بڑی اچھی لگی، قریب جا کر سن لیا۔ انعام کے طور پر اپنے خصوصی کھانے میں سے اس کے لیے حصہ مقرر کیا اور اس کے والد کے لیے اپنی خاص زمین میں سے ایک حصہ مقرر کیا۔ (النوادر السلطانية ص ۹)

اسلامی ممالک کے مدارس:

اسلامی ممالک میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ تمام لوگوں نے اپنے بچوں کو علوم قرآن سے روشناس کرانے کے لیے مدارس اسلامیہ کا رخ کیا۔

بعض مدارس میں ہزاروں طلبہ داخل درس رہے، ضحاک بن مزاحم کے متعلق آتا ہے کہ وہ اپنے مدرسہ میں طلبہ کی نگرانی سواری پر سوار ہو کر کرتے تھے۔

(اصول الحديث للخطيب ص ١٤٥)

بچہ کو قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ دوسرے علوم کی بھی تعلیم دینا:

اسلامی ممالک کے مدارس میں طریقہ تعلیم مختلف رہا ہے۔ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض شہروں میں قرآن کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم کی تعلیم کا رواج ہے۔ البتہ ان علوم کو وہ جزوی حیثیت دیتے ہیں اور بعض ممالک میں دونوں کے لیے برابر وقت دیتے ہیں، تفصیل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

[۱]: ''مغربی اسلامی ممالک ابتداءً صرف قرآن کریم کی تعلیم پر اکتفاء کرتے ہیں، ساتھ ساتھ رسم قرآن، قراءات، اور علوم قرآن کے علاوہ دوسرے علوم مثلاً حدیث، فقہ، شعر، اور علم کلام وغیرہ نہیں پڑھاتے۔''

[۲]: افریقی ممالک میں مدارس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم بھی پڑھاتے تھے۔ مگر اولیت قرآن و حدیث کو دیتے ہیں باقی کو جزوی طور پر پڑھاتے

ہیں۔ قراءات، علوم قران، رسم قرآن پر بحث کرتے ہیں اور اس پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

۳: اہل اندلس کا طرز تعلیم یہ ہے کہ وہ قرآنی علوم چاہے رسم سے ہو یا قراءات یا معانی سے ہو اس پر زیادہ توجہ دیتے ہیں ان کو مکمل طور پر حاصل کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ عربی اشعار، عربی صرف ونحو، انشاء پردازی، وغیرہ بھی ان کے ہاں شامل نصاب ہے۔

۴: اہل مشرق کا بھی تقریباً وہی طریقہ ہے جو اندلس والوں کا ہے۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم فقہ، حدیث، صرف ونحو، بلاغت، منطق وغیرہ۔ یہ نصاب تعلیم ان ابتدائی طلبہ کے لیے تھا جو آگے جا کر علوم شرعی مکمل نہیں پڑھتے بلکہ عصری علوم پڑھتے ہیں اور ان طلباء کے لیے جو آگے جا کر مکمل طور پر علوم شرعی پڑھتے ہیں۔ ان کے لیے ابتداءً حفظ قرآن از بس ضروری ہے۔ اس کے ساتھ اور کوئی پڑھائی میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ صرف حفظ پر توجہ دینی چاہئے۔ حفظ قرآن کے بعد پھر دوسرے علوم کی ابتداء کرنی چاہیے۔

پانچواں اصول:

عقیدے پر ثابت قدمی اور اس کی خاطر جان قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرنا

عقیدے کو قلب ودماغ میں پیوست کرنے کے لیے قربانی کا جذبہ بھی طالب علم کے اندر پیدا کرنا چاہیے۔ جب نفس میں عقیدے پر تکالیف اور مخالف ہواؤں کے زبردست ٹکرانے کے باوجود بھی تزلزل نہ ہو تو یہ اس کے پختگی کی علامت ہے۔ یہی وہ عظیم صفت ہے جس کو استقامت کہا جاتا ہے۔ آج مسلمان بچوں کے لیے آگے جا کر بڑے بڑے چیلنجوں کا سامنا ہے، مدارس اور جامعات میں مختلف الذہن لوگوں کے ساتھ ملاقات اور نشست و برخاست ہوتی ہے اور عقیدے کی حفاظت ایسے ماحول میں قربانی کے جذبہ کے بغیر مشکل ہے، جب عقیدے کی پختگی کی بنا پر اس کے لیے قربانی دیتا ہے تو ایمان کی حلاوت ولذت محسوس کرتا ہے اور اس کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔ آج کل اس جذبہ قربانی کو بچوں کے

دل میں پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زمانے کے نت نئے فتنوں اور سازشی ذہنوں کا مقابلہ دشوار ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عقیدے کے لیے قربانی دینے سے ایمان میں پختگی، روح میں تازگی، اہمیت میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کی قربانیوں کا ذکر کر کے ان کے دل ودماغ میں یہ چنگاری پیدا کی جاسکتی ہے، جب یہ صفت پیدا ہو جائے تو ایمان کے تقاضے پر عمل کرنے میں ملامت گر کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس سلسلے میں بچوں کی قربانی کے چند واقعات ملاحظہ کیجیے۔

اصحاب اخدود کا واقعہ:

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا ایک ساحر (جادوگر) تھا۔ جب وہ بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ کوئی لڑکا میرے پاس بھیج دیجیے جو مجھ سے یہ علم سیکھ لے، بادشاہ نے ایک لڑکے کو اس کام کے لیے مختص کر کے اس کے پاس بھیجا، ساحر اور بچے کے گھر کے درمیان راستے میں ایک راہب بھی رہتا تھا۔ بچہ ساحر کے پاس جاتے وقت راستے میں تھوڑی دیر کے لیے راہب کے پاس ٹھہر جاتا۔ کبھی آنے جانے میں دیر بھی ہو جاتی، ساحر کے پاس دیر سے پہنچ کر کہہ دیتا کہ گھر میں کسی ضرورت کی وجہ سے تاخیر ہوگئی، اور گھر تاخیر سے پہنچ کر ساحر کے پاس سے دیر ہونے کا بہانہ بناتا۔ اس طرح ایک دن ساحر کے پاس جا رہا تھا کہ دیکھا راستہ میں بڑے جانور (شیر یا درندہ) نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا ہے۔ بچہ نے یہ کہہ کر اس کی طرف پتھر پھینک دیا کہ یا اللہ ساحر کے کام کے مقابلے میں اگر راہب کا کام آپ کو پسند ہے تو اس جانور کو مار دے، تاکہ لوگ آسانی سے گزر سکیں۔ جانور مر گیا، اور لوگ چلے گئے، لڑکے نے راہب کو اس کی اطلاع دی۔ راہب نے کہا: بیٹے! اب تم مجھ سے برتر ہو گئے ہو، اور جو میں سمجھتا تھا وہ ہو گیا، اب آپ آزمائشوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ ابتلاء کے زمانے میں میرا نام کسی کو نہ بتانا۔

لڑکے کے اندر یہ کمال پیدا ہوا کہ مادر زاد نابینوں کو اور بیماروں کو دعا کے ذریعے ٹھیک

کرتا۔ اس کی شہرت ہوگئی، حتیٰ کہ بات بادشاہ کے وزراء تک پہنچ گئی۔ بادشاہ کا ایک مصاحب نابینا ہوگیا تھا۔ اس کو پتہ چلا تو لڑکے کے پاس حاضر ہوا۔ دعا کی درخواست کی اور بہت سارے تحائف پیش کیے۔ اور کہا اگر آپ نے مجھے ٹھیک کیا تو اور بھی بہت سارے مال و دولت سے نوازوں گا۔ لڑکے نے کہا: میں کسی کو ٹھیک نہیں کرتا، ٹھیک کرنے والے اور شفا دینے والے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہیں، لہٰذا اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ، تو میں دعا کروں گا، اللہ تجھے شفا دے گا۔ اس نے قبول کیا۔ ایمان کی دولت سے مشرف ہوا، آنکھیں ٹھیک ہوگئیں، پہلے کی طرح روشنی آ گئی۔ بالکل ٹھیک ہوکر بادشاہ کے دربار میں حسب معمول حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کہا تمہاری بینائی کس نے لوٹائی؟ اس نے کہا: میرے رب نے، بادشاہ نے کہا: کیا میرے علاوہ بھی تمہارا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا، ہاں، وہ میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی رب ہے۔ بادشاہ اس کو پکڑ کر مسلسل ایذا پہنچاتا رہا اور عذاب دیتا رہا، حتیٰ کہ وہ لڑکے کا نام بتانے پر مجبور ہوا اور اس کی نشاندہی کردی۔ بادشاہ نے لڑکے کو پکڑ کر سخت سزا میں مبتلا کردیا۔ پہلے تو اس سے کہتا، ارے بیٹے! تیری تو بڑی شہرت ہوگئی ہے کہ تم مادر زاد گونگوں، بہروں اور اندھوں کو شفا دیتا ہے؟ لڑکے نے کہا: میں تو کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ پھر اس کو پکڑ کر سخت عذاب میں مبتلا کردیا۔ آخر کار لڑکے نے راہب کی طرف نشاندہی کردی، راہب کو حاضر دربار کیا گیا اور اس سے اپنا دین چھوڑنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس نے انکار کیا، تو اس کو آدمی کے ذریعے اوپر سے نیچے گرا کر دو ٹکڑے کردیا۔

پھر بادشاہ کے اس مصاحب کو پیش کیا گیا، اس سے بھی اپنے عقیدے سے رجوع کا مطالبہ کیا گیا، اس کے انکار پر اس کے ساتھ بھی راہب والا سلوک کیا گیا، پھر لڑکے کو حاضر کیا گیا، اس سے بھی دین سے رجوع کرنے کا مطالبہ ہوا۔ اس نے حکم ماننے سے انکار کیا، بادشاہ نے چند لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ اور دین سے رجوع کرنے کا کہہ دو، مان لے تو ٹھیک ورنہ نیچے گرادو، وہاں پہنچ کر اس سے مذکورہ بالا مطالبہ کیا تو پہاڑ پر زبردست زلزلہ آیا تو لے جانے والے سارے ساحر گر کر مر گئے، مگر بچہ صحیح سالم واپس آ گیا۔

بادشاہ نے کہا: تیرے ساتھی کہاں ہیں؟ لڑکے نے کہا، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نمٹ لیا، پھر دوسرے لوگوں کے حوالے کرکے کہا: اسے لے جاؤ۔ دریا میں پھینک آؤ، وہاں لے گئے، جب دریا میں سے پھینکنے لگے تو لڑکے نے کہا"اللھم اکفنیھم بما شئت یہ کہنا تھا کہ ان کی کشتی الٹ گئی اور بچہ بھی بچ نکلا، اور بادشاہ کے پاس چلا آیا، بادشاہ نے کہا، تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں میری مدد فرمائی اور میرے لیے کافی ہوگیا۔ پھر بادشاہ سے کہا: تم ہرگز مجھے قتل نہیں کرسکتے۔ اِلاّ یہ کہ تم ایک میدان میں لوگوں کو جمع کرو، مجھے ایک تنے پر چڑھادو، اور میرے ترکش سے ایک تیر نکالو، کمان کے ساتھ لگا کر پھینکتے وقت کہہ دو، "بسم رب هذا الغلام" اس لڑکے کے رب کے نام سے۔ جب یہ عمل کروگے، تو مجھے مار سکوگے۔

بادشاہ نے لوگوں کو جمع کیا۔ اس کو کھجور کے تنے پر لٹکادیا پھر اس کے ترکش سے تیر نکال کر اللہ کا نام لے کر چلایا تو تیر اس کے کان پر لگ گیا تو وہ مرگیا۔ وہاں موجود لوگوں نے کہا: ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے، بادشاہ کے پاس آکر لوگوں نے کہا جس کا تمہیں اندیشہ تھا وہ ہوگیا۔ سب لوگ اللہ پر ایمان لے آئے، بادشاہ نے زبردست کنواں کھدوا کر اس میں سخت شعلہ ناک آگ جلائی اور ایمان لانے والوں کو اس میں ڈالنے اور جلانے کا حکم دیا اور کہا جو بھی اپنے دین سے رجوع نہیں کرے گا اس کو اس میں ڈال دے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی، یہاں تک کہ ایک عورت کو لایا گیا، اس کے ساتھ اس کا دودھ پیتا بچہ بھی گیا۔ عورت کنواں میں کودنے سے ہچکچانے لگی تو نومولود نے کہا: اماں! ثابت قدم رہو، تم ہی حق پر ہو، عبدالرزاق کی روایت میں ہے، آیت کریمہ ﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ﴾ سے لے کر "الحمید" تک آیات میں اسی کے متعلق بیان ہے۔ لڑکے کو قتل کرکے دفن کردیا گیا۔ کہا جاتا ہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی قبر ظاہر ہوگئی تھی۔ دیکھا گیا تو اس کی انگلی اسی طرح زخم پر لگی ہوئی تھی۔

۱ ......اطفال صحابہ کی قربانی کی چند مثالیں:

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر ایک عورت نے اپنے کم سن بیٹے کو تلوار دی، بچے سے تلوار اٹھائی نہیں گئی تو تلوار کو اس کی کمر کے ساتھ رسیوں سے باندھ کر خدمت نبوی میں پیش کیا گیا اور عرض کیا یارسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ کی طرف سے دشمن سے لڑے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یا بنی! احمل ھاھنا" بیٹے! یہاں سے اٹھاؤ، اس کو زخم لگا۔ نیچے گر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ای بنی لعلك جزعت" بیٹے! شاید کہ تم گھبرا گئے! عرض کیا یارسول اللہ! نہیں، ایسا نہیں ہوا۔ (کنز العمال ۵/۲۷۷)

۲ ......اپنے بچوں کی شہادت پر ماؤں کے خوش ہونے کی مثال:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حارثہ بن الربیع غزوۂ بدر میں شہید ہوئے، ان کی والدہ نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ کا میرے ہاں کتنا درجہ تھا، آپ مجھے بتائیے، کہ وہ کہاں ہے؟ اگر جنت میں ہے تو اس پر صبر کروں اور اگر کسی اور جگہ ہے تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کیا کروں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ام حارثہ! حارثہ ایک جنت میں نہیں بلکہ جنتوں میں ہے، وہ جنت الفردوس میں ہے۔

۳ ......بچوں کا اعداء رسول کو قتل کرنا:

اس کے متعلق واقعہ معوذ اور معاذ کا جو کم عمر تھے جنہوں نے ابو جہل کو بدر کی لڑائی میں قتل کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے گزرا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

۴ ......شوق جہاد میں بچوں کا رونا:

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، کہ وہ فرماتے ہیں۔ میرے بھائی عمیر بن وقاص رضی اللہ عنہ چھوٹے تھے، بدر کے غزوہ کے موقع پر حاضر ہوئے مگر

اس کی کم عمری کی وجہ سے حضور ﷺ نے ان کو واپس کر دیا تو رونے لگے۔ حضور ﷺ نے غزوہ میں شامل ہونے کی اجازت دے دی، وہ بدر کی لڑائی میں شہید ہوگئے، دوسری روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوہ بدر کے لیے چناؤ کے موقع پر میں نے اپنے بھائی عمیر کو دیکھا، وہ چھپ رہا ہے۔ میں نے پوچھا: بھائی تم کیوں چھپ رہے ہو؟ کہنے لگے: اس اندیشہ سے چھپ رہا ہوں، کہ کہیں رسول اللہ ﷺ مجھے دیکھ کر کم سن سمجھ کر جہاد میں شریک ہونے سے روک نہ دیے جاؤں! اور میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، اور شہادت کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہوں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس کی تلوار کا ھمیان اس کی کمر کے ساتھ باندھ دیا۔ غزوہ میں شریک ہوئے اور شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوئے، اس وقت اس کی عمر صرف سولہ سال تھی۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: غزوۂ احد کے موقع پر ہم حاضر ہوئے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کم عمری کی بناء پر شامل نہیں فرمایا۔ جن بچوں کو روکا گیا تھا ان میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (یعنی خود) براء بن عازب رضی اللہ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ، اور ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور جابر بن عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ (مستدرك حاكم ٢/٥٩)

جہاد کی تیاری میں بچوں کا کردار:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک غزوہ کے موقع پر ایک نوجوان نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، مگر میرے پاس جہاد کے سامان کی تیاری کے لیے کوئی اسباب موجود نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فلاں شخص کے پاس جاؤ، وہ جہاد کی تیاری کر چکا ہے مگر بیماری کی وجہ سے جا نہیں پا رہا تو وہ نوجوان لڑکا اس شخص کے پاس گیا اور کہا، حضور ﷺ آپ کو سلام فرما رہے ہیں، اور یہ فرما رہے ہیں کہ آپ نے جہاد کے لیے سامان تیار کر رکھا ہے وہ مجھے عطا کر دیں۔ اس نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ جہاد کے لیے میں نے جو سامان تیار کر رکھا تھا، وہ سب کا سب ان کو دے دیں۔ اس میں سے ایک چیز کو بھی اپنے پاس نہ رکھنا، اللہ کی قسم! اس میں اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور

برکت دے گا۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوات کے مواقع پر آپ ﷺ کی خدمت میں انصار کے لڑکوں کو پیش کیا جاتا، آپ کسی کو شامل فرماتے اور کسی کو واپس کردیتے۔ ایک مرتبہ میں بھی خدمت نبوی ﷺ میں پیش ہوا، تو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک لڑکے کو شامل ہونے کی اجازت دے دی اور مجھے اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔ تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کو آپ نے اجازت دے دی، مجھے اجازت نہ دی، اگر میں اس سے مقابلہ کروں تو اس کو پچھاڑ دوں۔ پھر میں نے اس سے مقابلہ کرکے پچھاڑ دیا تو آپ ﷺ نے غزوہ میں شرکت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

(عقود الجواهر المنيفة ٢/٩٧)، (مستدرك حاكم)

صحابہ رضی اللہ عنہم غزوات میں بچوں کو اپنے ساتھ رکھتے:

بخاری کی روایت ہے، حضرت عروہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بدن میں تین بڑے زخم تھے، ایک زخم کا نشان ان کے شانے پر موجود تھا۔ اگر میں چاہتا کہ اس میں ہاتھ ڈال دوں تو ڈال سکتا تھا، غزوۂ یرموک میں آپ کے ساتھیوں نے کہا: آپ ایک زبردست حملہ کردیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ حملہ کریں گے، فرمایا: اگر میں حملہ کردوں تو تم حملہ نہیں کرو گے۔ ساتھیوں نے کہا: نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ انہوں نے ایک زبردست حملہ کیا۔ دشمنوں کی صفوں کو چیرتے گئے۔ جب اپنے گھوڑے کو لگام دے کر واپس ہوئے، تو ان کے شانوں پر دو جگہ زخم تھے، حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، اس لڑائی میں عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی، ان کو ایک گھوڑے پر سوار کرکے ایک آدمی ان پر مقرر کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں اور عمر بن ابی سلمۃ غزوۂ خندق کے موقع پر ایک اونچی جگہ پر چل رہے تھے۔ وہ چلنے میں پیچھے رہتا، تو میں ایک نظر اس کی طرف دیکھتا، ایک نظر میدان جنگ کی طرف دیکھتا۔ یہ نمونہ ہے حضرات صحابہ کرام کا، کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے ساتھ لے جا کر جہاد کی تربیت دیتے، وہاں سستی، کاہلی کا تصور نہ تھا، بلکہ شریک جہاد

ہونے کے لیے اطفال صحابہ طرح طرح کے طریقے اپناتے، تاکہ ان کو کمزور نہ سمجھا جائے، شامل جہاد نہ کرنے پر کبھی رو رو کر شامل ہونے کی درخواست کرتے، اور کبھی اپنے قد کو اونچا دکھانے کے لیے پاؤں کی انگلیوں پر کھڑے ہوتے، اور کبھی کم عمری کو ظاہر نہ کرنے کے لیے سامنے نہ آتے، یہ تھا ان کا جذبہ جہاد، اور شوق خدمت دین جو والدین کی بہترین دینی تربیت کا ثمرہ تھا کہ دل میں آخرت کو سنوارنے اور شہادت کی نعمت سے بہرہ مند ہو کر آخرت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہونے کے لیے جانیں قربان کرتے۔

"ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔"

بابِ دوئم:

عباداتی تعمیر و تربیت

قال تعالیٰ:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾

[طٰه: ۱۳۲]

''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر ثابت قدم رہو ہم تم سے رزق کا مطالبہ نہیں کرتے تمہیں رزق ہم ہی دیتے ہیں آخرت کا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

تمہید

عبادت کا عقیدے کی پختگی اور تکمیل میں بڑا عملی دخل ہے۔ کیوں کہ عبادت، عقیدے کو روحانی غذا مہیا کرتی ہے۔ جس سے عقیدے کی روح میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب بچہ اذان کی آواز کی طرف متوجہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالائے گا تو اس کی فطری جبلت جس پر وہ پیدا ہوا ہے (یعنی فطرت اسلام) اس میں مزید طاقت پیدا ہوگی اور ایمان اس کے قلب میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا۔

اسی بات کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے ڈاکٹر سعید رمضان البوطی کہتے ہیں:

"عقیدے کے پودے کو نفس کی سرزمین میں کاشت کر کے اس کو تناور درخت بنانے کے لیے عبادت کے پانی سے سیراب کرنا از بس ضروری ہے۔ اسی عبادت کے پانی سے عقیدہ نفس میں پروان چڑھے گا۔ سرسبز و شاداب ہوگا اور بادِ مخالف کے تھپیڑوں سے محفوظ رہے گا۔" (تجربة التربية الاسلامية ص: ٤٠)

پہلا اصول:

نماز ادا کرنا

بچہ اگر چہ شرعی احکام کا مکلّف تو نہیں مگر بچپن کا زمانہ مستقبل میں بہترین انسان بننے کا زمانہ، اور احکام شرعیہ کا مکلّف ہونے پر بہترین انداز سے احکام بجالانے کا زمانہ اور مرحلہ ہوتا ہے۔ بچپن میں عبادت کی عادت ڈالنے سے بڑے ہو کر عبادت، سہل اور آسان ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرائض اور عائد کردہ واجبات کی بجا آوری نفس پر گراں نہیں گزرتی اور زندگی کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے لیے بہترین تیاری ہوتی ہے، عبادت بچے کے نفس میں عجیب اثر ڈالتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تقرب کا شعور دلاتی ہے، عبادت ہی نفسی خواہشات کو لگام دے کر اس کو سیدھا کر دیتی ہے، عبادت کی وجہ سے کثافت نفس میں کمزوری

اور ضعف پیدا ہوتا ہے اور روح کو طاقت ملتی ہے، بدن میں خشوع پیدا ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی عبادات کے بہت سارے اسرار ہیں جو بچہ کے اندر پیدا کرتی ہے، نبوی طرز تربیت اسی وجہ سے تمام طریقہ ہائے تربیت سے ممتاز اور فائق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عبادت الٰہی پر پروان چڑھنے والے جوانوں کو زبردست بشارت دی۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ما من ناشیء ینشأ فی العبادة حتی یدرکه الموت الا اعطاه الله اجر تسعة وتسعین صدیقاً .)) (طبرانی)

''عبادت پر پروان چڑھنے والا عبادت الٰہی پر موت کے آغوش میں چلا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ۹۹ صدیقوں کا اجر عطا فرماتا ہے۔''

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، بچے کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، گناہ نہیں۔

اگلے سطور میں عبادت پر بچوں کی تعلیم و تربیت کی نبوی تعلیمات کا مختصر نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

❶ نماز کا حکم:

اس میں سب سے پہلے بچے کو نماز کی طرف راغب کرنا ہے۔ نبوی تعلیم یہ ہے کہ بچہ جب دائیں بائیں کو سمجھنے لگے تو اس کو اپنے ساتھ نماز کے لیے کھڑا کر دیا جائے، چنانچہ عبد اللہ بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اذا عرف یمینه من شماله فمروه بالصلوة .)) (طبرانی)

''بچہ جب اپنے دائیں اور بائیں کو سمجھنے لگے تو اس کو نماز کا حکم کرو۔''

دوسری روایت بھی عبد اللہ بن حبیب الجہنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ ہشام بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ہم عبد اللہ بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر گئے، انہوں نے اپنی بیوی سے پوچھا: بچہ کس عمر میں نماز پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے؟ کہنے لگی: ایک صحابی نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا، تو فرمایا:

((اذا عرف یمینه من شماله فمروه بالصلوٰة .))

''جب بچہ دائیں بائیں میں فرق کرلے تو اس کو نماز کا حکم دو۔''

2 بچے کو نماز سکھانا:

سات سال کی عمر کے بعد بچوں کو نماز کے فرائض، واجبات وسنن سے آگاہ کیا جائے۔

روایت میں حضرت سبرہ بن معبد الجہنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مروا الصبی بالصلوة اذا بلغ سبع سنین فاذا بلغ عشر سنین فاضربوه علیها .)) (ابوداود)

''بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز پڑھنے کو کہو، اور جب دس سال کا ہوجائے (نماز نہ پڑھے) تو مارو۔''

ترمذی کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((علموا الصبی الصلوة ابن سبع سنین واضربوه علیها ابن عشر .))

اسی طرح دارقطنی (۲۳۰/۱) میں آپ ﷺ کا ارشادگرامی موجود ہے:

((مروا صبیانکم بالصلوة لسبع ، واضربوهم علیها لعشر .))

حضور ﷺ خود بھی بچوں کو نماز سکھاتے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے بچپن میں یہ کلمات وتر میں پڑھنے کے لیے تعلیم فرمائی:

((اللهم اهدنی فیمن هدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارك لی فی ما اعطیت وقنی شر ما قضیت فانك تقضی بالحق ولا یقضی علیك فانه لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت .))

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہمارے ہاں ایک لڑکا تھا، افلح اس کا نام تھا۔ جب وہ سجدے میں جاتا تو جائے سجدہ کو پھونک مارتا، حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا:

((یا افلح ترّب وجهك .)) (صحیح ابن خزیمه ۱۵۲/۲)
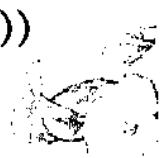
''افلح اپنا چہرہ خاک آلود کرو۔''

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

''میں بچوں کے درمیان کھیل رہا تھا۔ اتنے میں اذان ہوگئی ہم نے اذان کی نقل اتاری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا دوسرے لڑکے بھاگ گئے، میں کھڑا رہا، آپ نے مجھے اذان دینے کو کہا، میں نے اذان دی مگر اشھد ان محمدا رسول اللہ آہستہ کہا، آپ نے میرے سر کے بال پکڑ کر فرمایا۔ باآواز بلند کہہ دو تو میں نے دوسری بار باآواز بلند کہہ دیا۔ اس وقت آپ کی محبت میرے قلب میں موجزن ہوگئی۔ جب کہ اس سے قبل میں آپ سے نفرت کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذان کے یہ کلمات کہو۔''اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اشھد ان لا الہ الّا اللہ دو مرتبہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ دو مرتبہ، حیّ علی الصلوۃ دو مرتبہ، حیّ علی الفلاح دو مرتبہ اور اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لا الہ الا اللّٰہ۔'' اور فرمایا: جب صبح کی اذان دو تو ''الصلوٰۃ خیر من النوم، الصلوٰۃ خیر من النوم'' بھی کہو دو اور جب اقامت کہو، تو دو مرتبہ ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہہ دو۔''

(دار قطنی، مسند احمد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز شروع کرنے سے پہلے اعلان فرماتے کہ بچوں کو پچھلی صفوں میں کرو۔

ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وقت ہمارے کندھوں کو برابر کر کے فرماتے:

((استووا، ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم لیلنی منکم اولو الاحلام والنھٰی، ھم الرجال البالغون ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم.)) (مسلم)

''صفوں کو برابر کرو، صفوں کو ٹیڑھا مت کرو، صف کے ٹیڑھی ہونے سے تمہارے قلوب میں ٹیڑھا پن آئے گا، بالغ حضرات میرے قریب صفوں میں کھڑے ہوں، پھر ان کے قریب پھر ان کے قریب کے لوگ۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یا بنی ایاك والالتفات فی الصلوة فان الالتفات في الصلوة هلكة فان كان ولا بدففی التطوع لا فی الفريضة.)) (ترمذی)

''اے میرے بیٹے! نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے بچو، کیوں کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا ہلاکت ہے۔ اگر ایسا کرنا انتہائی مجبوری ہو تو نفل میں ہو فرائض میں نہیں۔''

حضرات صحابہ کرام نے اس منہج نبوت پر اپنی زندگیوں کو استوار کر رکھا تھا۔ خود اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت نہج نبوت پر کرنے کی از حد کوشش کرتے۔

دیکھیے! حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، میرے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے وضو کا پانی لے کر حاضر ہونے کے لیے فرمایا۔ میں نے پانی آپ کے قریب کر دیا۔ آپ نے وضو کا طریقہ مجھے سکھلایا۔ پہلے ہاتھوں کو کلائیوں تک تین بار دھویا۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی لے کر تین بار کلی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا، پھر تین بار چہرے کو دھویا۔ پھر دائیں ہاتھ کو کہنیوں سمیت تین بار دھویا۔ پھر اسی طرح بائیں ہاتھ کو دھویا، پھر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا، پھر دائیں پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا۔ پھر بائیں پاؤں کو دھویا۔ پھر کھڑے ہوگئے فرمایا: پانی پکڑا دو، میں نے پانی کا برتن آپ کے ہاتھ میں دیا۔ وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے کھڑے ہو کر پی لیا۔ کھڑے ہو کر پینے کی وجہ سے میں متعجب سا ہو گیا تو مجھے دیکھ کر فرمایا: تعجب نہ کرو، میں نے تمہارے نانا ابو (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس طرح وضو فرماتے اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو اس طرح کھڑے ہو کر نوش فرماتے۔

بچہ کا اپنے بڑے کے وضو کو اس طرح دیکھنا اس کو سیکھنے میں بڑا مؤثر ہوتا ہے اور عملی طور پر کرنے سے اس سے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتا ہے۔

مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت امام مالک حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے صفیہ بنت ابی عبید کو وضو کرتے دیکھا ہے، جب وہ سر کا مسح کرتی تو دوپٹے کو سر سے ہٹا کر مسح کرتی۔ (مصنّف عبد الرزاق ١/١٨)

دیکھیے! حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو ماثور دعائیں سکھاتے ہیں، ان کے بیٹے مصعب بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ہمارے والد بطور خاص پانچ باتیں ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بتایا کرتے تھے۔ وہ یہ ہیں:

((اللّٰھم انی اعوذبك من البخل والجبن واعوذبك ان اردّ الی ارذل العمر، وأعوذبك من فتنة الدنیا، واعوذبك من عذاب القبر.)) (مسند ابویعلی ٢/٧٢)

آخر میں ہم اس بحث کو ایک عظیم جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نصیحت پر ختم کرتے ہیں جو والدین کے لیے بچوں کی تعلیم وتربیت میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اپنی اولاد کو نماز کی محافظت کی عادت ڈلواؤ، اور اچھی باتوں اور کاموں کا عادی بناؤ پھر خیر اور نیکی کی عادت بن جاتی ہے۔" (بیهقی ٣/٨٤)

❸ نماز کا حکم دینا اور نہ پڑھنے پر مارنا:

یہ عمل دس سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے بچہ اگر نماز پڑھنے میں کوتاہی کرے، یا اس کو اہمیت نہ دے، یا ادائیگی میں سستی و کاہلی سے کام لے تو اس وقت والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ بچے کی سرزنش کریں، سزا دیں اور اس کو متنبہ کریں، کہ اس نے شیطان کا راستہ اختیار کر کے حق اللہ پر حق نفس کو ترجیح دی، اور ظلم کا ارتکاب کیا۔ کیوں کہ بچہ کے اندر فطری طور پر اوامر اللہ کی پابندی کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ شیطان نے اس میں خلل ڈال کر اس عنصر میں کمی پیدا کر دی۔ جس پر اس نے شیطان کے کہنے پر عمل کیا، فطرت کے اصلی تقاضے کو ترک کر دیا اور نماز نہ پڑھنا اس فطری تقاضے میں کمی واقع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے تو اس مرحلے پر نہج نبوت کے مطابق اس کا علاج ضروری ہے، وہ ہے ہلکی پھلکی ضرب سے

تنبیہ کرنا، اس مرحلے میں اس کوتاہی پر مارنے کی وجہ بھی بتائی جائے۔ بلکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک جو اس کے متعلق ہے اس کو سنایا جائے۔

((مروا اولادکم بالصلوة وهم ابناء سبع واضربوهم عليها وهم ابناء عشر وفرقوا بينهم في المضاجع .)) (ابوداود)

''بچہ جب سات سال کا ہوجائے تو اسے نماز پڑھنے کا کہو اور جب دس سال کا ہوجائے نماز ترک کرنے پر مارا کرو، اور ان کے بستر جدا کردو۔''

بچے کے بالغ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک عقلی لحاظ سے ہے۔ دوسرے بدنی لحاظ سے، بچہ سات سال کی عمر میں عقل سے کام لینا شروع کرتا ہے اور دس سال کی عمر میں عقل کی تکمیل کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ دس سال کا بچہ عاقل شمار ہوتا ہے بشرطیکہ مزاج میں سلامتی ہو، اپنا نفع نقصان سمجھ سکتا ہے۔ تجارت اچھی طرح کرسکتا ہے یا اس قسم کے کام کرنے پر قادر ہوتا ہے اور بدنی بلوغ کے ذریعے سے جہاد، حدود، مؤاخذے، مشکلات برداشت کرنا، اور عقل پچیس سال کی عمر میں جا کر کامل ہوتی ہے۔ اس کی ابتداء ظہور احتلام سے ہوتی ہے اور زیر ناف بال اُگنا بھی اس کی علامات میں سے ہے، چونکہ نماز کے دو اعتبارات ہیں ایک یہ کہ انسان اور اس کے مولیٰ حقیقی کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے، انسان کو اسفل السافلین سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ بلوغ اوّل پر نماز کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا یہ کہ باعتبار اسلامی شعائر ہونے، اور اس پر مواخذہ کئے جانے اور نہ پڑھنے پر اس کا جبراً حکم بلوغ ثانی پر دیا گیا ہے۔

4 باجماعت نماز پڑھنے کی مشق کرانا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن پر ہر ایمان رکھنے والے پر جمعہ کی نماز کو فرض کیا ہے، سوائے کہ مسافر، یا غلام یا بچے یا بیمار کے، اگر غافل ہوکر تجارت کی وجہ سے لاپرواہی کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے پرواہ اور لائق تعریف ہے۔ (ابوداود)

البتہ بچے کی نماز نفل ہے۔ لیکن جمعہ کی نماز میں حاضر باش رہنے کے بہت سارے فوائد ہیں۔ من جملہ ان میں سے چند ذکر کئے جاتے ہیں:

۱: نماز پڑھنے کی عادت پڑ جائے گی۔

۲: جمعہ کی تقریر، اللہ اور اس کے رسول کی باتیں سننے سے اس کے اندر موجود فطری احساس اجاگر ہو جائے گا۔

۳: مسلمانوں کے اجتماعات میں شرکت کے آداب سے واقف ہوگا۔ والد کے تعارف والے لوگوں سے بھی واقفیت پیدا ہوگی۔

۴: جمعہ کے دن دعاء کی قبولیت کی وہ خاص ساعت بقول بعض علماء خطبہ جمعہ کا وقت ہے وہ بھی اسے نصیب ہوگی۔

۵: جمعہ کی ادائیگی سے ایمان کو غذا، روح کو قوت پہنچتی ہے۔

۶: امت کے علماء کا تعارف ہوگا، ان کی زندگی سے اثر لے گا اور اس کے ذہن و روح پر اچھا اثر پڑے گا۔

۷: نمازِ جمعہ سے کردار و شخصیت کے تمام عناصر (عقیدہ، عبادت، اجتماعی، علمی، جسمانی، صحت اور اخلاقی) کی تکمیل ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

5 نماز تہجد پڑھنے کا نمونہ:

حضرات صحابہ کرام کے بچے صرف پانچ وقتہ نمازوں پر ہی اکتفا نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ نوافل اور تہجد کا بھی ان کے ہاں اہتمام تھا۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں، میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رات گزاری، اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف فرما تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غور سے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھا کر گھر تشریف لائے، چار رکعات نماز پڑھی، پھر سو گئے، رات کے کچھ حصہ میں بیدار ہوئے، اور فرمایا "غُـلَیِّـم" (چھوٹا لڑکا) سو رہا ہے، آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، میں بھی وضو کر کے

آپ ﷺ کے بائیں پہلوں میں کھڑا ہوگیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے دائیں طرف کھڑا کردیا۔ (بخاری)

دیکھیے! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کس طرح غور سے آپ ﷺ کے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ اس وقت عمر کے لحاظ سے کافی کم عمر تھے۔ پھر آپ ﷺ کے انداز تربیت کو دیکھیے کہ آپ ﷺ کو خاموشی کے ساتھ پکڑ کر بائیں سے دائیں طرف کھڑا کردیتے ہیں۔ (ﷺ)(فداہ ابی وامی)

جی ہاں! آپ ﷺ کی شان اقدس ہی ایسی تھی کہ آپ ﷺ بڑوں کے ساتھ اور چھوٹوں کے ساتھ نماز پڑھتے، مسلمانوں کے گھر تشریف لے جا کر ان کو فرحت وسرور کی نعمت سے نوازتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے ساتھ نماز پڑھی، چنانچہ آپ کے ساتھ نماز میں مَیں میری والدہ اور میری خالہ شامل ہوئیں، مجھے آپ نے دائیں طرف کھڑا کردیا، میری والدہ اور میری خالہ کو پیچھے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ (مسند احمد)

بچوں کے ان عجیب قصوں میں سے ابویزید طیفور اور اس کے والد کے درمیان مکالمہ بھی ہے۔

شیخ ابن ظفر المکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابویزید طیفور ابن عیسیٰ بسطامی نے جب آیت کریمہ ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ کو یاد کرلیا تو اپنے والد صاحب سے عرض کیا: اباجان! اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں "قم اللیل" فرمارہے ہیں وہ کون ہیں؟ والد نے کہا: بیٹے! وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ابویزید بسطامی نے کہا: اباجان! تو پھر آپ وہ عمل کیوں نہیں کرتے...... جس کو آپ ﷺ نے کیا؟ والد نے کہا: بیٹے! تہجد کی نماز صرف آپ ﷺ پر فرض ہے، آپ ﷺ کی امت پر نہیں، ابویزید خاموش ہوگئے، پھر جب یہ آیت کریمہ یاد کرلی ﴿اِنَّ رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ﴾ "بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم رات کی دو تہائی کے قریب یا نصف رات یا ایک تہائی رات میں اٹھتے ہو۔" تو اپنے والد سے پوچھا: والد

محترم! میں یہ بات سن چکا ہوں کہ ایک طائفہ (جماعت) بھی جو رات کو نماز تہجد کے لیے اُٹھتی تھی، وہ کون لوگ ہیں؟ والد نے کہا: وہ حضرات صحابہ کی پاکیزہ جماعت تھی۔ عرض کیا: ابا جان! اس کام میں کوئی بھلائی نہیں جس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سرانجام دیں اور اس کو چھوڑا جائے، والد نے کہا: بیٹے! تمہاری بات بالکل درست ہے۔ اس کے بعد ان کے والد نے تہجد کی نماز کا مکمل اہتمام کیا۔ ایک مرتبہ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ رات کے وقت اٹھے، دیکھا کہ ان والد صاحب نماز پڑھ رہے ہیں، والد صاحب سے عرض کیا، ابا جان! مجھے بھی پاکی حاصل کرنے اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھا دیجئے، تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ شریک نماز ہوجاؤں تو ان کے والد نے کہا: بیٹے! سوجاؤ، تم چھوٹے ہو، ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابا جان! کل قیامت کے دن لوگ متفرق ہوں گے اپنے اپنے اعمال کو دیکھتے ہوئے اور میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دوں گا، یا اللہ! میں نے اپنے والد صاحب سے کہا تھا کہ طہارت کا طریقہ کیا ہے تاکہ پاکی حاصل کرکے میں نماز تہجد پڑھ لوں تو میرے والد نے بتانے سے انکار کیا تھا اور کہا تھا۔ ابھی تم چھوٹے ہو سوجاؤ، کیا یہ بات آپ کو پسند ہے؟ والد نے کہا: نہیں بیٹا ایسا نہ کہو، پھر ان کو طہارت اور پاکی کی تعلیم دی اور ابو یزید اپنے والد کے ساتھ نماز تہجد پڑھنے لگے۔

6 نماز استخارہ کی عادت ڈالنا:

ابن سنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ: حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
''انس! تم کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرلو تو سات مرتبہ اپنے رب سے خیر طلب کرنے کا مشورہ کرو، پھر جو دل میں آئے اس پر غور کرو، بے شک اسی میں بھلائی ہوگی۔'' (عمل الیوم واللیلة)

نمازِ عید کے لیے ساتھ لے جانا:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، حضور ﷺ عید کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ ﷺ کے ساتھ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، زید بن

الحارث رضی اللہ عنہ اور ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہا، بلند آواز میں تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے تشریف لے جاتے۔ حداد ین کے راستہ سے عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے، اور واپسی میں حذاءین کے راستے سے تشریف لاتے، اور اپنے گھر مبارک میں داخل ہوتے۔

(صحیح ابن خزیمة ٢/ ٣٤٣)

دوسرا اصول:

بچہ کو آدابِ مسجد سے روشناس کرانا

① مسجد لے جانا:

مسجد وہ عظیم مقام ہے کہ جہاں نسلیں تعمیر ہوتی ہیں، ہمیشہ سے خود کو اللہ کے احکام کی پاسداری کے لیے قربان کرنے والے لوگوں کی تعمیر و تربیت مسجد ہی میں ہوتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اسی عظیم مقصد کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے بچوں کی مسجد سے وابستگی کو خاص اہمیت دی، اس کا بطور خاص اہتمام کیا۔

دیکھیے! حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں ہونے والے واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، نماز کے بعد گھر تشریف لے جانے لگے، میں بھی آپ کے ساتھ چلا، راستے میں دو بچے آپ کے سامنے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بچے کے رخسار پر دست مبارک پھیرا اور میرے رخسار پر دست مبارک رکھا، میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک محسوس کی، اور ایسی زبردست خوشبو آئی جیسے ابھی اپنا دست مبارک عطر کی تھیلی سے باہر نکالا ہو۔

بچے کو اس وقت اپنے ساتھ مسجد لے جانا چاہیے جب وہ طہارت و پاکیزگی کو جاننے لگے، خود بیت الخلاء آنے جانے کے قابل ہو اور مسجد کے آداب کو سمجھنے لگے، اور اپنے جوتے مخصوص جگہ پر رکھنے کو سمجھ سکتا ہو، اور مسجد میں شور شرابہ اور بڑوں کی نماز میں خلل ڈالنے کو برا سمجھنے لگتا ہو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بچوں کو ساتھ لے جانے کے متعلق پوچھا گیا: تو فرمایا: اگر ادب سکھانے پر سمجھنے کے قابل ہو اور تادیب کو عبث نہ سمجھتا ہو تو میں سمجھتا ہوں ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اتنا چھوٹا ہو کہ ان باتوں کو نہ سمجھ پاتا ہو تو ساتھ نہ لے جانا بہتر ہے۔ (التربیة في الاسلام ۲۸۲)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ائمہ مساجد کو ہلکی نماز پڑھانے کا حکم بھی بچوں کی خاطر داری کے لیے دیا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے اور ان کو مسجد لے جانا بھی جائز ہے۔ صحیحین میں عقبہ بن عمرو البدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

> ''ایک شخص نے خدمت نبوی میں آ کر عرض کیا، میں ایک شخص کی وجہ سے فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں۔ کیوں کہ وہ بہت طویل نماز پڑھاتا ہے، میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصے ہوگئے، اس جیسا غصہ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ متنفر کرنے والے ہیں۔ تم میں سے جو بھی نماز پڑھائے اس کو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے، کیوں کہ اس کے پیچھے بوڑھے، چھوٹے بچے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔''

اور بچوں کو مسجد میں لانے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض دفعہ امام کے بھولنے کی وجہ سے یاد دہانی کرادیں گے۔

ابراہیم بن سوید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے ظہر کی نماز بھول کر چار کی بجائے پانچ رکعات پڑھائیں۔ لوگوں نے کہا: اے ابوشبل آپ نے پانچ رکعات پڑھالی۔ کہنے لگے: نہیں تو، میں نے چار پڑھائیں، لوگوں نے کہا کیوں، پانچ رکعات ہوئیں ہیں۔ میں بچہ تھا ایک کونے میں تھا، میں نے کہا آپ نے پانچ رکعات پڑھائیں تو فرمایا اے اعور! تم بھی پانچ کہہ رہے ہو۔ پھر نماز کی تکمیل فرمائی۔

نماز میں صف بندی کی تعلیم و تربیت:

ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم قراءت اور قیام میں چاروں رکعتوں کو

برابر رکھتے۔ البتہ پہلی رکعت بنسبت دوسری رکعتوں کے طویل کرتے تا کہ لوگ نماز میں شریک ہوسکیں اور صف بندی میں سب سے پہلے مردوں پھر بچوں اور سب سے آخر میں عورتوں کی صف ہوتی۔ (مسند احمد)

ابوداؤد کی روایت کے مطابق ابو مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں تمھیں آپ ﷺ کی نماز کے متعلق نہ بتاؤں؟ آپ ﷺ مردوں کو پہلی بچوں کو دوسری اور عورتوں کو تیسری صف میں کھڑا کر دیتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: ہمارے گھر میں آپ ﷺ کے ساتھ میں، ایک یتیم لڑکا اور میری والدہ نے نماز پڑھی۔ ہم دونوں آپ ﷺ کے پیچھے اور میری والدہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوگئیں۔ (بخاری)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میرے قریب بالغ افراد (عقل اور فہم والے) کھڑے ہوں پھر (عمر کے لحاظ) ان کے قریب پھر ان کے قریب والے کھڑے ہوں، صفوں کو ٹیڑھا مت کرو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہوگا اور بازار کے شور وغل سے بچتے رہو۔''

② مسجد سے تعلق بنانا:

بچے کے دل کو مسجد سے متعلق کرنا بہت سارے مفاسد سے بچنے کا عظیم سبب ہے۔

افریقہ کے ملک ''تیونس'' پر ایک مرتبہ مرتد حکمران کا راج ہوا۔ اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کے ذہنوں کو خراب کیا تو ایک عظیم مربی اور مصلح، محرز بن خلف الصدیقی (متوفی ۴۱۳ھ) نے اس فتنے کے سد باب کے لیے بچوں پر محنت کی اس کے لیے مسجد کو منتخب کیا۔ للہ فی اللہ خدمت کی، بچوں کو مسجد میں لا لا کر ان کی تعلیم و تربیت اور تعمیر کا خوب اہتمام کیا۔ جس سے اس فتنے کا سد باب ہوگیا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابوعبد اللہ محمد بن ابی زید القیروانی اپنے مشہور رسالہ ''رسالۃ ابن ابی زید القیروانی'' میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی احکام کی پاسداری کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آپ نے مجھ سے کچھ لکھنے کو کہا ہے جو ان امور دینیہ کے متعلق ہوں جو واجب ہیں۔ جو عام زبان زد عام و خاص ہیں تو

سنیے من جملہ ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ ان تمام امور کو بچپن ہی میں بچوں کے قلوب میں تعلیم و تربیت کے ذریعے راسخ کیا جائے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تاکہ اس کے دل میں احکام الٰہی داخل ہو جائیں اور اس کی برکات سے مستفید ہو جائے، اور اس کی عاقبت اور مستقبل قابل رشک ہو، جان لیجیے! بہترین دل، تمام بھلائی کو سمیٹنے والا وہ ہے جس کی طرف خیر سے پہلے شر سبقت نہ کرے، اسی وجہ سے نصیحت کرنے والے حضرات نے اس کو اولین ترجیح دی اور اسلام کے لیے مخلصانہ درد رکھنے والوں نے مؤمنین کے بچوں میں اسلام اور اس کے احکامات کو پختہ کرنے کی از حد کوششیں کیں۔

تعلیم و تربیت کے لیے مسجد کی اہمیت کے متعلق حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں:

''ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ وہ مسجد جس سے اطفال صحابہ نکلے، جس نے سلف صالحین کو پیدا کیا، آج بھی وہ ایسی شخصیات پیدا کرنے پر قادر ہیں بشرطیکہ والدین بھی ان کی طرف توجہ دیں اور وہ بچوں کو محبت کے ساتھ، نرمی و ترغیب کے لہجے میں، حوصلہ افزائی کے طرز پر مسجد کی طرف لے جائیں۔

اسی وجہ سے اسلاف مسجد کے قریب گھر بنانے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کرتے، مواعظ حسنہ، لطف و مہربانی کا برتاؤ کرتے، مسجد جانے پر حکمت سے شوق دلاتے، تاکہ مسجد کی طرف وہ اپنی رغبت چاہت اور خوشی سے جایا کرے، اور اسباق شوق سے پڑھے۔ ہم نے بعض بڑی عمر کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ مسجد میں بچوں کو ڈانٹتے ہیں اور کوسنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بچے مسجد سے متنفر ہو جاتے ہیں تو یہ ان کو متنفر کرنے کا سبب بنتے ہیں، یہ اس امت کا ایک المیہ ہے۔ مساجد کے ائمہ کو چاہیے وہ لوگوں کو اس قسم کی حرکات سے باز رکھنے کے لیے سمجھائیں، وعظ و نصیحت کریں اور ان کی غلطی پر تنبیہ کریں اور اس کے برے انجام کی طرف توجہ دلائیں۔

(فیض الباری شرح بخاری، ۱/ ۲۳۰)

سرا اصول:

روزہ رکھنا

روزہ روحانی عبادت بھی ہے اور بدنی بھی، روزہ سے بچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کی نیقت سے باخبر ہوتا ہے اور باطن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا منتظر ہوتا ہے۔ بھوک اور پیاس داشت کرنے کی قوت اس میں پیدا ہوتی ہے اور اپنی مرغوب چیزوں کو ترک کرنے کی ہمت ر مشکلات و تکالیف پر صبر کرنے کا مادہ ترقی کر جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو عبادت صوم کی بطور خاص تربیت کرتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ ایک باب، باب صوم الصبیان ، کے نام سے باندھا ہے اور اس کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے ایک جوان شخص کو رمضان میں روزے کے بغیر دیکھ کر فرمایا:

''تیرا ناس ہوا! ہمارے بچے بھی روزے رکھتے ہیں اور تم افطار کرتے ہو''

یہ کہہ کر اس کی گوش مالی کی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بچوں کو روزے رکھوانے کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں حضرات ائمہ کرام مختلف الرائے ہیں۔ چنانچہ جمہور فقہاء کرام کے نزدیک قبل از بلوغ روزہ رکھنا بچے پر واجب نہیں ہے اور حضرات سلف کی ایک جماعت استحباب کی قائل ہے جن میں امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ، ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بطور مشق روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا بشرطیکہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہوں اور اس کی حد نماز کی طرح، سات اور دس سال ہے۔

حضرت امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق بارہ سال ہے۔ حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر مسلسل تین دن روزہ رکھ کر کمزور نہیں ہوا تو مکمل روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا اور مالکیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ قبل از بلوغ

روزہ رکھنا مشروع نہیں ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھ کر اس کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کر کے لطیف اشارہ کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ تم اچھے بھلے ہو کر بھی روزہ نہیں رکھتے ہو جبکہ ہمارے بچے بھی روزہ رکھتے ہیں، اس میں وضاحت ہے کہ دورِ صحابہ میں بچے روزہ رکھتے تھے۔ عجیب معاملہ ہے کہ مالکیہ میں سے ابن ماجشون فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر بچہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے کے باوجود افطار کرتا رہا تو اس پر قضاء واجب ہے۔

(فتح الباری شرح البخاری ۵/۱۰۳)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روزہ دار بچوں کے دل بہلایا کرتے تھے:

ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح انصار کی بستیوں کی طرف حکم بھیجا جس نے اب تک کچھ نہ کھایا ہو وہ اپنا روزہ مکمل کرے، اور جو لوگ کھا پی چکے ہیں وہ بھی بقیہ دن کچھ نہ کھائیں پئیں، اس دن کے بعد ہم سے عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں اور ہمارے بچے بھی روزہ رکھتے ہیں۔ بچوں کو ساتھ مسجد لے جاتے ہیں جب بھوک کی وجہ سے رونے لگ جاتے ہیں تو کھلونے وغیرہ دے کر ان کے دل بہلاتے ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس حدیث میں بچوں کو مشق کے لیے روزہ رکھوانا کی مشروعیت ثابت ہے، البتہ قبل از بلوغ بچے مکلّف نہیں البتہ مستقبل کے لیے تیار کرنے کے لیے بطور مشق کے روزے رکھواتے تھے۔

افطار کے وقت بچوں کو دُعا میں شامل کرنا:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔''

(البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ روزہ افطار کرتے وقت بچوں کو بلا کر دعا میں

شامل کرتے۔ بچوں کے لیے رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ اعتکاف کے لیے بالغ ہونا شرط نہیں البتہ صحیح العقل ہو کیوں کہ وہ اہل عبادت میں سے ہے، جس طرح نفل روزہ رکھ سکتا ہے تو اعتکاف میں بھی بیٹھ سکتا ہے۔

(البدائع ٢/ ٤٤٢)

چوتھا اصول:

حج کرنا

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: بچے پر حج کی عدم فرضیت پر تمام فقہاء متفق ہیں۔ ہاں اگر حج کرلیا تو وہ نفل ہوگا۔ بالغ ہونے کے بعد فرض حج کرنا بشرطِ استطاعت واجب ہوگا۔

چونکہ حج بھی روزہ اور نماز کی طرح عبادت ہے اس کی بھی مشق اور تربیت ہوتی ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگے، اللہ کے احکامات کو بجالانے اور بالغ ہونے کے بعد عبادات کو بآسانی انجام دینے کے لیے عادت پڑ جائے، حج میں چونکہ بدنی مشقت ہوتی ہے، بچپن میں اللہ تعالیٰ کے لیے مشقت برداشت کرنے کی بجائے عادت پڑ جائے تو بڑے ہوکر اس پر عمل پیرا ہونا اس کے لیے آسان ہوگا۔ صحابہ کے بچوں نے بھی حج کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں نماز پڑھا رہے تھے، میں ایک دراز گوش پر سوار ہوکر حاضر ہوا۔ صفوں کے سامنے سے گزرا، گدھے سے نیچے اترا، گدھے کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور میں جماعت میں شریک ہوا، کسی نے مجھے منع نہیں کیا، اس وقت میں بالغ نہیں ہوا تھا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں عرفہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا۔

(مستدرك ٣/ ٥٩٧)

بچہ قبل از بلوغ کئی حج بھی کرے تو بالغ ہونے کے بعد حج فرض ادا کرنا اس پر لازم ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''بچہ اگر دس مرتبہ بھی حج کرے بالغ ہونے کے بعد حج اسلام (فرض) ادا کرنا اس پر فرض ہے۔'' (البدائع ۲/ ۱۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، بچہ بلوغ سے قبل اگر حج کرلے بالغ ہونے کے بعد اس پر دوسرا حج کرنا لازم ہے۔ (مستدرك حاكم)

کنز العمال میں بھی اس طرح کی روایت مروی ہے۔ بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اسی مضمون کے ساتھ نقل کیا ہے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عرفہ کے دن) فرمایا: میرے بھتیجے! آج جس شخص نے اپنی نگاہ اپنے کان اور اپنی زبان کو ناحق عمل سے روکا تو اس کے گناہوں کی بخشش ہوگی۔

ایک فقہی لطیفہ:

امام کاسانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے البدائع میں ذکر کیا ہے، اگر بچہ احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے بالغ ہوجائے، وقوف عرفہ حالت بلوغ میں کرلے تو حنفیہ کے نزدیک یہ حج نفل ہوگا۔ حج فرض بعد میں ادا کرنا پڑے گا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج فرض ادا ہوگیا، اگر حالت بلوغ میں وقوف عرفہ کرلیا۔ یہ اختلاف ایک اصول پر مبنی ہے، وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر حج فرض کی ادائیگی باقی ہو اور وہ نفل حج کی نیت کرے تو حنفیہ کے نزدیک اس کی نیت کے مطابق حج نفل ادا ہوگا اور حضرات شافعیہ کے نزدیک فرض ہی ادا ہوگا اور اگر احرام کی تجدید کی اور تلبیہ میں حج فرض کی نیت کی اور وقوف عرفہ کیا تو حنفیہ کے نزدیک بھی حج فرض ادا ہوجائے گا۔ (البدائع)

بچے کے حج کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے مؤمنین پر عظیم احسان فرمایا کہ ان کے اعمال کا اجر و ثواب دوچند کرکے عطا فرمایا اور یہ بھی بطور خاص انعام و اکرام کے طور پر فرمایا: ''وَأَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ'' ہم نے ان کی ذریت کو بھی ان کے ساتھ ملحق کردیا۔ اللہ تعالیٰ

نے جب بچوں کو بلا عمل جنت میں داخل فرمایا تو بچے کے عمل حج کا ضرور اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ (البیھقی ص ٧٦)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کے حج کے واقعات:

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقام ''روحا'' میں ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، اس سے دریافت فرمایا: تم کون لوگ ہو؟ کہنے لگے: ہم مسلمان ہیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، تو ان میں سے ایک عورت نے ایک بچے کو اٹھا کر پوچھا: کیا اس کا حج صحیح ہے؟ فرمایا: ''ہاں: اس کا اجر تمہیں ملے گا۔'' (مسلم، ابو داود)

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ساتھ حج پر لے گئے، اس وقت میری عمر سات سال تھی۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، بوڑھوں، چھوٹوں، کمزوروں اور عورتوں کا جہاد حج و عمرہ ہے۔ (النسائی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک لڑکے نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آ کر عرض کیا: میں آپ کے ساتھ حج پر جانا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کی دولت سے نوازے، بھلائی کے کام میں لگائے، تیرے لیے وہ کافی ہو، جب حج کر کے واپس لوٹے تو اس سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے حج کو شرف قبولیت بخشے، اور تیرے گناہ معاف فرمادے، اور تیرے نفقہ کا نعم البدل عطا کرے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی تربیت کا کتنا اہتمام فرمایا۔ بچوں کو اپنے ساتھ حج کے لیے لے جانا اور ان کی ہر معاملے میں رہنمائی کرنا ثابت کرتا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ اگر حج میں بچے سے خلاف حج و احرام کوئی عمل سرزد ہو جائے تو اس کی تلافی اسی پر لازم ہے یا نہیں؟ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی تلافی کرنا لازمی

نہیں ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو حج کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ اس کو ثواب ملے گا۔

پانچواں اصول:

زکوٰۃ ادا کرنا

عمرو بن شعیب اپنے دادے کا قول نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، ایک عورت خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی تھی اس کے ہاتھ میں دو سونے کے حلقے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ کہنے لگی: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرو گی کہ کل قیامت کے دن آگ کے کنگن کی صورت میں تمہارے ہاتھ میں ڈالے جائیں؟ یہ سن کر اس نے وہ اتار کر آپ ﷺ کی طرف بڑھا کر عرض کیا، یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

البتہ صدقہ فطر بچے کے سرپرست پر واجب ہے۔ آپ ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ہر غلام آزاد چھوٹے اور بڑے پر فرض فرما دیا ہے۔

(دار قطنی ۱۵۰/۲)

باب سوئم:

معاشرتی تعمیر و تربیت

- ......تمہید: معاشرتی تعمیر و تربیت کے چند بنیادی اصول
- ...... پہلا اصول: بچوں کو بڑوں کی مجالس میں ساتھ لے جانا
- ......دوسرا اصول: بچوں کو ضروری کام کے لیے بھیجنا
- ......تیسرا اصول: سَلام کی سنّت سکھانا
- ......چوتھا اصول: بیمار پُرسی کرنا
- ......پانچواں اصول: دوستوں کا انتخاب
- ......چھٹا اصول: خرید و فروخت کی عادت ڈالنا
- ......ساتواں اصول: جائز پروگراموں میں بچوں کا شرکت کرنا
- ......آٹھواں اصول: نیک رشتہ داروں کے ہاں رات بسر کرنا
- ......خاتمہ: معاشرتِ رسول ﷺ کا عملی نمونہ

❁❁❁❁

تمہید

بچے کی اجتماعی اور معاشرتی تعمیر تربیت سے ہماری مراد وہ ہے جو معاشرے اور مختلف لوگوں کے یک جا ہونے کی حالت میں پیش آتے ہیں، چاہے بڑوں کا اجتماع ہو یا دوست احباب کا ایسی صورت میں ادب واحترام، طرز تکلم، خرید وفروخت کا انداز کیا ہونا چاہیے؟ اس کے متعلق تعلیمات نبویؐ موجود ہیں۔ اس کے چند اصول ہیں:

پہلا اصول:

بچوں کو بڑوں کی مجالس میں ساتھ لے جانا

حضور اقدس ﷺ کی مجلس مبارک میں بچے شریک ہوتے، ان کے آباء ان کو لے کر شریک مجلس ہوتے، اور آپ ﷺ کی پاکیزہ مجلس کی برکات سے بہرہ ور ہوتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ایک مرتبہ میں آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھا ہوا تھا۔ جس میں بڑے حضرات تشریف فرما تھے۔ جن میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تشریف رکھتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کی مثل ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے کہ اس کے پتے بھی ہمیشہ ہرے ہرے رہتے ہیں اور نہیں گرتے؟ میرے دل میں اس کا جواب آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، مگر بڑوں کی موجودگی میں بولنا پسند نہ کیا، بڑوں میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے'' جب میں والد صاحب کے ساتھ جانے لگا۔ راستے میں، میں نے کہا: اباجان! مجھے اس کا جواب آتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو پھر آپ نے بتایا کیوں نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ بڑوں کی موجودگی میں بولنا مناسب نہیں سمجھا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ ہمارے ساتھ نشست و برخاست رکھا کرتے تھے، چھوٹے چھوٹے بچوں کی بھی دلداری فرماتے، میرا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ اس سے

فرمایا کرتے، "یا ابا عمیر! ما فعل النغیر"۔؟ اے ابوعمیر! نغیر کا کیا بنا؟ نغیر ایک چھوٹا سا پرندہ تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا، ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے، ہمارے ساتھ نماز پڑھتے۔ (مسند احمد ۱۱۹/۳)

بچے کو بڑوں کی مجلس میں لے جانے سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے اندر موجود نقص اور کمی ظاہر ہوتی ہے جس سے اس کی درستگی ہوتی ہے اور بڑوں کو دیکھ کر بولنے کا حوصلہ ہوگا۔ بڑوں کے ساتھ بیٹھنے اور بولنے سے گفتگو کے آداب سے باخبر ہوگا۔ اس سے اس کی عقل بڑھتی رہے گی، بڑوں کی باتوں کو رفتہ رفتہ سمجھنے لگے گا، جس سے اس کا نفس مہذب ہوگا، زبان میں درستگی پیدا ہوگی، اس طرح بچہ اپنے والد سے اور بچی اپنی والدہ سے تربیت حاصل کرسکتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے بڑے شیوخ کے درمیان میں بٹھاتے، بڑا مقام دیتے۔ ایک دن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے عرض کیا۔ اس بچے کو ہمارے درمیان کیوں بٹھاتے ہو، ہمارے بچے بھی ان سے بڑے ہیں۔ تو فرمانے لگے کہ اس لیے کہ میں ان کو جانتا ہوں۔ ایک دن ان کو بھی بلایا اور مجھے بھی مدعو کیا ان سے دریافت کیا، تم فرمان الٰہی ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ﴾ کی تفسیر کے متعلق مجھے بتاؤ۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں تحمید اور استغفار کا حکم دیا ہے جب اللہ کی مدد آجائے تو اللہ کی تحمید بیان کرو، بعض نے لاعلمی کا اظہار کیا، پھر مجھ سے فرمایا: ابن عباس! تم بھی کچھ بتاؤ، میں نے عرض کیا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی یہی سمجھا ہے جو آپ سمجھ چکے ہیں۔

(الطبرانی، ابن سعد)

ایک مرتبہ مہاجرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ جس طرح ابن عباس کو درجہ دیتے ہیں ہمارے بچوں کو بھی دیجیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ نوجوان بولنے اور دریافت

کرنے والی زبان اور قبول کرنے والا دل رکھتا ہے۔

ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھا، سب سے چھوٹا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس موجود ایک شخص سے فرمایا: ((لا آکل متکئا)) میں ٹیک لگا کر نہیں کھایا کرتا۔ (ترمذی، مسند ابویعلیٰ)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم راہ چلتے وقت بچوں کو بھی اپنے ساتھ رکھتے، ان کے ساتھ سواری پر سوار ہوجاتے، یہ آپ کی محبت اور شفقت کا عظیم مظہر ہے، جو بچوں کو اپنے ساتھ لاتے ان کو فرماتے، کہ بچوں کو بڑوں کی مجالس کے آداب سکھادو، اور خود بڑوں کو سمجھاتے، کہ کسی شخص اور اس کے بچے کے درمیان نہ بیٹھا کریں۔

بچوں اور بچیوں کو بڑوں کی مجلس میں لے جانے کا ایک فائدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بتلاتے ہیں کہ اس سے شناسائی ہوتی ہے۔ بڑے ہوکر رشتہ کے پہچاننے میں آسانی ہوگی، ایک دوسرے کے مزاج سے واقفیت ہوگی۔

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نابالغ بچیوں کو باہر نکالا کرو، تاکہ اس کے خاندان کے لوگ اس کے ساتھ نکاح کرنے کی طرف راغب ہوں، بڑوں کے ساتھ بیٹھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ان کو نصیحت کریں گے، سمجھائیں گے، ان کے ذہنوں کو مسلمانوں کے معاملات کی طرف مبذول کرالیں گے۔

ابن سیرینؒ فرماتے ہیں، ہم چھوٹے بچے ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص ہمارے پاس آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہماری طرف خط بھیجا ہے اور اس میں حکم دیا۔ چادر اور تہبند پہنا کرو، درمیانی چال چلو، ترتیب کے ساتھ زندگی گزارو، عیش پسندی اختیار مت کرو، غیر عرب کے لباس پہننے سے اجتناب کرو۔''

اسلاف نے اپنے بچوں کی تربیت بھی مذکورہ صفات سے کی۔

دوسرا اصول:

بچوں کو ضروری کام کے لیے بھیجنا

یہ عمل اس کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے پروان چڑھنے میں بڑا مددگار ثابت ہوگا، گھر کے کام کاج ہوں یا والدین میں سے کسی ایک کا خصوصی کام ہو، بچپن میں سرانجام دینے سے عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد قدم قدم پر اس کی رہنمائی کا کام دیتا ہے، کاموں کی پہچان میں مہارت ہوگی۔ بیع وشراء اور دوسرے اُمور میں کامل دسترس حاصل ہوگی۔ والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں سے کام لیں۔ حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات مبارکہ میں بھی اسی طرح وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں آپ ﷺ کی خدمت میں تھا، ایک دن فراغت پا کر باہر نکلا، دیکھا بچے کھیل رہے ہیں، ان کو دیکھنے کے لیے کھڑا ہوگیا اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے، بچوں کو سلام کیا اور مجھے کام کے لیے بھیجا، میں اس کام کے لیے چلا گیا، آپ وہاں سایہ کے نیچے تشریف فرما ہوئے، میرے آنے کے بعد تشریف لے گئے، مجھے گھر پہنچنے میں تاخیر ہوگئی، والدہ نے تاخیر کی وجہ پوچھی، میں نے عرض کیا: میں رسول اللہ ﷺ کے کام گیا تھا۔ فرمایا کیا کام تھا؟ میں نے عرض کیا یہ آپ کا راز ہے، جو کسی کو نہیں بتایا جاسکتا۔ والدہ نے فرمایا: پھر حضور ﷺ کے راز کی خوب پاسداری کرو۔

(مسند احمد)

تربیت کا ایک حصہ دستر خوان بچھانا، کھانا دستر خوان میں ترتیب کے ساتھ رکھنا بھی ہے۔ جس سے کھانے کی چیزوں کو سلیقے سے رکھنے، اور اشیاء خورد ونوش کے ناموں کا علم ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا: انس! کچھ کھانے پینے کی چیز لاؤ، روزہ رکھنا چاہتا ہوں، میں نے آپ کی خدمت میں کھجور اور ایک برتن میں پانی پیش کیا۔ فرمایا: انس! کوئی شخص تلاش کرو، جو میرے ساتھ کھانے میں شرکت کرے، میں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا، انہوں نے کہا کہ میں ستو پینا چاہتا ہوں اور روزہ رکھنے کا ارادہ ہے

آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ سحری میں شامل ہوئے۔ سحری کے بعد دو رکعت پڑھ کر مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔

یہ وہ عملی تربیت ہے جسے بچہ کبھی فراموش نہیں کرتا اور بڑے ہو کر اسے بیان کرتا ہے اور اس کے تجربہ میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے سے معاشرتی طور پر اس کی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے اور اسے اپنے بارہ میں کسی شرمندگی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ والدین کے ساتھ اس کا تجربہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے اندر خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور ہر حال میں معاشرتی امور سے وہ نہیں گھبراتا۔

تیسرا اصول:

سلام کی سنت سکھانا

سلام کرنا، مسلمانوں کے درمیان ایک اسلامی تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے اور بچہ کو مختلف معیار کے لوگوں سے ملنے کی ضرورت کے وقت کام کے آغاز پر اپنے تعارف کی ضرورت ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کے دل میں سلام کی سنت زندہ کرنے کے لیے۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرامین میں ایک لطیف اسلوب پایا جاتا ہے۔ اور وہ اسلوب لطیف یہ ہے کہ بڑا خود سلام کرنے میں پہل کرے یعنی وہ بچوں کو پہلے سلام کرے، جب بچے اس کو پہچان لیں گے تو تم دیکھو گے کہ وہ خود سلام میں پہل کیا کریں گے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا کرتے تھے۔

ابھی کچھ پہلے بھی یہ حدیث مبارک گزری تھی کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بچوں کو، جو اس وقت کھیل رہے تھے، سلام کیا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

''امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث الباب کو جعفر بن سلیمان عن ثابت کے حوالہ سے مکمل ذکر کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انصار سے ملاقات کیا کرتے تھے اور ان کے بچوں کو سلام کرتے اور ان کے سروں پر دست اقدس پھیرتے اور ان کے لیے دُعاء کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کئی بار ہوا ہے اور حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار ہی ایسا ہوا ہے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں کے پاس سے گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ ایک مرتبہ پیش آیا اور مجھے ان بچوں کے نام معلوم نہ ہو سکے اور مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی اس حدیث کو سلیمان مغیرہ عن ثابت کے حوالہ سے بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ اس میں صبیان کی بجائے غلمان ہے اور ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کی عمل الیوم واللیلۃ میں عثمان بن مطر عن ثابت کے حوالہ سے ''السلام علیکم یا صبیان'' کے الفاظ منقول ہیں۔''

اور ابوداؤد میں حمید راوی کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور میں بچوں کے ساتھ ایک لڑکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا اور مجھے کسی کام پر بھیج دیا، اور خود راستہ میں بیٹھ گئے انتظار کے لیے، یہاں تک کہ میں واپس آ گیا۔''

ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''بچوں کو سلام کرنے میں مقصد ان بچوں کی آدابِ شریعت پر تربیت کرنا ہے اور بڑوں کو بھی تربیت دینا ہے کہ وہ بڑائی جتانے کی بجائے تواضع وانکساری کا طریقہ اختیار کریں اور محبت وشفقت کا سلوک کریں، (اس کے بعد)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''بچوں کو سلام کرنے کے مسئلہ سے ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر بچہ حسین وجمیل ہو اور سلام کرنے سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس کو سلام کرنا

مشروع نہیں ہے بالخصوص جب وہ قریب البلوغ اور تنہا ہو۔''

اور بچوں کو بھی اس کی عادت ڈالنی چاہیے کہ وہ والدین اور بڑوں کو سلام کیا کریں بلکہ سلام میں پہل کریں خاص طور پر جب گھر میں داخل ہوں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سوار شخص، پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔ بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ چھوٹا، بڑے کو سلام کرے۔''

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیٹا! جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرو کہ اس سے تم پر بھی اور تمہارے گھر والوں پر بھی برکت ہوگی۔''

چوتھا اصول:

بیمار پرسی کرنا

بچے جب بیمار ہوں تو ان کی بیمار پرسی کرنا ایسی چیز ہے جس سے معاشرتی روابط کی بناء استوار ہوتی ہے، بچے اس وقت فطرت کے مرحلہ میں دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے لوگ اس کی عیادت کے لیے آرہے ہیں تو اس سے یہ اچھی عادت ان میں پیدا ہوتی ہے، جس طرح بیمار پرسی سے بچہ کے درد و تکلیف میں تخفیف ہوتی ہے اسی طرح یہ چیز اسلام کی طرف دعوت اور ایمان پر ثابت قدمی اور اللہ سے توبہ اور مغفرت کا بھی سبب بنتی ہے۔ معلوم ہوا کہ عیادت اور بیمار پرسی بہت سے ثمرات لاتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بچوں کی بیمار پرسی کی ہے۔

لیجیے سنیے!

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

''ایک یہودی لڑکا، حضور اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن وہ بیمار ہوگیا تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر اس سے فرمایا: ''اسلم'' یعنی اسلام قبول کرلو، وہ لڑکا اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا، باپ نے کہا کہ ابوالقاسم کی اطاعت کرو، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا، پھر نبی کریم ﷺ یہ فرماتے ہوئے تشریف لے گئے: اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔''

اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ حضور اکرم ﷺ بچوں کے دل میں کوئی نصیحت آمیز بات ڈالنے کے لیے کوئی لمحہ فروگذاشت نہیں جانے دیتے تھے، موقع سے خوب فائدہ اٹھاتے ہوئے بچوں کو مفید اور کارآمد علم کی بات سکھاتے اور خیر و بھلائی کی عادت ڈالتے۔

پانچواں اصول:

دوستوں کا انتخاب

معاشرہ کے طور وطریق میں سے ایک بنیادی چیز باہمی دوستی ہے۔ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ لوگوں سے میل ملاپ رکھا کرتا ہے اور اخوت و محبت والی زندگی گزارتا ہے اور ایک دوسرے سے تعلقات بناتا ہے۔ لہٰذا اگر والدین اپنے بچوں کے لیے نیک اور صالح دوست کا انتخاب کریں تو یقیناً انہوں نے بچوں کی اصلاح و پرورش کے لیے تربیت کا باب فتح کرلیا۔

چونکہ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ بچہ نے کسی نہ کسی کو اپنا دوست بنانا ہی ہے، کیونکہ ہم ایک فطری چیز کا مقابلہ نہیں کرسکتے، لہٰذا اس کے لیے شروع میں ہی نیک اور صالح دوست کا انتخاب کرلیا جائے، جو دوست اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور صحیح نہج پر اسلامی اخلاق میں ترقی پر اس کی معاونت کرسکے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بچپن کے زمانہ میں بچوں کے ساتھ کھیلتے تھے اور پیغمبر خدا اور ملت کے قائد ہونے کے باوجود بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو انہیں سلام کرتے اور ان پر سختی نہیں کرتے تھے اور کھیلتے وقت انہیں دھتکارتے

نہیں تھے بلکہ ان کے لیے دعائے خیر کرتے کہ ان پر اللہ کی رحمت اور سلامتی کا نزول ہو، جیسا کہ حدیث انس میں گزر چکا ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بچوں کو، جو اس وقت کھیل رہے تھے، سلام کیا۔''

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس بات پر خوب توجہ دیتے تھے کہ بچے باہمی اجتماعی فضا اور ماحول میں پرورش پائیں اور گوشہ نشین اور منقبض ہو کر نہ رہیں۔

چھٹا اصول:

خرید وفروخت کی عادت ڈالنا

زندگی کے ہر میدان میں رسول اکرم ﷺ کی ہدایات موجود ہیں، بچہ کی معاشرتی اور اقتصادی طور پر بھی تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے، تاکہ بچہ ایک نئے معاشرہ میں اپنا کردار ادا کر سکے جس معاشرہ میں وہ پروان چڑھ رہا ہے، خرید وفروخت کا عمل بھی ایک ایسی چیز ہے جس سے اس بچہ میں معاشرتی حرکت پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے جیسے بچوں کے ساتھ معاملہ کرے گا اور اس زندگی میں نشوونما کی کیفیت کا عادی ہوگا اور کارآمد چیز میں اپنا وقت خرچ کرے گا، اسی طرح خرید وفروخت سے اس کے اندر معاشرتی طور پر خود اعتمادی کا جذبہ ابھرتا ہے اور اس طرح وہ معتدل انسان بنتا ہے اور اپنی زندگی میں سنجیدگی اور قناعت کو سیکھتا ہے اور ہنسی مزاح سے دور رہتا ہے، لین دین کی عادت پڑتی ہے اور زندگی کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، اور زندگی کا مفہوم خوب اچھی طرح سمجھ پاتا ہے اور اس ناز ونخرے سے دور رہتا ہے جو حد سے بڑھا ہوا ہو اور جو بچوں کے لیے نقصان دہ بھی ہے۔ بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے دعا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے تجربات اور معاملات میں برکت عطا کرے۔

چنانچہ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا، وہ غلاموں کی بیع کر رہے

تھے، آپ ﷺ نے دُعا دیتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ! اس کے کاروبار میں برکت عطا فرما۔"

یہ (عبد اللہ بن جعفر) وہ بچہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کا عم زاد بھی ہے اور شریف بن شریف ہے، اور خرید و فروخت کر رہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کے عمل سے کوئی شرمندگی نہیں ہوئی بلکہ اس کے لیے دُعائے خیر فرمائی۔ کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرے!

ساتواں اصول:

جائز پروگراموں میں بچوں کا شرکت کرنا

یہ ایک اور موقع ہے جہاں بچے جاتے ہیں اور ان کا آپس میں تعارف ہوتا ہے، اور یہ وہ پروگرام ہیں کہ ایک دن وہ بھی اس کے اساسی رکن بننے والے ہیں اور وہ ان پروگراموں میں چھوٹوں کو بھی اور بڑوں کو بھی دیکھتے ہیں، اور پسندیدہ باتیں سن کر اور خوش کن چیزیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ان کے جذبات اور احساسات ابھرتے ہیں۔

رسولِ کریم ﷺ شادی کے پروگراموں میں بچوں کو دیکھتے تو انہیں آنے سے منع نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی شرکت کو برقرار رکھتے اور تمام حاضرین کے لیے دعا فرماتے جس دُعا میں وہ بچے بھی شامل ہوتے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ عبد العزیز بن صہیب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو آتے ہوئے دیکھا (راوی عبد العزیز کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ شیخ نے یہ بھی کہا کہ شادی کے موقع پر) تو دیر تک کھڑے رہے اور فرماتے رہے:

((اللّٰهم انتم من احب الناس الی ، اللّٰهم انتم من احب الناس الی ، اللّٰهم انتم من احب الناس الی .))

"یعنی اے اللہ! (تو جانتا ہے کہ) یہ انصار مجھے سب سے پیارے ہیں، اے اللہ! یہ انصار مجھے سب سے پیارے ہیں، اے اللہ! یہ انصار مجھے سب سے

پیارے ہیں۔" (ورواہ البخاری فی کتاب النکاح، باب: ذھاب النساء والصبیان الی العرس)

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ بچوں کی اجتماعی اور معاشرتی لحاظ سے تربیت، اصلاح کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے اور چھوٹے بڑے، عمومی اور خصوصی اور نیز خوشی کے مواقع پر انہیں کس طرح ترغیب دیا کرتے تھے۔

آٹھواں اصول:

نیک رشتہ داروں کے ہاں رات بسر کرنا

جب بچہ اپنے کسی نیک و صالح رشتہ دار کے ہاں جاتا ہے اور وہاں جاکر رات بسر کرتا ہے تو یہ چیز بھی اس کے لیے تادیب و تربیت کا باعث بنتی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ رہ کر ان کے علم و فہم اور عبادت و صلاح سے مستفید ہوتا ہے، علاوہ ازیں اس میں صلہ رحمی اور عزیز و اقرباء کے ساتھ محبت و تعلق کا اضافہ اور پھر بڑے ہونے تک اس کے اچھے اثرات کا ترتب اور اس کے علاوہ بہت سے فائدے ہیں۔ جب بچہ وہاں جاکر رات گزارتا ہے اور بچوں سے ملتا ہے تو پھر واپس آکر اس کو آگے نقل کرتا ہے اور اس پر فخر و مباہات کا اظہار کرتا ہے، اور اس سے حسن معاشرت کو قائم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے، اور اگر والدین بھی بچہ کو اس کے عزیز و اقارب کے علم و تقویٰ سے مستفید ہونے کا کہیں تو اس کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تمام بچوں کو نیک و صالح عزیز و اقارب سے ملاقات اور ان سے استفادہ کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"میں نے اپنی خالہ اور زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے ہاں رات بسر کی۔"

بخاری کے علاوہ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ:

"تاکہ رسول اللہ ﷺ کی نماز (کی کیفیت) کو بغور دیکھوں"......الحدیث

اور ابن خزیمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات بسر کی، میں

سرہانے کے عرض کی جانب میں لیٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ سرہانے کی طول کی جانب میں لیٹ گئے، پھر آپ ﷺ سو گئے، حتیٰ کہ نصف شب سے کچھ پہلے یا بعد میں آنحضور ﷺ بیدار ہوئے اور اپنے ہاتھ سے چہرہ اقدس کو ملنے لگے، پھر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں، پھر ایک مشکیزہ کی جانب اٹھے جو لٹکا ہوا تھا اس سے وضو کیا اور اچھا وضو کیا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں بھی آپ ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا، رسول پاک ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے دائیں کان کو پکڑ کر اسے مروڑا اور دو رکعتیں پڑھیں، پھر دو مختصر رکعتیں پڑھیں، پھر نکلے اور صبح کی نماز ادا فرمائی۔"

خاتمہ:

معاشرتِ رسول ﷺ کا عملی نمونہ

اب ہم اختتام میں آپ کے سامنے بچوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی معاشرت کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں، تاکہ اس موقع پر اس باب کا اختتام اسی پر ہو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"رسولِ کریم ﷺ سب سے بڑھ کر خوش اخلاق تھے، میرا ایک بھائی تھا جس کا نام ابوعمیر تھا، آنحضور ﷺ جب ہمارے پاس تشریف لاتے تو فرماتے کہ:

"اے ابوعمیر! تمہارے نُغیر کا کیا ہوا"؟ وہ اس نُغیر (چھوٹی چڑیا) کے ساتھ کھیلا کرتا تھا، بسا اوقات آپ ﷺ ہمارے گھر میں ہوتے اور نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ ﷺ اس چٹائی کو جھاڑنے کا حکم دیتے جو آپ ﷺ کے نیچے بچھی ہوتی، چنانچہ اس چٹائی کو جھاڑ کر اس کے گردوغبار کو پھونکیں مار کر دور کیا جاتا پھر آپ ﷺ اٹھتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو جاتے اور

آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے۔"

اب اس حدیث کی ایک عمدہ تشریح اور لطیف تعلیق ملاحظہ فرمائیں جو ایک عظیم محدث اور شارحِ حدیث علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ نبوی ﷺ طریقہ تربیت سے عجیب فوائد اور نکات برآمد ہو سکتے ہیں اور امت اسلامیہ نے جب سے اس طریقہ سے انحراف اختیار کیا اور اغیار کے طریقہ پر چل کھڑی ہوئی تو سر کے بل گر گئی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

اس حدیث مبارک سے چند فوائد معلوم ہوتے ہیں، ابوالعباس احمد بن ابی احمد الطبرانی المعروف بہ ابن القاص الفقیہ الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان فوائد کو جمع کیا ہے، اور ایک مستقل رسالہ اس پر تصنیف کیا ہے۔ ابن القاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ محدثین کرام پر عیب و الزام لگاتے ہیں کہ وہ بعض بے فائدہ باتوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور انہوں نے ابوعمیر جیسی احادیث کو بطور مثال کے ذکر کیا ہے، حالانکہ انہیں کیا خبر کہ اس حدیث میں وجوہِ فقہ اور فنونِ ادب اور دیگر ساٹھ کے قریب فوائد موجود ہیں۔ اس کے بعد پورے شرح و بسط کے ساتھ تمام مقاصد کا احاطہ کرتے ہوئے انہیں ذکر کیا، پھر اس کے بعد جو زوائد میسر ہوئے، ان کا بھی ذکر کیا، چنانچہ فرمایا:

1: اس سے معلوم ہوا کہ مصافحہ کرنا جائز ہے، اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم و نازک ہتھیلی کو کبھی نہیں چھوا اور یہ صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتوں کو شامل نہیں ہے۔

2: اس سے ہنسی مزاح کا جواز معلوم ہوا اور یہ کہ ہنسی مزاح بطورِ سنت کے مباح ہے نہ کہ بطور رخصت کے اور نیز یہ کہ چھوٹا بچہ جو ابھی سن تمیز کو نہ پہنچا ہو اس کے ساتھ بھی ہنسی مزاح کرنا جائز ہے۔

3: اس حدیث مبارک سے تکبر اور اپنی بڑائی جتانے اور راستہ میں بڑے کا سنجیدہ اور گھر میں دل لگی کرنے کا عدمِ اظہار معلوم ہوا۔

۴: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوست کے ساتھ لطف و مہربانی کا معاملہ کرنا چاہیے، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اور اس کا حال و احوال بھی معلوم کرتے رہنا چاہیے اور بچوں کے رونے پر زجر و تنبیہ کے متعلق جو حدیث آئی ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب بچے جان بوجھ کر کسی وجہ سے روئیں اور جو بلا جواز اذیت پہنچائیں۔

۵: اس سے بے اولاد انسان کے لیے کنیت رکھنے کا جواز معلوم ہوا۔

۶: اس سے بچوں کے پرندوں کے ساتھ کھیلنے کا بھی جواز معلوم ہوا۔

۷: مباح کھیل پر چھوٹے بچوں کو کچھ نہ کہنے کا جواز معلوم ہوا۔

۸: ایسے کھیل پر پیسے خرچ کرنے کا جواز معلوم ہوا جس سے بچوں کے دل بہلتے ہوں۔

۹: پنجرہ وغیرہ میں پرندوں کو قید کرنے اور ان کے پَر کاٹنے کا جواز معلوم ہوا، اس لیے کہ ابوعمیر کے پرندے کی حالت ان دو باتوں میں سے کسی ایک سے خالی نہیں ہوگی پس ان میں سے جو بات واقع ہوئی ہوگی تو حکم میں دوسری بات بھی اس میں شامل ہوگی۔

۱۰: چھوٹے بچوں کو مخاطب کر کے ان سے بات چیت کرنے کا جواز معلوم ہوا، اس سے ان لوگوں کی تردید بھی ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ حکیم اور عقلمند وہ ہے جو صرف ان بچوں سے بات چیت کرتا ہو جن بچوں میں عقل و فہم اور شعور موجود ہو۔

۱۱: اس سے نام کی تصغیر کا جواز بھی معلوم ہوا خواہ وہ کسی حیوان کا نام ہو۔

۱۲: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں سے میل برتاؤ ان کی عقل کے مطابق ہونا چاہیے۔

۱۳: بڑا جب کسی قوم سے جا کر ملے تو اسے چاہیے کہ ان کے ساتھ غم خواری اور ہمدردی کا معاملہ کرے، جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا اور ابوعمیر سے مزاح فرمایا، ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بستر پر بیٹھے اور ان کے گھر میں ان کے ساتھ نماز ادا فرمائی، حتیٰ کہ سب نے آپ ﷺ کی برکات حاصل کیں۔ (ابن بطال رحمہ اللہ نے اس حدیث کے یہ چند فوائد ذکر کیے ہیں، اسی طرح ہم تربیتی فوائد کا ذکر کرتے ہیں)

۱۴: اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کے سر پر دست شفقت پھیرنا چاہیے۔

[15]: اذیت نہ ہونے کی صورت میں دوسرے کے نام کو تصغیر کے ساتھ پکارنا جائز ہے۔

[16]: جانتے ہوئے بھی دریافت کرنا جائز ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے جانتے ہوئے بھی کہ اس کی چڑیا مرگئی ہے پوچھا کہ ''تمہاری نغیر کا کیا ہوا؟''

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ابن القاص رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال پر نکتہ چینی کا ذکر کرتے ہیں کہ ابن القاص رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے بچوں کے لیے پرندوں کے ساتھ کھیلنے کا جو جواز ثابت کیا ہے، اس کے متعلق ابوعبد المالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ، ممکن ہے کہ یہ جواز حیوانات کو عذاب دینے پر وارد ہونے والی ممانعت سے منسوخ ہوگیا ہو، قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ منسوخ نہیں ہوا البتہ چھوٹے بچوں کو اس بات کی رخصت دی گئی ہے کہ وہ پرندوں کو قید کرلیں تاکہ اس سے دل بہلائیں لیکن پرندوں کو تکلیف دینے کی غرض سے قابو کرنا بالخصوص جب وہ اس تکلیف سے مرجائیں تو یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ابوعمیر کے قصہ سے ابن القاص اور دیگر حضرات نے جو فوائد مستنبط کیے ہیں ان فوائد کے علاوہ ایک فائدہ یہ ہے کہ مسند احمد میں عمارۃ بن زاذان کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ بچہ (ابوعمیر) پھر بیمار ہوکر فوت ہوگیا تھا۔ پھر انہوں نے اس بچہ کی وفات کے قصہ میں حدیث ذکر کی کہ ام سلیم نے کس طرح اپنے شوہر ابوطلحہ سے اس کی وفات کو مخفی رکھا حتیٰ کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ شب باشی بھی کی، پھر صبح کو بچہ کی وفات کی خبر دی، پھر آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے دونوں کے لیے برکت کی دعا فرمائی جس سے ان کے ہاں لڑکا تولد ہوا پھر حضرت انس اسے لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے بچہ کی تحنیك فرمائی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ (فتح الباری ۱۳/۲۰۵-۲۰۸)

اس سے پتہ چلا کہ بچوں کی شخصیت کی تعمیر وتربیت اور ان کی اصلاح وتہذیب کے سلسلہ میں معاشرتی تعمیر وتربیت ایک اہم رکن کی حیثیت رکھتی ہے اور اس سے بچوں کے اندر معاشرتی خوداعتمادی کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

بابِ چہارم:

اخلاقی تعمیر و تربیت

کسی دانا شخص کا قول ہے:

''جس شخص نے اپنی اولاد کو اچھا ادب سکھایا اس نے اس کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر دیا۔''

❀......تمہید ❀...... پہلا اصول: ادب و آداب ❀...... بچوں کے دل و دماغ میں آداب کو راسخ کرنے کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث وغیرہ کا ذکر ❀......سلف صالحین کی زندگی کے چند نمونے ❀...... بچوں کے لیے نبوی ﷺ آداب کی انواع و اقسام [۱]...... والدین کے ساتھ ادب کا برتاؤ ❀...... والدین سے گفتگو کرنے کے آداب ❀...... والدین کی طرف دیکھنے کے آداب [۲]...... علماء کرام کے ساتھ ادب کا برتاؤ ❀......علماءِ کرام کے ساتھ بچوں کے ادب کا معاملہ ❀......اسلاف کے بچوں کے ادب کے چند نمونے [۳]...... احترام و توقیر کے آداب [۴]...... بھائیوں کے آداب [۵]...... پڑوسیوں کے آداب [۶]...... استیذان کے آداب [۷]...... کھانے کے آداب [۸]...... بچوں کے آداب (بالوں کے متعلق آداب اور لباس وغیرہ کے آداب) [۹]......قرآن کریم سننے کے آداب ❀...... دوسرا اصول: سچ بولنا ❀...... تیسرا اصول: راز داری ❀...... چوتھا اصول: امانت داری ❀...... پانچواں اصول: کینہ پروری سے حفاظت ❀...... خاتمہ: اخلاقِ رسول ﷺ سے ایک عملی مثال

تمہید

بچے اخلاقی طور پر بھی تعمیر و تربیت کے محتاج ہوتے ہیں تاکہ ان کی معاشرتی رویے بھی درست نہج پر رہیں، یہ چیز بہت اہم اور ضروری ہے، کیونکہ با تکلف طبیعت سے طبعی اور فطری طبیعت کی طرف انتقال کا عمل ایک دشوار گزار عمل ہے اور اس کا زمانہ آخر زندگی تک رہتا ہے، اور وہ اپنے اخلاق کی درستگی میں لگا رہتا ہے، بہرکیف! اس طفلانی مرحلہ میں کہ جب بچہ میں فطرتی امتیاز اور قبولیت کی صلاحیت و استعداد پیدا ہوتی ہے، والدین اور مربیین کے لیے خوب جدوجہد کرنا ضروری اور لازمی ہوجاتا ہے۔ اس امر کی طرف کبارِ علماء نے اشارے کیے ہیں، جیسا کہ ابوحامد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کتاب کے آغاز میں ہوچکا ہے، اسی طرح ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ''احکام المولود'' میں لکھا ہے کہ:

> ''جس امر کی بچہ کو بہت زیادہ احتیاج ہے وہ اس کے اخلاقی امور پر توجہ ہے، کیونکہ بچہ ان ہی اخلاق اور عادات پر تربیت پاتا ہے جن عادات کی بچپن میں مربی اس کو عادت ڈالتا ہے، جیسے غصہ، لجاجت، عجلت پسندی، گوشہ نشینی، حرص و لالچ، طیش و تیزی، پھر بڑے ہوکر اس کی تلافی مشکل ہوجاتی ہے اور یہ عادات اس کی طبیعت میں راسخ اور پیوست ہوجاتی ہیں، اگر ان عادات سے بچہ کو سختی سے باز نہ رکھا گیا تو کسی نہ کسی دن اسے پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ اکثر لوگوں کے اخلاق بگڑے ہوئے ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کی نشوونما ان ہی عادات پر ہوئی ہوتی ہے۔

ازہر یونیورسٹی کے سابق پرنسپل شیخ محمد خضر حسین رحمۃ اللہ علیہ بچوں میں اخلاق و آداب کی آبیاری کے لیے ان کے زمانۂ طفولیت سے استفادہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ'' بچہ خالصتاً فطرت اور طبیعت سلیمہ کے مطابق پیدا ہوتا

ہے، پھر جب اس کا سادہ لوح دل اخلاق کا اثر قبول کرنے کے قابل ہوتا ہے تو دل کی تختی پر اس کی صورت منقش ہوجاتی ہے، پھر وہ شکل اور صورت مسلسل بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ دل کے تمام اطراف کو اخذ کرنے لگتی ہے اور یہ کیفیت اس میں راسخ ہوجاتی ہے اور اس کے خلاف کسی چیز کا اثر قبول کرنے سے حائل ہوجاتی ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جب ہم غرباء میں ایسے بچوں کو دیکھتے ہیں جو گفتگو میں بھی اور میل ملاپ اور اخلاق میں بھی انتہائی مہذب اور باسلیقہ ہوتے ہیں تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی شک اور تردد نہیں رہتا کہ یہ وہ بچے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے عمدہ گھرانوں میں اچھے نہج پر پرورش فرمائی ہے۔'' (السعادة العظمى ص ٦٠)

یہاں ایک سوال ہے کہ بچوں کے لیے اخلاقی تعمیر و تربیت کے کیا عناصر اور ارکان ہوسکتے ہیں؟ احادیث نبویہ ﷺ کی چھان بین سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے پانچ بنیادی ارکان اور اصول ہیں، اب ہم اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

پہلا اصول:

ادب و آداب

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ادب کا استعمال پسندیدہ قول وفعل پر ہوتا ہے، اور اسے مکارمِ اخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ادب کہتے ہیں پسندیدہ امور سے واقفیت ہونا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ادب نام ہے اپنے سے بلند درجہ آدمی کی تعظیم کرنا اور کم درجہ انسان کے ساتھ نرمی اور مہربانی کرنا اور بعض کہتے ہیں کہ ادب کا لفظ مادبۃ سے ماخوذ ہے اور مأدبہ کہتے ہیں کھانے کی دعوت کو، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس کی طرف بھی دوسروں کو دعوت دی جاتی ہے۔ (فتح الباری ١٣/٣)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ادب کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

''ادب حسن معاشرت کا نام ہے۔'' (تنبیہ المغترین ص ٤١)

اور بچوں کی اخلاقی تربیت میں معاشرہ کے ماحول کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔

بچوں کے دل و دماغ میں آداب کو راسخ کرنے کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث وغیرہ کا ذکر:

جب ہم دیکھتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے بچوں کی اخلاقی تعمیر و تربیت میں ادب کو انتہائی درجہ اہمیت دی ہے تو اس سے ادب وآداب کی اہمیت اور بچوں کے دل و دماغ میں اسے آباد اور راسخ کرنے کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ بچوں کو اچھے اخلاق و آداب کا عادی بنایا جائے، تاکہ اس کے اخلاق اور عادات، طبیعت سلیمہ اور فطرت مستقیمہ کے مطابق ہوسکیں، اور یہ چیز اس صدقہ وخیرات سے کہیں بہتر ہے جس سے گناہ دھلتے ہیں، اگرچہ اسلام کی نظر میں صدقہ وخیرات کو ایک اہمیت حاصل ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا اس سے بہتر ہے کہ وہ ایک صاع کے برابر کوئی چیز صدقہ کرے۔'' (ترمذی، رقم: ۱۹۵۲)

نیز رسول اللہ ﷺ نے والدین کو واضح انداز میں بتایا ہے کہ بچوں کو ادب کی تعلیم دینا (ان کے لیے) عظیم ترین ہدیہ اور تحفہ ہے اور حسن ادب ہی بہترین ورثہ اور سرمایہ ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن العاص رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کوئی والد اپنی اولاد کو حسنِ ادب سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں دیتا۔''

(جامع الاصول ۱/۴۱٦)

اسی بناء پر امام علی المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

''اولاد کو ادب کا وارث بنانا ان کے لیے زیادہ بہتر ہے مال کا وارث بنانے کی نسبت، (کیونکہ) ادب سے مال و جاہ اور بھائیوں کی محبت حاصل ہوتی ہے اور دنیا وآخرت کی خیریں جمع ہوجاتی ہیں۔'' (تنبیہ المغترین ص ۴۱)

ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ ادب کی اہمیت سے ناواقف یا غافل ہوں اور اس کو عام بات

سمجھتے ہوں، جس سے غفلت اور کوتاہی برت لینے کو جائز سمجھتے ہوں، اُنہیں یہ خبر نہیں کہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اولاد نافرمان ہوگی اور ان بیچاروں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بچوں کو اخلاق کے زیور سے آراستہ کرنا اولاد کے حقوق میں شامل ہے، جیسے دوسرے کھلانے پلانے کے حقوق وغیرہ۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

''اپنی اولاد کا اکرام کرو اور ان کو اچھا ادب سکھاؤ۔''

ابن ابی الدنیا کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''اپنی اولاد سے محبت کرو اور ان کو اچھا ادب سکھلاؤ۔''

سلف صالحین بھی ادب کی قدر و قیمت اور اس کے مرتبہ و مقام سے باخبر اور آگاہ تھے، انہوں نے بھی اپنے بچوں کی اسی نہج پر تربیت کی اور امت مسلمہ کو بھی اس کی نصیحت کی ہے۔

ایک جلیل القدر صحابی رسول ﷺ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والدین کو لطیف پیرایہ میں مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اپنے بیٹے کو ادب سکھاؤ، کیونکہ تم سے اس کے متعلق سوال ہوگا کہ تم نے اسے کیا ادب سکھایا اور تم نے اس کو کیا تعلیم دی؟ اور اس سے بھی تمہاری فرماں برداری کے متعلق سوال ہوگا۔''

ادب کو بچوں کی تربیت میں اتنی اہمیت کیوں حاصل ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھے اخلاق و آداب سے روشن عقل پیدا ہوتی ہے اور روشن عقل سے اچھی عادت پیدا ہوتی ہے اور اچھی عادت سے اچھی طبیعت اور اچھی طبیعت سے نیک اعمال اور نیک اعمال سے رب تعالیٰ کی رضا اور رب تعالیٰ کی رضا مندی سے دائمی اور ابدی نعمت و عزت حاصل ہوتی ہے۔

(جب کہ اس کے برعکس) برے اخلاق و آداب سے عقل کا فساد پیدا ہوتا ہے اور عقلی فساد سے بری عادت اور بری عادت سے گھٹیا طبیعت اور گھٹیا طبیعت سے بداعمالی اور بداعمالی سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضبناکی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضبناکی سے ہمیشہ کی ذلت و

رسوائی حاصل ہوتی ہے۔

سلف صالحین بھی اپنے بچوں کو ادب کی اہمیت پر متوجہ کرتے اور انہیں اس کا وارث بناتے تھے۔ لیجئے! ملاحظہ کیجئے اور خوب توجہ سے پڑھئے۔

سلف صالحین کی زندگی کے چند نمونے:

رُویم بن احمد البغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ:

''بیٹا! اپنے عمل کو نمک اور ادب کو آٹا بناؤ، یعنی زیادہ سے زیادہ ادب سیکھو حتیٰ کہ تمہارے اخلاق و کردار میں اس کی کثرت اس تناسب سے ہو جیسے آٹے کی نمک سے نسبت ہوتی ہے، جو اس آٹے میں ڈالا جاتا ہے اور تھوڑے عمل صالح کے ساتھ ادب کا زیادہ ہونا اس عمل سے کہیں بہتر ہے جس میں ادب کا درجہ کم ہو۔'' (الفروق ۹٦/۳ ماخوذ از رسالة المسترشدين ص ۳۱)

ابراہیم بن حبیب بن شہید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے کہا کہ:

''فقہاء اور علماء کے پاس جایا کرو اور ان کے ادب واخلاق اور ہدیہ سے استفادہ کرو، کیونکہ یہ بات مجھے کثرتِ حدیث سے زیادہ پسند ہے۔''

(الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع ص۱۷/۱)

اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد حدیث کے ساتھ ادب کو سیکھ لے، پہلے اس سے کہ وہ بغیر ادب کے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سیکھے کہ اس طرح وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے ادبی کا ارتکاب کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ راہِ راست سے بھٹک جائے گا۔

ایک بزرگ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ:

''بیٹا! تمہارا ادب کا ایک باب سیکھنا علم کے ساٹھ ابواب سیکھنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔''

ابوزکریا العنبری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''بغیر ادب کے علم اس آگ کی مثل ہے جو بغیر لکڑی کے ہو اور علم کے بغیر ادب اس روح کی مانند ہے جو بغیر جسم کے ہو۔'' (ادب الاملاء والاستملاء، الجامع ۱۷/۱)

لیکن وہ کون سی ادبی صفات ہیں جو ہمارے پیغمبر ﷺ نے بچوں کی تربیت کے لیے خصوصی طور پر ذکر کی ہیں؟ جب ہم احادیث شریفہ کا مطالعہ اور تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں ایسے نو آداب ملتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل بیان کیے گئے ہیں۔

بچوں کے لیے آدابِ نبوی ﷺ کی انواع واقسام

❶ والدین کے ساتھ ادب کا برتاؤ:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاذکار'' میں باب قائم کیا ہے، "باب نهى الولد والمتعلم والتلميذ ان ينادى اباه ومعلمه وشيخه باسمه."

ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا، آپ ﷺ نے لڑکے سے پوچھا کہ: ''یہ آدمی کون ہے''؟ اس نے بتایا کہ میرے والد ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم ان کے آگے مت چلو، اور ان کو گالی دینے کا سبب نہ بنو اور ان سے پہلے نہ بیٹھو اور ان کو نام لے کر مت پکارو۔''

مجمع الزوائد (۱۳۶/۸) میں بھی ابن حجر الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے لیکن وہ واقعہ موقوف علی ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، اس سے بہت عمدہ فوائد مستنبط ہوتے ہیں، وہ واقعہ افادۂ عام کی خاطر ذکر کیا جاتا ہے:

ابوغسان الضبی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ: میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ ظہر الحرہ (مقام) میں چلا جا رہا تھا کہ میری ملاقات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، انہوں نے پوچھا کہ ''یہ کون ہیں''؟ میں نے کہا کہ ''میرے ابا جان ہیں'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے والد صاحب کے آگے مت چلو، البتہ ان کے پیچھے یا پہلو میں چلو اور کسی کو اپنے اور ان کے درمیان حائل نہ ہونے دو، اور ایسی چھت پر نہ چلو جس کے نیچے تمہارے والد موجود ہوں کہ اس سے وہ خوف زدہ ہوں گے اور اس (گوشت دار) ہڈی کو نہ کھاؤ جس پر تمہارے والد کی نظر پڑی ہو کہ ہوسکتا ہے کہ ان کا جی چاہتا ہو۔''

والدین سے گفتگو کرنے کے آداب:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ:

''ابوالبداخ التجیبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں جتنی آیات قرآن میں آئی ہیں ان کا مفہوم میں نے سمجھ لیا ہے مگر اس آیت کریمہ کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی ہے: ﴿وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ [بنی اسرائیل: ۲۳] اس میں قولِ کریم سے کیا مراد ہے؟ ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ (جیسے) گنہگار غلام اپنے سخت مزاج آقا سے بات کرتا ہے (اس طرح والدین سے بات کرو) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قول کریم کی تفسیر یہ کی ہے کہ اولاد اپنے والدین کو یوں مخاطب کرے: ابا جان! اماں جان!۔''

(تفسیر القرطبی ۱۰/۲٤۳ و تفسیر الرازی ۲۰/۱۹۰)

تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''میں اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھا تھا کہ ایک کتا آیا، میں نے اسے دھتکار کر کہا کہ کتے کا بچہ، میرے والد نے اندر سے آواز دے کر ڈانٹ پلائی، میں نے کہا کہ کیا یہ کتے کا بچہ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، لیکن جواز کی شرط یہ ہے کہ تحقیر نہ کی جائے، میں نے کہا کہ ہاں، یہ بڑی فائدہ مند بات ہے۔''

(رسالۃ المسترشدین ص ۱۲۵)

معلوم ہوا کہ والدین سے جب کوئی بات اولاد سیکھے یا استفادہ کرے تو ان کی خوش دلی کی خاطر اور اپنے آپ کو تواضع اور انکساری کی عادت ڈالنے کے لیے اولاد کو یہ کہنا چاہیے کہ آپ نے بہت مفید اور کارآمد بات کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔

والدین کی طرف دیکھنے کے آداب:

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جب والد اپنی اولاد کو دیکھ کر خوش ہو تو اولاد کو ایک جان آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔ کسی نے عرض کی، یارسول اللہ! اگر چہ تین سو ساٹھ بار دیکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر۔'' (اسناده حسن، قاله الهيثمي ١٥٦/٨)

امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیض القدیر'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص اپنے والدین کو رحمت بھری نظر سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے لیے ایک مقبول اور مبرور حج کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔'' (٤٨٣/٥)

آخر میں ہم ایک نیک و صالح عالم کا قول ذکر کرتے ہیں کہ بچوں کو آداب و اخلاق سے کس طرح آراستہ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الادب المفرد" (١/ ٧٣١) میں ولید بن نمیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ اسلاف کا یہ قول ہے کہ بچوں کی صلاح (نیک ہونا) اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور ادب ماں باپ کی طرف سے ہوتا ہے۔

ہم نے اس سے پہلے بھی بچوں کے ادب و مقام کے اضافہ کے لیے والدین کو نصیحت کی تھی کہ وہ بچوں کو نیک و صالح علماء کی صحبت سے مستفید ہونے اور ان سے ادب و آداب کا کسب کرنے کا امر کریں قبل اس کے وہ ان علماء سے علم حاصل کریں، تاکہ عمدہ صورت میں فائدہ کی تکمیل ہو اور بچے علماء کا ادب بھی سیکھیں۔

② علمائے کرام کے ساتھ ادب کا برتاؤ:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ حدیث مبارک سے جو فوائد مستنبط کیے اور اپنی کتاب "الاذکار" میں باب نهي الولد والمتعلم والتلميذ کے تحت ان فوائد کو ذکر کیا ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس پر مزید کہتے ہیں کہ:

ہم نے والدین کے ساتھ ادب کا جو ذکر کیا ہے وہ علماء کے ساتھ بھی ادب کے

برتاؤ کے مثل ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ علماء، انبیاء کے وارث ہیں، لہٰذا ان کا احترام و توقیر، ان کے سامنے عاجزی اختیار کرنا اور ان کی خدمت بجالانے میں جلدی کرنا اور ان کی مجالس میں آواز پست رکھنا اور ان کے ساتھ لطف و نرمی کا برتاؤ کرنا یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کی بچوں کو ضرورت ہے کہ وہ ان کو اپنائیں۔''

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کی فضیلت کے بیان میں یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے:

''علماء والدین سے زیادہ امت محمدیہ پر مہربان ہوتے ہیں، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ تو دنیا کی آگ سے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ آخرت کی آگ سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (الاحیاء: ۱/۱۱)

آپ دیکھیں گے کہ علماء کے ادب واحترام پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جیسے امام سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ادب الاملاء والاستملاء اور ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ادب العالم والمتعلم وغیرہ۔

علمائے کرام کے ساتھ بچوں کے ادب کا معاملہ:

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا! تم پر علماء کی صحبت اختیار کرنا لازم ہے اور تم حکماء کا کلام سنا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت کے نور سے مردہ دل کو اسی طرح زندہ کرتا ہے جس طرح مردہ زمین کو موسلا دھار بارش سے زندہ کرتا ہے۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑے کا احترام نہ کرے اور ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے۔“

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”تین آدمی ایسے ہیں کہ منافق کے سوا اور کوئی ان کی تحقیر نہیں کرتا، ایک وہ جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو چکا ہو، دوسرا صاحب علم اور تیسرا عادل حکمران۔“

اسلاف کے بچوں کے ادب کے چند نمونے:

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ جاتے تو مہاجرین و انصار میں سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے لیکن کسی کو ان سے کوئی بات پوچھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، آپ خود ہی بات شروع کرتے یا کوئی پوچھنے والا آتا اور ان سے پوچھتا تو وہ بچے بھی توجہ سے سنتے تھے۔

اس سے پہلے بھی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما گزر چکی ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ایک سوال کیا تھا لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما، شیخین مکرمین رضی اللہ عنہما کی موجودگی کی وجہ سے خاموش رہے اور جواب نہ دے پائے۔

اب آپ حبر الامۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ادب کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں، جب انہوں نے اپنے بچپن کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم کی دولت حاصل کی۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ:

”وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے ایک انصاری آدمی سے کہا کہ آؤ! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے (دین کی باتیں) پوچھیں، کیونکہ آج ان کی تعداد زیادہ ہے، اس انصاری آدمی نے جواب دیا کہ اے ابن عباس! تعجب کا مقام ہے! تم کیا سمجھ رہے ہو کہ لوگ تمہارے محتاج ہوں گے، جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت لوگوں میں موجود ہے؟ یہ کہہ کر اس نے میری بات کو

رد کر دیا، لیکن میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم کا حصول جاری رکھا، اگر کوئی حدیث مجھے کسی آدمی کے حوالہ سے پہنچتی تو میں اس کے دروازے پر آتا اور وہ قیلولہ کر رہا ہوتا تو میں اس کے دروازے پر اپنی چادر کو تکیہ بنا کر پڑا رہتا، ہوا میرے اوپر مٹی کو اڑاتی پھرتی، پھر وہ آدمی باہر آتا تو مجھے دیکھ کر کہتا ہے اے ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں آئے؟ کیسے آئے؟ مجھے ہی بُلا بھیجا ہوتا! میں خود آپ کے پاس چلا آتا، میں کہتا کہ نہیں، مجھے آپ کے پاس آنا چاہیے میں اس کا زیادہ حق رکھتا ہوں، پھر میں ان سے حدیث کے بارے میں پوچھتا، ایک وقت پھر ایسا بھی آیا کہ اس انصاری آدمی نے مجھے دیکھا کہ میرے ارد گرد لوگ جمع ہیں اور مجھ سے دینی مسائل پوچھ رہے ہیں، اس نے (یہ منظر دیکھ کر) کہا کہ یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقلمند رہا۔'' (صفحات من صبر العلماء ص ۳۷)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے کو علماء کی مجلس میں بیٹھنے کی وصیت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''بیٹا! جب تم علماء کی مجلس میں بیٹھو تو بولنے کی نسبت ان کی بات سننے کی زیادہ خواہش رکھو، اور جس طرح تم حسن گفتگو کو سیکھتے ہو اسی طرح حسن سماعت کو سیکھو، اور کسی کی قطع کلامی نہ کرو خواہ وہ طویل ہو جب تک کہ دوسرا شخص بات پوری کر کے خاموش نہ ہو جائے۔''

آخر میں ہم ایک ننھے صحابی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری اور اس کے ادب کا ذکر کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک چھوٹا سا لڑکا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کیا کرتا تھا، مجھے بولنے سے صرف یہ بات مانع ہوتی کہ مجلس میں ایسے لوگ موجود ہوتے جو عمر میں مجھ سے بڑے ہوتے تھے۔''

③ احترام وتوقیر کے آداب:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، ایک بوڑھا آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتا تھا، لوگوں نے اس کے لیے جگہ کشادہ کرنے میں دیر کر دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

(صحيح الجامع رقم (٥٤٤٥) ورواه احمد و الطبراني عن ابن عباس)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ:

''جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کا رتبہ نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (ایضاً)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ:

''جو ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (ایضاً)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمان بوڑھے کا اکرام کرنا اور ایسے حامل قران کی توقیر کرنا جو قرآن میں غلو کرنے والا نہ ہو اور نہ اس میں تقصیر کرنے والا ہو اور عادل بادشاہ کا اکرام کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے ہے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے خواب مین دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں، اتنے میں دو آدمی آئے، ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا، میں نے چھوٹے کو مسواک دے دی، پھر مجھ سے کہا کہ بڑے کو دو، میں نے بڑے کو دے دی۔''

(رواه مسلم مسنداً والبخاری تعليقاً)

شیخین رحمۃ اللہ علیہ، ابویحییٰ الانصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ:

''عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے، ان دنوں مصالحت تھی، پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوگئے، (پھر کچھ دیر کے بعد) محیصہ، عبد اللہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ مقتول حالت میں خون میں لت پت ہیں، پھر وہ مدینہ آئے اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے حویصہ رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو عبد الرحمٰن بات کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''بڑا بات کرے بڑا بات کرے''، یعنی عمر میں جو بڑا ہے وہ بات کرے، عبد الرحمٰن ابھی نوعمر تھے۔''

ان احادیث سے علماء اور بزرگ لوگوں کا احترام و مقام اور اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو کے لیے بڑے کو آگے ہونا چاہیے، ہاں البتہ چھوٹے سے گفتگو کرنے کا کہا جائے یا موقع سوال کا ہو تو پھر چھوٹا بھی بات کرسکتا ہے۔

4 بھائیوں کے آداب:

اس سے پہلے چند آداب کا بیان ہوا کہ چھوٹا بڑے کا احترام اور توقیر کرے اور بڑا چھوٹے پر رحم و شفقت کا برتاؤ کرے۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھائی کو بھی خواہ وہ عمر میں چھوٹا ہو یا بڑا، اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنے بھائی کو خوفزدہ کرے یا اس کو مرعوب کرنے کے لیے کسی ہتھیار سے اشارہ کرے۔

چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں جب تک کہ وہ اس حرکت سے باز نہ آجائے اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہو۔''

نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ اسلام میں بڑے بھائی کو ایک خاص مقام اور رتبہ حاصل ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ وہ خاندان کے امور کا بار اٹھاتا ہے اور وہ اپنے چھوٹے بھائیوں کی تربیت اور ان کی دیکھ بھال کا مسئول اور ذمہ دار بھی ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ ایک صحابی کلیب الجہنی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بھائیوں میں بڑا بھائی بمنزلہ باپ کے ہے۔'' (المجمع: ۸/ ۱٤۹)

اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین جب بڑے بیٹے کے دل میں اس کے چھوٹے بھائیوں کی محبت و ہمدردی اور شفقت ڈالیں گے اور چھوٹے کے دل میں بڑے بھائی کا احترام اور عظمت بٹھائیں گے تو اس سے ایک موزوں اور معتدل طریقہ سے سارا خاندان چلے گا کہ ہر ایک دوسرے کے واجبی حق اور ذمہ داری کو پہچانے گا، قبل اس کے کہ وہ دوسرے پر اپنے حق کو پہچانے۔

5 پڑوسیوں کے آداب:

شریعت مطہرہ میں پڑوسیوں کے بڑے حقوق رکھے گئے ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس سے مسلم معاشرے کے باہمی روابط استوار ہوتے ہیں، کچھ آداب ایسے ہیں جن کا تعلق پڑوسیوں کے بچوں کے ساتھ ہے جس کی طرف ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو متوجہ کیا ہے تاکہ بچوں میں اس کی عادت پیدا ہو، جیسے پڑوسیوں کے درد و تکلیف کا خوب احساس کرنا، اور انہیں کسی طریقہ سے بھی اذیت نہ دینا اور بچہ کا اس طرح باہر نہ آنا کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی کوئی چیز ہو جسے وہ کھا رہا ہو یا پھل وغیرہ ہو جسے وہ تناول کر رہا ہو کہ اس سے پڑوسیوں کے بچوں کا دل دکھ سکتا ہے کیونکہ بسا اوقات ان بچوں کے والدین ان کے لیے کچھ خریدنے کے متحمل ہی نہیں ہوتے یا وہ مالی طور پر تنگدستی کا شکار ہوں کہ فوری طور پر خریدنا ان کے لیے ممکن نہ ہو، اس لیے بچوں کو اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ وہ راستوں میں نہ کھائیں، گھر میں ہی کھائیں، اس طرح وہ بچے رفتہ رفتہ عمومی آداب کو بجالانے کی بھی کوشش کریں گے۔

خرائطی رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب کے حوالہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ ذی شان نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اگر تم پھل خریدو تو ان کو ہدیہ میں دو، اگر تم اس طرح نہ کر سکو تو پھل کو اندر چھپا کر رکھو، تاکہ تمہارے بچے (لے کر) باہر نہ نکلیں کہ اس سے ان کے بچوں کا دل دکھے گا۔''

لہٰذا وہ بچے جو اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ پڑوسیوں کے بچوں کا دل نہ دکھائیں اور ماں باپ کو بھی چاہیے کہ اپنے بچوں کے دلوں میں اس چیز کی بھی آبیاری کریں۔ پڑوسیوں کے معاملہ میں آنحضور ﷺ کے ارشادات کس قدر عظیم ہیں کہ اسی عظمت کی وجہ سے ایک نومسلم اپنے اسلام لانے کا سبب یوں بیان کرتا ہے کہ:

''ہمارے مسلمان پڑوسیوں کا ہمارے ساتھ سلوک اور برتاؤ بہت ہی اچھا ہے، یوں لگتا ہے کہ جیسے میں بھی ان کے خاندان کا ایک فرد ہوں، بچپن میں میں ان کے بچوں کے ساتھ ہی رہتا سہتا تھا۔''

6 اجازت مانگنے کے آداب:

کسی کے گھر جانے سے پہلے صاحب خانہ سے اجازت لینا ہر چھوٹے بڑے کی ذمہ داری ہے، شریعت اسلامیہ میں اس کی خاص اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات میں بھی اس کی ترغیب دی ہے اور معاشرتی اور خاندانی زندگی میں اس کی بہت بڑی اہمیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبارِ صحابہؓ کی بجائے صغارِ (چھوٹے) صحابہؓ بھی اس کی اہمیت سے شناسا تھے۔

جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الادب المفرد'' میں عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ (ایک مرتبہ) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اندر آنے کی اجازت چاہی تو انہیں اجازت نہیں ملی، کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشغول تھے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ واپس چلے آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ مجھے یوں لگا جیسے عبد اللہ بن قیس (ابوموسیٰ کا نام) کی آواز آئی ہو؟ انہیں اندر آنے کی اجازت دو، بتایا گیا کہ وہ تو واپس جا چکے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر پوچھا تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اس پر ثبوت پیش کرو،

چنانچہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ انصار کی مجلس میں گئے اور ان سے دریافت کیا تو لوگوں نے کہا اس بات پر ہمارا چھوٹا لڑکا ابوسعیدؓ خدری رضی اللہ عنہ گواہی دے گا، پس وہ ابوسعید کو ساتھ لے گئے (اور انہوں نے گواہی دی) (اس پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم مجھ پر مخفی رہا، بازاروں کے معاملات نے مجھے غفلت میں ڈالے رکھا۔ یعنی تجارت کے لیے بازاروں کی آمدورفت سے میں اس حدیث سے ناواقف رہا۔

دیکھئے! امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھول گئے کہ جب کسی شخص کو اجازت نہ ملے تو اس پر لازم ہوتا ہے کہ بغیر غصہ کیے یا ناراض ہوئے واپس چلا آئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو یاد رکھنے والا اور اس کی گواہی دینے والا کون تھا؟ وہ تھے چھوٹے بچے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ قرآنِ کریم نے بھی بچوں کو استیذان کی تعلیم دی ہے اور والدین کو حکم دیا ہے کہ بچوں کو استیذان کے احکام درجہ بدرجہ سکھائیں، چنانچہ بالغ ہونے سے قبل بچے تین اوقات میں اجازت لیں جو والدین کی ازدواجی زندگی میں حارج ہوتے ہیں، یعنی نمازِ فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت اور عشاء کے بعد، یہ وہ اوقات ہیں جن میں والدین (عام طور پر) آرام کرتے ہیں اور ہر ایک خاص لباس میں ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [النور: ٥٨]

''ایمان والو! تم سے اجازت لیں تمہارے غلام اور جو تم میں ابھی نابالغ ہیں تین مرتبہ، نماز فجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتارتے ہو اور عشاء

کے بعد تین اوقات پردہ کے ہیں تمہارے لیے، ان کے بعد تم پر بھی اور ان پر بھی کوئی حرج نہیں، تم میں سے ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکامات بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ علم والے حکمت والے ہیں۔''

پھر جب بچہ بالغ ہوجائے اور تکلیف شرعی کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے ہر وقت استیذ ان کا حکم دیا جائے گا خواہ گھر میں ہو یا کسی اور جگہ۔ جہاں بھی وہ اپنے سامنے دروازہ بند پائیں گے اجازت لے کر اندر آئیں گے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت کریمہ میں:

﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

[النور: ۵۹]

''اور جب بچے بالغ ہوجائیں تو وہ اسی طرح اجازت لیں جس طرح ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے رہے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔''

رسول اکرم ﷺ کا اجازت طلب کرنے کا طریقہ:

انسان سوال کرتا ہے کہ جب اجازت لینے کے لیے وہ دوسرے کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹائے تو آیا وہ دروازے کے سامنے کھڑا ہو یا دائیں بائیں، اس کا کیا طریقہ ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہم حدیث رسول ﷺ نقل کرتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی دروازے پر اجازت لینے آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے، پھر اگر اجازت ملتی تو ٹھیک ورنہ واپس چلے آتے تھے۔
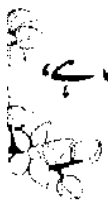
خواہ کوئی کسی بھی مقام اور رتبے پر پہنچ جائے، دیکھیے! رسول اللہ ﷺ جو امت کے قائد اور معلم ہیں ساری امت کی خواہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، راہنمائی کرتے ہیں اور انہیں بچوں کے حق سے آشنا کرواتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ (ایک مرتبہ) آنحضور ﷺ کی خدمت میں پانی لایا گیا، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ نوش کیا، اس وقت آپ ﷺ کی دائیں جانب ایک لڑکا (ایک روایت کے مطابق وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے) اور بائیں جانب بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، آپ ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا کہ: کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں یہ پانی ان کو دے دوں؟ لڑکے نے کہا یارسول اللہ! نہیں، میں آپ ﷺ کے بچے ہوئے میں سے اپنے حصہ پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا، آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ میں برتن تھما دیا۔

7 کھانے کے آداب:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں

رسول اللہ ﷺ کی زیر پرورش رہنے والا ایک لڑکا تھا، میرا ہاتھ برتن میں (کھانے کے دوران) گھومتا پھرتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

”اے لڑکے! بسم اللہ پڑھو، اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھایا کرو، اس کے بعد میرے کھانے کا طرز ہمیشہ کے لیے یہی ہوگیا۔“

8 بچوں کے آداب (باتوں کے متعلق آداب اور لباس وغیرہ کے آداب)

طبرانی میں مذکور ہے کہ حضرت اسحاق بن یحییٰ فرماتے ہیں: میں عیسیٰ بن طلحہ کے ساتھ مسجد میں تھا۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت عیسیٰ نے مجھ سے کہا ان کی طرف جاؤ اور ان سے کہو! میرے چچا بن طلحہ کہہ رہے کہ کیا آپ نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے؟ میں ان کی طرف گیا اور میں نے کہا کیا آپ نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا جی ہاں، میں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے۔

میں کچھ اور بچوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ ایک برتن میں کھجوریں تناول فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ایک ایک مٹھی بھر ہمیں کھجوریں مرحمت فرمائیں اور ہمارے سروں پر ہاتھ پھیرا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم جلد سوم میں بچوں کے لیے کھانے کے اسلامی آداب ذکر فرمائے ہیں۔ ہم وہ آپ کے سامنے ذکر کرتے ہیں۔

① بچہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھائے اور شروع میں بسم اللہ پڑھے۔

② اپنے سامنے سے کھائے۔

③ اوروں سے پہلے کھانا شروع نہ کرے۔

④ کھانے اور کھانے والوں کی طرف گھور کر نہ دیکھے۔

⑤ کھانا جلدی جلدی نہ کھائے۔

⑥ کھانا اچھی طرح چبا کر کھائے۔

⑦ ایک لقمہ ختم ہونے سے پہلے دوسرا لقمہ منہ میں نہ ڈالے۔

⑧ ہاتھوں کو اور کپڑوں کو آلودہ نہ کرے۔

⑨ اگر سالن کم محسوس ہو تو وقفہ وقفہ سے کچھ لقمے کھیرے (سالاد) کے ساتھ بھی کھالے۔

⑩ بچوں کے سامنے زیادہ کھانے کی قبائح ذکر کی جائیں کہ بسیار خوری جانوروں کی عادت ہے۔

⑪ بچوں کے سامنے زیادہ کھانے والوں کی مذمت کے ساتھ ساتھ با ادب بچوں کی تعریف بھی کی جائے۔ بچوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ کھانے میں دوسروں کو خود پر ترجیح دیں اور کھانے کی مطلق پرواہ نہ کریں۔

⑫ جیسا کھانا میسر ہو اسے صبر و شکر کے ساتھ کھالیں۔

9 بچہ کی ظاہرداری پر توجہ:

آنحضرت ﷺ بچے کی ظاہری حالت بال اور لباس وغیرہ پر بھی توجہ رکھتے تھے۔

1 ...... بال:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے ایک بچہ دیکھا جس کے کچھ بال کٹے ہوئے تھے اور کچھ بغیر کٹے تھے۔ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا یا تمام بال کاٹا کرو یا تمام بال چھوڑ دیا کرو۔“

(ابو داود علی شرط البخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قزع سے منع فرمایا۔

(صحیحین)

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ قزع کے چار مطلب ہیں:

1. سر کے بال متفرق جگہوں سے کچھ یہاں سے کچھ وہاں سے کاٹے جائیں۔
2. درمیان سر سے بال کاٹے جائیں اور اطراف کو چھوڑ دیا جائے جیسا کہ بعض نصاریٰ کرتے ہیں۔
3. اطراف سے بال کاٹے جائیں درمیان سر کو چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ اوباش لوگ کرتے ہیں۔
4. آگے سے بال کاٹ لئے جائیں اور پیچھے سے چھوڑ دیے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں (آل جعفر کو) تین دن افسوس کرنے دیا۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: میرے بھائی پر آج کے بعد نہ رونا۔ میرے بھتیجوں کو بلاؤ، ہمیں لایا گیا ہمارے بال ایسے ہو چکے تھے جیسے درختوں کی جڑ میں پودوں کی کونپلیں ہوتی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: نائی کو بلاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے اسے حکم دیا چنانچہ اس نے ہمارے بال کاٹے۔

(ابو داود علی شرط البخاری و مسلم)

لڑکیوں کے بال:

صحیحین میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے آپ ﷺ سے پوچھا: کہنے لگی یارسول اللہ! میری بیٹی کو خسرہ ہوگیا ہے جس سے اس کے بال عیب دار ہوچکے ہیں، میں نے اس کی شادی کردی ہے، کیا میں اس کے بالوں میں پیوند لگا سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پیوند لگانے والی اور لگوانے والی دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

لہٰذا مسلمان بچے کے بال دوسرے بچوں سے ممتاز ہونے چاہئیں اسے اداکاروں یا بدمعاش لوگوں جیسے بال نہیں رکھنے چاہئیں۔ اسے ہر ایسی صورت اختیار کرنے سے بچنا چاہیے جن سے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کا شائبہ ہوتا ہے۔

۲ ...... لباس:

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دو زرد رنگ میں رنگے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھا اور فرمایا تمہاری امی نے تمہیں یہ پہننے کا کہا ہے؟ میں نے کہا میں انہیں دھولوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں جلادو، اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کفار کا لباس ہے اسے مت پہنو۔ (مسلم)

امام غزالی احیاء العلوم جلد سوم میں فرماتے ہیں: بچوں کو سفید لباس پہننا چاہیے۔ رنگ دار اور ریشمی کپڑوں سے بچنا چاہیے۔ یہ بات بچے کو ذہن نشین کرانی چاہیے کہ یہ عورتوں اور ہیجڑوں کا لباس ہے۔ یہ مردوں کو زیبا نہیں ہے اور جب بھی کسی بچے کو ریشمی یا رنگدار کپڑے پہنے دیکھے تو اس کی حوصلہ شکنی کرے اور اپنے بچے کو ان بچوں سے دور رکھے جو عیش و تنعم کے دلدادہ اور لباس فاخرہ کے شوقین ہوں۔

مردوں کو ریشمی لباس پہننا حرام ہے:

جب آنحضرت ﷺ نے گذشتہ حدیث میں ارشاد فرمایا کہ یہ کفار کا لباس ہے اسے نہ پہنو تو معلوم ہوگیا کہ ہمیں کفار جیسا لباس نہیں پہننا چاہیے اور بچوں کو سختی کے ساتھ اس سے روکنا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے

پاس تھے کہ ان کا ایک بیٹا آیا، جس نے ریشمی قمیض پہنی ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تمھیں یہ قمیض کس نے پہنائی؟ بچے نے کہا امی نے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قمیض پھاڑ دی اور فرمایا: امی سے کہو کہ تمہیں اور قمیض پہنا دیں۔ (طبرانی)

امام کاسانی ؒ، بدائع الصنائع میں مردوں کے لیے ریشمی لباس کی حرمت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بڑے اور بچے حرمت کے حکم میں برابر ہیں بشرطیکہ مذکر ہوں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکر ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میری امت کے مذکروں (مردوں) پر حرام ہے۔ ہاں اگر پہننے والا بچہ (نابالغ) ہو تو اسے گناہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے پہنانے والے کو ہوگا، جیسے اگر کوئی شخص بچے کو شراب پلا دے تو گناہ بچے کو نہیں بلکہ پلانے والے کو ہوگا۔ (بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۱)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بچے کو ریشمی لباس پہنانا حرام ہے کیونکہ اس سے اس میں عورتوں والی صفات پیدا ہوتی ہیں۔

⑩ قرآنِ کریم سننے کے آداب

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ آیہ مبارکہ ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ”جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنا کرو اور خاموش ہو جایا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے“ ایک انصاری نوجوان کے بارہ میں نازل ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی تلاوت فرماتے تو وہ ساتھ ساتھ پڑھنے لگ جاتے۔

دوسرا اُصول:

سچ بولنا

سچ بولنا اسلام کے بنیادی اخلاق میں اہم ترین خلق اور عادت ہے۔ اس عادت کو بچوں کے دل و دماغ میں اچھی طرح جاگزیں کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بچوں کے دماغ میں یہ عادت پختہ کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بچوں کے ساتھ والدین کے برتاؤ پر بھی نظر رکھتے تھے کہ وہ بچوں کو کسی طرح جھوٹ بول کر دھوکہ نہ دیں کہ کہیں ان کی یہ عادت بچوں میں

سرایت نہ کر جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز مجھے میری امی نے بلایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر ہی تشریف فرما تھے۔ میری امی نے کہا آؤ میں تمہیں چیز دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اسے کیا دو گی؟ میری امی نے کہا۔ میرا کھجور دینے کا ارادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اسے کچھ نہ دیتی تو تم پر ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔ (ابو داود)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی بچے سے کہے، آؤ میں تمہیں چیز دوں اور پھر چیز نہ دے تو اس کے ذمہ ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد)

حضرت ربیعہ بن شیبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کون سا ارشاد یاد ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ارشاد، جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور جو شک میں نہ ڈالے اسے اختیار کر لو کیونکہ سچ میں سکون ہے اور جھوٹ میں شک ہے۔ (ترمذی)

سلف صالحین، میں بچوں میں یہ عادت پختہ کرنے کی بھرپور کوشش کیا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جھوٹی روایتوں سے بچو کیونکہ جھوٹ میں بہتری کی صلاحیت نہیں ہے اور تم میں سے کوئی شخص اپنے بچے سے ایسا وعدہ نہ کرے جسے پورا نہ کر سکے۔

(ادب الاملاء والاستملاء ص ٤٠)

اسی طرح حضرت یحییٰ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹے! اگر وعدہ کرو تو اس کے خلاف مت کرو، ورنہ تمہاری محبت بغض میں تبدیل ہو جائے گی۔

تیسرا اُصول:

راز داری

بچوں میں حفاظت اسرار کی عادت بھی پیدا کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بچہ کے مال اور مستقبل کے لیے سودمند اور خاندان و معاشرہ کی بہتری کے لیے ناگزیر ہے۔ جو بچہ راز کی حفاظت کرتا ہو وہ پختہ ارادہ کا حامل اور زبان کا پکا ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے پیچھے سواری پر بٹھایا اور مجھے ایک راز کی بات بتائی کہ میں کسی شخص کو نہ بتاؤں۔ (مسلم)

پیچھے گزر چکا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے ایک دن تاخیر کے ساتھ پہنچے۔ ان کی والدہ نے تاخیر کا سبب پوچھا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے بھیج دیا تھا۔ والدہ نے پوچھا کہ کس کام سے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کسی پوشیدہ کام سے، تو والدہ نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔

چوتھا اُصول

امانت داری

امانت داری ایسی خصلت و عادت ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عہد طفولیت سے زمانہ رسالت تک اس سے ایسے متصف رہے کہ مشرکین بھی آپ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ کیا مسلمان بچوں کو یہ عادت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بچے کو پابند کیا کہ وہ اپنے والد کے مال تک کی امانت داری سے حفاظت کرے اور وہ اس کا مسئول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکا اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس بارہ میں باز پرس ہوگی۔ (السياسة الشرعية لابن تيمية رحمه الله)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں میں یہ عادت پختہ کرنے کے لیے اتنا اہتمام فرماتے کہ بعض

اوقات خیانت کرنے والے بچے کی گوشمالی بھی فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے میری والدہ نے انگور کا ایک خوشہ دے کر بارگاہ رسالت مآب میں بھیجا۔ میں نے وہ خوشہ پہنچانے سے پہلے اس میں سے کچھ کھالیا۔ جب میں وہ خوشہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے مجھے کان سے پکڑا اور فرمایا: اے دھوکہ باز! (الاذکار للنووی)

پانچواں اُصول:

کینہ پروری سے حفاظت

کینہ پروری سے حفاظت نفسیاتی توازن، انسانیت کی خدمت اور معاشرہ کی بہتری کے لیے ازبس ناگزیر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس بارہ میں خصوصی ہدایات ارشاد فرمائیں۔ ارشاد گرامی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا: میرے پیارے بیٹے! اگر تجھ سے ہوسکے کہ صبح شام تیرے دل میں کسی کے بارہ میں کینہ نہ ہو تو ایسا کرلو۔ پھر فرمایا: پیارے بیٹے! یہ میری سنت ہے، جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (ترمذی)

یعنی کینہ، حسد، بغض اور دھوکہ دہی جیسی بدخصلتوں سے بچو اور سیدھے جنت میں جاؤ۔

خاتمہ:

اخلاقِ رسول ﷺ سے ایک عملی مثال

اب اس بحث کے اختتام پر ہم آنحضرت ﷺ کا نمونہ آپ ﷺ کے سامنے رکھتے ہیں کہ وہ بچوں کے ساتھ کیسے شفقت و محبت سے پیش آتے، کیسے مزاح کرتے اور کیسے غصہ ہوتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت ﷺ کی دس سال خدمت کی، واللہ انہوں نے مجھے کبھی اف تک نہیں کہا اور نہ کسی کام کے کرنے پر کہا کہ ایسا

کیوں کیا اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر کہا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا؟ (بخاری و مسلم)

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ حسن اخلاق کے حامل تھے، مجھے ایک روز آنحضرت ﷺ نے کسی کام سے بھیجا: میں نے کہا کہ میں نہیں جاتا جبکہ میرے دل میں تھا کہ میں جاؤں گا۔ میں نکلا، راستہ میں میرا گزر بچوں پر ہوا جو بازار میں کھیل رہے تھے۔ میں نے پیچھے دیکھا تو آنحضرت ﷺ میرے پیچھے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انس! تم وہیں جا رہے ہو جہاں میں نے کہا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جی ہاں میں جا رہا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی نو سال خدمت کی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کوئی کام کیا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ کیوں کیا یا نہ کیا ہو تو فرمایا ہو کہ کیوں نہیں کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کی دس سال خدمت کی۔ مجھے جب کسی کام کے کرنے کا کہا اور میں نہ کر سکا تو مجھے ملامت نہیں کی۔ اگر گھر میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا: چھوڑو۔ جو مقدر میں ہوتا ہے، ہو کر رہتا ہے۔

(مسند احمد)

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بچوں کی تربیت کے لیے خود انہیں نمونہ بن کر دکھایا تاکہ بچوں کے ذہن میں یہ صفات اچھی طرح راسخ ہو سکیں۔ ہم بھی اخلاق نبویؐ کی روشنی میں اپنے بچوں کی تربیت کر سکتے ہیں اور تبھی وہ اسلامی اخلاق سے متصف ہو کر جدید چیلنجز کا بحسن وخوبی مقابلہ کر سکیں گے اور عصر حاضر کے نت نئے فتنوں سے محفوظ ہو کر اسلامی اقدار و روایات سے اپنی زندگی کو مزین کر سکیں گے۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ

❁❁❁❁

باب پنجم:

رحم دلی اور شفقت کی تعمیر و تربیت

تمہید ...... رحم دلی کی صورتیں

پہلا اصول ...... بچہ کا بوسہ لینا

دوسرا اصول ...... بچوں کے ساتھ کھیلنا اور مذاق کرنا

تیسرا اصول ...... بچوں کو تحفہ اور ہدیہ دینا

چوتھا اصول ...... بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا

پانچواں اصول ...... بچے کا مسکرا کر استقبال کرنا

چھٹا اصول ...... بچے کے احوال کی خبر گیری اور اس سے پوچھتے رہنا

ساتواں اصول ...... بچیوں اور یتیموں پر خصوصی توجہ دینا

❀ بچی کی تربیت ❀ بچیوں کو ناپسند سمجھنے کی ممانعت ❀ بچے اور بچی میں مساوات ❀ بچی کی پرورش پر اجر و ثواب ❀ یتیم کی پرورش اور تربیت ❀ یتیم کی پرورش پر اجر و ثواب ❀ یتیم کے مال کی حفاظت اور اس سے تجارت ❀ یتیم بچوں کی پرورش کرنے پر بیوہ عورت کے لیے اجر و ثواب ❀ تعلیم و تربیت میں یتیم کے ساتھ اپنے بچوں جیسا سلوک

آٹھواں اصول ...... بچوں کی محبت میں اعتدال سے کام لینا

❀ خود کو اور بچوں کو پابند شرع بنانا ❀ والدین کا مہمان نواز، کریم النفس، بہادر اور علم دوست بننا ❀ بچوں کی بیماری اور وفات پر صبر کرنا اور ثواب کی امید رکھنا

تمہید

رحمدلی اور شفقت کا برتاؤ بچے کی شخصیت پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اگر اعتدال کے ساتھ شفقت کا معاملہ ہو تو انسان ایک معتدل فرد کی حیثیت سے معاشرہ میں پروان چڑھتا ہے اور یہ اعتدال عمر بھر اس کے ساتھ رہتا ہے، لیکن شفقت و محبت میں کمی بیشی دونوں ہی نقصان دہ ہیں۔ اس کی زیادتی سے بچے کے اندر دنیاوی مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور اس کی کمی سے بچے میں بے رحمی کا عنصر غالب آ جاتا ہے۔

الغرض بچے کی شخصیت کی تعمیر میں محبت و شفقت کا کردار انتہائی اہم ہے۔ والدین میں موجود محبت و رحمت ہی بچے کا سرمایہ اور زندگی کے ہر نازک موڑ پر اس کا رفیق اور ساتھی ہے۔ اسی لیے ہمیں ان بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کا خصوصی برتاؤ کرنا چاہیے، جن کے ماں باپ دونوں یا کوئی ایک اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکا ہو۔ اور اسی طرح ہمیں بچیوں کے ساتھ بھی محبت کا خصوصی برتاؤ کرنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ بھی بچوں کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت سے پیش آتے۔ وہ اسلامی معاشرہ یقیناً قابل ستائش اور لائق تعریف ہے، جس میں یتیموں کے ساتھ کریمانہ برتاؤ ہوتا ہے اور بچیوں کو بچوں کے ساتھ مساوات کا درجہ حاصل ہو۔

تاہم یہ سوال اپنی جگہ باقی ہے کہ ہم بچے میں رحمدلی کا جذبہ کیسے بیدار کریں کہ وہ اپنی زندگی کو اعتدال کے ساتھ گذارنے والا بن جائے۔ آیئے احادیث کی روشنی میں اس کے بنیادی اسباب تلاش کرتے ہیں تاکہ رحمدلی اور محبت پیدا کرنے کے یہ طریقے ہماری زندگی میں رائج ہو سکیں۔

پہلا اصول:

بچہ کا بوسہ لینا

بچوں میں محبت کے جذبات برانگیختہ کرنے اور غصہ کی تسکین کے لیے بوسہ کا اہم کردار رہا ہے۔ یہ بڑے اور چھوٹے کے درمیان محبت قلبی کا سبب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ محبت و الفت ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بڑا چھوٹے کے ساتھ تواضع سے پیش آ رہا ہے۔ اس سے بچے کے دل پر بڑے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کے دل میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ سنت نبوی ﷺ ہے:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ؛ کچھ اعرابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: آپ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! وہ کہنے لگے: واللہ! ہم تو بوسہ نہیں دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے رحم نکال لے تو کیا میرے اختیار میں ہے۔" (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کہنے لگا: میرے دس بچے ہیں، میں نے تو انھیں کبھی بوسہ نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔" (بخاری و مسلم)

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ بچوں کے ساتھ اور گھر والوں کے ساتھ رحم دلی کا معاملہ فرماتے تھے۔

الغرض بچوں پر شفقت و رحمت، سنت نبوی ﷺ ہے اور جنت میں جانے اور رضائے خداوندی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس

آئی اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے آپ رضی اللہ عنہا نے اسے تین کھجوریں دیں۔ اس نے دو کھجوریں اپنے دو بچوں کو دے دیں اور ایک اپنے پاس رکھ لی۔ بچے اپنی اپنی کھجور کھا کر ماں کو دیکھنے لگے۔ ماں نے اپنے حصہ کی کھجور کے بھی دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچوں کو دے دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ تمام واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں تعجب کی کیا بات؟ اس نے اپنے بچوں پر رحم کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر رحم فرمایا۔" (بخاری)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر کس قدر رحیم تھے؟ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوسکتا ہے:

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نماز شروع کرتا ہوں۔ میں لمبی نماز ادا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس کے رونے سے اس کی ماں پر کیا بیت رہی ہوگی؟" (صحاح ستہ الا ابا داود)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اُٹھا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو انھیں اُتار دیتے، جب کھڑے ہوتے تو دوبارہ اٹھالیتے تھے۔"

(صحاح ستہ الا الترمذی)

لیکن انسان کو سب سے زیادہ تعجب اس وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کسی بچے کو دیکھتا ہے کہ وہ بڑوں کو حیوانات تک کے ساتھ رحمت وشفقت کی ترغیب دے رہا ہے۔ اور انھیں رحمت خداوندی کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک شکاری نے مچھلی شکار کی۔ اس کی بیٹی نے مچھلی اُٹھا کر دوبارہ پانی میں پھینک دی اور کہنے لگی: یہ اپنی غفلت کے سبب جال میں پھنسی تھی۔ یہ واقعہ لکھ کر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بارِ الٰہا: اس بچی نے مچھلی کی غفلت پر رحم کھا کر اسے دوبارہ پانی میں ڈال دیا۔

اے اللہ! ہمیں بھی تو شیطانی مکر و فریب شکار کر چکا ہے اور ہمیں تیرے رحم کے سمندر سے نکال چکا ہے۔ الٰہی! ہم پر اپنے رحم سے فضل فرما اور ہمیں شیطانی مکر سے نجات عطاء فرما کر اپنی رحمت کے سمندر میں دوبارہ ڈال دے۔''

(تفسیر کبیر)

ماں کو اپنی اولاد سے کتنی محبت ہوتی ہے؟ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوسکتا ہے:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو عورتیں تھیں، ان کے ہمراہ ان کے دو بچے تھے۔ بھیڑیا آیا اور ایک کے بیٹے کو لے گیا۔ وہ اپنا قضیہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں۔ آپ علیہ السلام نے بڑی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ وہ وہاں سے نکلیں تو انھیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلالیا اور فرمایا: چھری لاؤ، میں بچے کے دو ٹکڑے کر کے تمھیں ایک ایک ٹکڑا دے دیتا ہوں۔ اس پر چھوٹی بولی: اللہ آپ پر رحم کرے، یہ بڑی کا ہی بیٹا ہے، اس کے دو ٹکڑے نہ کریں۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ فرمادیا، قرآنِ کریم میں مذکور ہے: ﴿وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ ...... ہم نے انھیں حکمت اور فصلِ خطاب عطا کیا۔''

اس قصہ میں قارئین بڑی کی قساوت قلبی ملاحظہ کریں، کہ اس کے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا، لیکن اس نے نہ تو اظہارِ غم کیا اور نہ یہ باور ہونے دیا کہ اس کا بیٹا بھیڑیا لے جا چکا ہے، بلکہ اس نے سخت دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی سہیلی کے بیٹے پر قبضہ کرلیا۔ اتنی سخت دلی کا مظاہرہ تو مردوں سے بھی بعید ہے کجا یہ کہ ایک عورت سے۔ ایسا ہونا تو ناممکن ہے کہ وہ اپنے اور سہیلی کے بیٹے میں امتیاز نہ کر سکی ہو۔

دوسرا اصول:

بچوں کے ساتھ کھیلنا اور مذاق کرنا

اگر ہم آنحضرت ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں بخوبی علم ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو بچوں کے ساتھ کھیلتے، کبھی انھیں کاندھوں پر بٹھاتے اور کبھی ان سے ہنسی مذاق فرماتے تھے۔ یہ تمام اعمال بچے کا حق ہیں۔ چونکہ احادیث سے یہ تمام چیزیں ثابت ہیں، لہٰذا ہمیں بھی بچوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، ہمیں کھانے پر بلایا گیا۔ راستہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ لوگوں سے آگے بڑھے اور اپنے بازو مبارک پھیلا لیے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ آپ ﷺ انھیں ہنساتے رہے، حتیٰ کہ انھیں پکڑ لیا۔ آپ ﷺ نے ایک ہاتھ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ایک سر اور کانوں کے درمیان رکھا۔ پھر انھیں اپنے گلے سے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا:

> ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، جو شخص حسین سے محبت رکھتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما میرے نواسے ہیں۔'' (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میرے ان کانوں نے سنا، میری ان آنکھوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑا ہوا تھا، ان کے پاؤں آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک پر تھے۔ آپ فرما رہے تھے اوپر چڑھو، یہ اوپر چڑھے، حتیٰ کہ ان کے قدم آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک پر آ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''اپنا منہ کھولو اور پھر بوسہ دیا، پھر فرمایا: اے اللہ! اس سے محبت رکھ، مجھے اس سے محبت ہے۔'' (بخاری فی الادب المفرد، طبرانی)

اصابہ میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چھوٹے قدم اُٹھانے والے، چھوٹی آنکھ والے (شفقت سے ایسا فرمایا) اوپر چڑھو۔'' نہایہ ابن الاثیر میں یہ بھی ہے کہ: آنحضرت ﷺ حضرت حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کو گھماتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ سب سے اچھے اخلاق کے حامل تھے۔ میرا ایک بھائی تھا ابوعمیر۔ وہ اپنے بلبل کے ساتھ کھیلتے تھے۔ ان کا دودھ چھڑا دیا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ جب تشریف لاتے تو فرماتے:

''ابوعمیر! بلبل کا کیا بنا؟ (بلبل مر چکا تھا۔)''

(بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داود)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس آتے تھے، ان کا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ایک لڑکا تھا ابوعمیر۔ آپ ﷺ اس سے مزاح کیا کرتے تھے۔

(ایک روز) آنحضرت ﷺ اس کے پاس آئے تو اُسے غمگین پایا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابوعمیر کیا ہوا؟ تم مجھے غمگین نظر آرہے ہو؟ گھر والوں نے بتایا کہ اس کا بلبل مر گیا، جس کے ساتھ یہ کھیلتا تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ فرمانے لگے:

''ابوعمیر! تمہارے بلبل کا کیا بنا؟'' (مسند احمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''اے کانوں والے! یعنی مزاحاً یہ ارشاد فرمایا۔'' (ترمذی، ابوداود)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ مجھے ابو بقلۃ (سبزی والا) کہا کرتے تھے، کیونکہ میں سبزی توڑ کر لاتا تھا۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کا استقبال بنو مطلب کے چھوٹے غلاموں نے کیا تو آپ ﷺ نے ایک کو آگے بٹھا لیا اور ایک کو پیچھے۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اُسامہ عرفہ سے مزدلفہ تک آنحضرت ﷺ

کے پیچھے سوار رہے، پھر مزدلفہ سے منیٰ تک حضرت فضل سوار رہے۔ وہ دونوں فرماتے ہیں: آپ ﷺ جمرۂ عقبہ کی رمی تک تلبیہ کہتے رہے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ کی گردن پر سوار ہوگئے۔ آپ ﷺ سجدہ کناں رہے اور سجدہ لوگوں کے لیے بہت طویل ہوگیا، حتیٰ کہ لوگ سمجھنے لگے کہ آپ ﷺ کو کچھ ہوگیا ہے۔ جب نماز مکمل ہوگئی تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے سجدہ طویل کردیا، حتیٰ کہ ہم نے سمجھا کہ آپ کو کچھ ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا بیٹا مجھ پر سوار تھا، مجھے اس کی خواہش پوری ہونے سے پہلے جلدی کرنا اچھا نہ لگا۔'' (نسائی، حاکم)

آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح بچوں کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آتے تھے اور ان کے ساتھ کھیلتے تھے۔

دیلمی اور ابن عساکر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ چت لیٹے ہوئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ایک بچہ یا بچی بیٹھی ہوئی تھی، جس کے ساتھ آپ دل پسند باتیں کررہے تھے۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین! اسے ہٹادیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا: جس کا بچہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ کھیلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: انسان کو گھر میں بچے کی طرح رہنا چاہیے۔ یعنی ہنستے مسکراتے ہوئے، پیار و محبت کے ساتھ کھیلتے ہوئے۔ ہاں جب کوئی موقعہ آئے تو مرد بن جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو اسی لیے معزول کردیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ پیار محبت کا معاملہ نہیں کرتا تھا۔

حضرت محمد بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کسی کام کا ذمہ دار بنایا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بچے کو چوم رہے ہیں، تو وہ کہنے لگا: آپ امیر المؤمنین ہوکر بچے کو چوم رہے ہیں۔ اگر میں ہوتا تو ایسا نہ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر

اللہ تعالیٰ تمہارے دل سے رحم کھینچ لے تو اس میں میرا کیا قصور؟ اللہ تعالیٰ رحم کرنے والوں پر ہی رحم فرماتے ہیں: پھر آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا اور فرمایا: تم اپنے بچے پر رحم نہیں کرتے تو لوگوں پر کیسے رحم کرو گے۔ (دینوری)

بچوں کے ساتھ ہلسی مذاق اور کھیل یہ بچوں کا حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا یہ حق ادا فرماتے اور ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کر کے اُن کی حق تلفی نہ فرماتے تھے۔

تیسرا اُصول:

بچوں کو تحفہ اور ہدیہ دینا

ھدایا کا انسانی طبیعت پر اچھا اثر ہوتا ہے، خاص طور سے بچوں کی طبیعت پر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی آپس میں محبت کا اصول ہی یہ بیان فرمایا ہے۔ آپس میں ھدیہ دو محبت بڑھی گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی محبت کے حصول کے لیے بھی اس قانون کو عام رکھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب (موسم کا) پہلا پھل لایا جاتا تو فرماتے: اے اللہ! ہمارے شہر میں، ہمارے پھلوں میں، ہمارے مُد اور صاع میں برکت ہی برکت رکھ دے۔ اور پھر وہ پھل سب سے کم عمر بچے کو جو موجود ہوتا دے دیتے تھے۔ (مسلم)

پیچھے حضرت سائب بن یزیدؓ کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور دیگر بچوں میں سے ہر ایک کو مٹھی بھر کھجوریں دیں اور سروں پر ہاتھ پھیرا۔ (طبرانی)

حضرت حسن یا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ظہر یا عصر کی نماز پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا: اپنی جگہوں پر بیٹھے رہو۔ پھر ایک بڑے پیالے میں حلوہ لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو ایک ایک بار اس سے لینے کا موقعہ دیا۔ یہاں تک کہ میری باری آئی۔ میں بچہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک بار لینے دیا،

پھر فرمایا: اور دُوں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے پھر مجھے ایک بار اور دیا۔ پھر فرمایا: اور دوں؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے ایک بار اور دیا، میری کمسنی کی وجہ سے۔ اسی طرح تمام لوگوں کو دیا، حتیٰ کہ آخری آدمی نے بھی لے لیا۔ (ابن ابی الدنیا)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نجاشی کی طرف سے هدایا آئے، جن میں سونے کی انگوٹھی تھی، جس میں حبشی نگینہ جڑا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے لکڑی یا اپنی انگلی کے ساتھ ایک طرف کیا، پھر اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا: بیٹی اسے پہن لو۔

چوتھا اُصول:

بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا

پیچھے حدیث گذری ہے کہ آنحضرت ﷺ کیسے کھیل کے ذریعے اور بچوں کے سر پر ہاتھ پھیر کر اپنی محبت وشفقت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ انصار کے پاس آتے، بچوں کو سلام کہتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ (نسائی)

حضرت مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے چار سال قبل پیدا ہوئے۔ انھیں آپ ﷺ کی خدمت میں لے جایا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کے چہرے پر ہاتھ پھیرا...... اور آنحضرت ﷺ کی جب وفات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ کی عمر چودہ سال تھی۔ (مستدرك حاكم)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سر پر پھیرا۔ راوی کہتے ہیں جب سر پر ہاتھ پھیرا تو غالباً آپ نے تین بار فرمایا: اے اللہ! جعفر کی اولاد کو اس کا نائب بنادے۔ (مستدرك حاكم)

آنحضرت ﷺ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار اپنے دونوں دست مبارک بچے کے گالوں پر بھی پھیرتے تھے۔ اس سے بچے کو اور زیادہ قلبی محبت کا احساس ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بچے تھے، فرماتے ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے جانے کے لیے نکلے، میں بھی ساتھ نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچے ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے رخساروں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے رخسار پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس ہوئی گویا کہ عطار کا عطردان ہو۔ (مسلم)

اس حدیث مبارک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچے کے گالوں پر ہاتھ پھیرنا چاہیے اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو تمام سے یکساں اور مساوی سلوک کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی فرماتے تھے کہ تمام بچوں کے ساتھ تمام امور میں برابر کا معاملہ فرماتے۔

پانچواں اُصول:

بچے کا مُسکرا کر استقبال کرنا

بچہ سے ملاقات انتہائی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ جب ملاقات خوشگوار انداز میں ہوگی تو اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے، بچہ گفتگو کو توجہ سے سنے گا اور خود اس کا دل کشادہ ہوگا اور وہ دل میں آنے والے خیالات اور مشکلات کا اظہار کرے گا۔ یہ تمام چیزیں اس وقت حاصل ہوں گی، جب بچے سے مسکرا کر اور فرحت و خوشی کے انداز میں ملاقات ہوگی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تو گھر کے بچوں سے ملتے، ایک دن سفر سے واپسی پر مجھے پہلے آگے کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے آگے بٹھالیا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو لایا گیا، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے سوار کرلیا۔

(رواہ احمد و مسلم و ابوداود)

چھٹا اُصول:

بچے کے احوال کی خبر گیری

بسا اوقات بچہ اکیلے چلتے چلتے راستہ بھول جاتا ہے اور سڑکوں پر گھومتا پھرتا رہتا ہے۔ اگر والدین کو بچہ کی فکر ہو تو وہ فوری طور پر اس کو تلاش کرتے ہیں، اگر وہ بے فکر ہوں تو پھر ایسا نہیں ہوتا اور فوری طور پر اس کی تلاش ایک اہم رول ادا کرتی ہے، کیونکہ اس میں تاخیر، اس کے لیے خطرات اور پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ اور وہ ذہنی طور پر تکلیف سے دوچار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی گمشدگی پر حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی تلاش میں کوئی تاخیر نہیں کی، بلکہ مختلف راستوں میں انھیں ڈھونڈنے میں جلدی دکھائی۔

امام طبرانی سلمان رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے اردگرد بیٹھے تھے کہ دن چڑھے حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا آئیں اور انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کہیں کھو گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اُٹھو اور میرے بچوں کو ڈھونڈو۔'' چنانچہ ہر ایک اپنی سمت کی جانب روانہ ہو گیا۔ اور میں نے آنحضور ﷺ کی جانب کو اختیار کیا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو دیکھا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں اور ایک نر سانپ اپنی دُم پر کھڑا ہے جو اپنے منہ سے آگ کے شرارے نکال رہا ہے، (اسے دیکھتے ہی) آنحضور ﷺ اُس کی طرف لپکے، پہلے تو وہ سانپ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا، پھر فوری طور پر کسی بل میں جا کر گھس گیا۔ پھر آپ ﷺ آگے بڑھے اور بچوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا، پھر ان کے چہروں پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ: ''میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، تم دونوں اللہ کے ہاں کس قدر معزز ہو۔'' پھر ایک کو دائیں کندھے پر اور دوسرے کو بائیں کندھے پر اُٹھایا۔ (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تم دونوں کو مبارک ہو کہ تمہاری سواری کیا خوب ہے!

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اس کے سوار بھی کیا خوب ہیں اور ان کے والد ان سے بہت بہتر ہیں۔''

آپ نے ملاحظہ کیا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو خوف و ہراس نے کس طرح گھیر لیا اور اس سانپ کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے چمٹ گئے اور پھر آپ ﷺ نے ان کے خوف کو فوری طور پر ختم کیا اور ان کو آپس سے جدا کیا، پھر چہروں پر ہاتھ پھیر کر ان کے لیے دُعا فرمائی، پھر اپنے کندھے مبارک پر ان کو سوار بھی کیا اور ان الفاظ میں ان کی تعریف فرمائی کہ: ''کتنے اچھے سوار ہیں۔'' ان تمام اُمور کی وجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ بچوں کے جذبات کا بڑا اہتمام کرتے تھے کہ ان کے احساسات درست اور متوازن رہیں۔''

ساتواں اُصول:

بچیوں اور یتیموں پر خصوصی توجہ دینا

بیٹیاں اور یتیم بچے رحم و شفقت کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ خود کو کمزور خیال کرتے ہیں اور قوت و طاقت سے بے بہرہ ہوتے ہیں، نیز لوگوں کی نظر میں ان کی شان بہت کم ہوتی ہے۔

جاہلانہ معاشروں نے ان کے حقوق بری طرح پامال کیے ہیں، ظاہر ہے کہ جب کوئی اُمت یا معاشرہ یا خاندان عملی طور پر اللہ کے بتائے ہوئے راستہ سے دُور ہوگا، وہ ان دو کمزور (یتیم اور بیٹی) حیثیت کے مالک افراد پر جور و ظلم ڈھائے گا۔ یہ بھی جاہلیت کا حصہ ہے، وہ پرانی تھی اور یہ نئی جاہلیت ہے، بس مختلف شکلوں اور صورتوں میں بدل بدل کر آتی ہے، اس جاہلیت نے ظلم کا جھنڈا بلند کر رکھا ہے اور بغیر کسی حیا و شرمندگی اور مروّت و انسانیت کے ساری قوم کو نشانۂ ظلم بنا دیا ہے۔ اس نئی جاہلیت سے اپنے ظلم کو بعض تباہ کن قوانین سے آراستہ کر کے فسق و فجور کے تمام دروازے کھول کر رکھ دیے ہیں۔ یوں یہ دو کمزور صنفیں اس طرح کے معاشرہ اور خاندان میں ضائع ہوئیں، اکیلا اسلام ہی ان کی مدافعت کے لیے رہ

گیا، جو ہر اس (فرد یا جماعت) پر ٹوٹ پڑتا ہے جو ان پر کسی بھی نوعیت کے جور وظلم کو روا رکھتا ہو، یہاں تک کہ جب کسی بھی قسم کا ظلم ہوتا ہے تو اسلام اس کو کنڈم کرتا ہے اور اس پر زجر و تنبیہ کرتا ہے اور ایماندار لوگ اس کو روکنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں، حتیٰ کہ اس ظلم کی انتہاء ہوجاتی ہے اور عدل و انصاف ثابت ہوجاتا ہے اور مساوات اور برابری قائم ہوجاتی ہے اور باطل کا منہ کالا اور حق کا بول بالا ہوجاتا ہے۔

قرآنی آیات اور نبوی احادیث ان دو کمزور صنفوں کے حق میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں، جو ہماری بات پر واضح انداز میں دلالت کرتی ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خالق انسانیت ہے اور جب طاقتور کمزور کو کھا رہا ہو اور اس کے احکام کی پابندی نہ ہو رہی ہو تو وہ ذات انسانیت پر ڈھائے جانے والے ظلم کو خوب جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دو کمزوروں کے بارے میں حدیث میں سخت تنبیہ آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((انی احرّج علیکم حق الضعیفین: الیتیم والمرأة .))

"یعنی میں تم پر دو ناتواں اور کمزور یعنی یتیم اور عورت کے حقوق (مارنے) کو حرام اور ممنوع قرار دیتا ہوں۔" (کتاب العیال : ۲/ ٦٦٨)

(رواه ابن ماجه۔ والحاکم۔ والبیهقي۔ والامام احمد وابن حبان في صحیحه.)

اب رہی یہ بات کہ وہ کون سے ضوابط ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر ہم ان دو کمزور و ناتواں مخلوق کو انصاف فراہم کرسکتے ہیں۔

بچی کی تربیت:

ہمارے نزدیک گھر کی اصلاح میں عورت کی تعلیمی ترقی و تربیت کو انتہائی اہم حیثیت حاصل ہے اور عورت کو دین واخلاق کا معتد بہ حصہ فراہم کرنا اور گھریلو مسائل کی تعلیم کے لیے بنات کے تعلیمی اداروں میں عورت کے لیے میدان کو وسیع کرنا اور قابل اقتداء اور بے مثال عالم و فاضل خواتین کے حالات و واقعات بتانا بہت اہمیت رکھتا ہے، جیسے کنسیبہ بنت کعبؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، صفیہ بنت عبدالمطلب، خولہ بنت ازورؓ اور سکینہ بنت حسین اور دیگر بہت سی

اخلاقِ فاضلہ رکھنے والی خواتین کے حالات سے آگاہی بہت ضروری ہے۔ باقی رہے بنات کے وہ تعلیمی ادارے جن میں عورت نقصان دہ امور سے دوچار ہوتی ہے اور اہم اور ضروری اُمور کو پس پشت ڈالتی ہے تو یہ وہ چیز ہے، جس سے صحیح اسلامی نہج پر خوشگوار زندگی کا حصول ممکن نہیں ہے۔ آج کل ہماری بچیاں سکولوں میں موسیقی، انگریزی زبان اور موجودہ قوانین اور انجینئرنگ وغیرہ سیکھتی ہیں مگر اُنھیں بچوں کی اصلاح و تربیت کے حوالہ سے کچھ خبر نہیں ہوتی اور نہ ہی اُنھیں علم الصحت، علم النفس (نفسیات) کا کچھ پتہ ہوتا ہے اور نہ ہی اُنھیں دین واخلاق اور تدبیر منزل (ہوم اکنامکس) سے کچھ آگاہی ہوتی ہے۔ یہ کون سا تعلیمی پروگرام ہے؟ اور اس کا انجام کیا ہوگا؟

جب ماں کی اصلاح و تربیت ہوئی ہوگی تو اُمید ہے کہ اس کی اولاد بھی مکمل طور پر بامروّت اور بااخلاق انسان بنے گی، جب آپ علماء کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں بیشتر علماء وہ ہیں، جن کی عظمت و مرتبت کا راز وہ درست اور صالح مبادیات ہیں، جن کو ماں نے تربیت کے ذریعہ ان میں پیدا کیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حق بات کی محبت اور اس کے لیے غیرتِ ایمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں حلم و بردباری کا جذبہ، عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما میں شجاعت و بہادری کا وصف یہ سب کچھ ان کی ماؤں یعنی فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا، صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما اور ھند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کی تربیت واصلاح کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ چونکہ بچہ اپنے باپ کا راز دار ہوتا ہے اور ہر برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے، اور بچپن میں ماں کی گود میں جو کچھ وہ سنتا دیکھتا ہے کہ کس طرح ماں اسے شجاعت و بہادری اور اخلاقِ فاضلہ کے اختیار کرنے پر اُبھارتی اور اس پر آمادہ کرتی ہے تو بڑا ہو کر اس کی زبان سے حکمت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور وہ سیادت و مرتبت کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ اُمّ الفضل بنت حارث الھلالیہ کی تربیت وتاثیر سے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ ماں پورے عالم کی معلّمہ ہے، اگر ایک ہاتھ سے جھولا ہلاتی ہے تو دوسرے ہاتھ سے سارے عالم

کو ہلاتی ہے، لہٰذا ہمیں گھر کی اصلاح و بہتری کا خیال رکھنا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ماں کی اصلاح و تربیت کریں، جو گھر کی روح اور قوام کا درجہ رکھتی ہے۔''

(انجع الوسائل)

ان تمہیدی کلمات کے بعد یہ جاننا باقی رہ گیا کہ بنات کی تربیت کے لیے بنیادی قواعد کیا کیا ہیں؟ چنانچہ اس کے لیے تین بنیادی قواعد ہیں:

بچیوں کو ناپسند سمجھنے کی ممانعت:

قرآنِ مجید نے سب سے پہلے بنات کے متعلق انسانوں کا تصور اور نظریہ درست کیا ہے جو نظریہ اور تصور جاہلانہ معاشروں میں پھیلا ہوا ہے۔ قرآنِ حکیم نے اس نظریہ کی اصلاح و تعدیل پر متوجہ کیا ہے کہ بنات (بیٹیاں) بھی تو اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہے، جس کے کچھ حقوق بھی ہیں اور فرائض بھی۔

نظریہ کی درستگی کے بعد انسانیت کو اس کے ساتھ اچھے سلوک اور اس کے متعلق ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ جیسا کہ آیاتِ قرآنی ان ہی امور کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جو امور نسوانی حیاتِ بشری میں ایک نئے انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴾ [النحل: ۵۸۔۵۹]

''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے اور جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہوتی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، آیا اسے ذلت کی حالت میں لیے پھرے یا مٹی میں گاڑ دے، خبردار! ان کی تجویز کیسی بری ہے۔''

پھر قرآنِ عزیز نے انسانیت کو جھنجھوڑا اور جہالت سے بیدار کرنے کی خاطر اس کے ضمیر

سے یہ سوال کیا کہ:

﴿ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴾ [التکویر: ۸، ۹]

''اور جب زندہ درگور کی ہوئی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔''

رسولِ اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو ناپسند قرار دیا ہے۔ ماؤں کی نافرمانی، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور غیر کا حق روکنے اور غیر مستحق ہوتے ہوئے اپنا حق مانگنا۔'' (المجمع: ۱٤۷/۸)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ؛ ایک آدمی کی چند بیٹیاں تھیں اور وہ ان کی موت کی آرزو کرتا تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس پر غصہ آیا اور فرمایا کہ کیا تم ان کو روزی دیتے ہو؟ (الادب المفرد: ۱/ ۱۵۸)

حضورِ اقدس ﷺ نے والدین کو بچیوں کے بارے درست تصور دیا اور حکم دیا کہ ان کو ناپسند نہ کرو، بلکہ ان سے موانست کا برتاؤ کرو۔

چنانچہ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنات سے نفرت مت کرو، کیونکہ وہ بیش بہا اور قابلِ موانست ہیں۔'' المجمع: ۱۵٦/۸.

اس قاعدہ کے اختتام پر ہم علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر وتشریح کا ذکر کرتے چلیں جو انھوں نے ان آیات کی رقم کی ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴾ [الشوریٰ: ٤۹، ۵۰]

''زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے،

جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا جوڑتے جوڑے دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہتا ہے بے اولاد کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ خوب جاننے والا قدرت والا ہے۔''

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے زوجین کی حالت کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے جن پر ان کا وجود مشتمل ہے اور خبر دی ہے کہ جو اولاد ان کے مقدر میں رکھی ہے، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے ہبہ اور عطیہ ہے، خدا کی ناراضگی کے لیے بس یہی کافی ہے کہ بندہ اس کی ہبہ کردہ چیز پر ناک بھویں چڑھائے، اور اللہ تعالیٰ نے پہلے بیٹیوں کا ذکر کیا ہے (اس سلسلہ میں چند اقوال ہیں)، بعض کا خیال یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ بیٹیوں کو بوجھ خیال کرتے ہیں، اس لیے ان بچیوں کی خاطر جمعی کے لیے ان کا پہلے ذکر کیا، بعض کہتے ہیں کہ بیٹیوں کا ذکر اس لیے مقدم ہے کہ کلام کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرتا ہے نہ کہ ماں باپ کی چاہت کے مطابق، کیونکہ والدین عموماً بیٹوں کی چاہت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس صنف کا ذکر پہلے کیا ہے، جسے وہ چاہتا ہے لیکن ماں باپ اسے نہیں چاہتے۔ (ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ) میری نظر میں اس کی ایک اور وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو مقدم رکھا، جسے زمانہ جاہلیت والے مؤخر رکھتے تھے، یعنی وہ لوگ بنات کو زندہ درگور کرتے تھے، لہٰذا اس تقدیم سے باخبر کیا کہ تمہارے نزدیک جو صنف مؤخر ہے وہ میری نظر میں بیٹوں پر مقدم ہے، غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹیوں کا ذکر بطورِ نکرہ کے اور بیٹوں کا ذکر بطورِ معرفہ کے کیا ہے۔ پھر نسوانیت کی تلافی تقدیم ذکر سے اور تاخیر کی تلافی تعریف (معرفہ لاکر) سے کردی، اس لیے کہ تعریف (معرفہ لانا) میں عظمت شان ہوتی ہے۔ گویا کہ یوں فرمایا کہ وہ ذات جسے چاہتی ہے ایسے شہسوار اور اعلام وفضلاء (کی نعمت) عطا کرتی ہے، جن کا حال تم پر خوب واضح ہے۔ پھر جب دو کمزوروں کا ذکر ایک ساتھ کیا تو مذکر کو مقدم کرکے دونوں کا حق تقدیم وتاخیر عطا کردیا اور اللہ

تعالیٰ اپنی مراد کو خوب جانتا ہے۔ (احکام المولود، ص: ۲۰.)

اسی طرح امام ابن القیم رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں جسے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حق میں بیان فرمایا:

﴿ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ [النساء: ۱۹]

''پس اگر تم کو وہ ناپسند ہوں تو شاید تم ایک چیز ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت زیادہ منفعت رکھ دے۔''

فرماتے ہیں کہ بنات کا بھی یہی حال ہے کہ بسا اوقات بندے کے لیے ان کے بارے میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں موجود ہوتی ہیں، اور ان سے کراہت کی قباحت کے لیے یہی کافی ہے کہ بندہ اس چیز سے کراہت اور نفرت کرے، جسے اللہ نے پسند کیا اور اپنے بندہ کو عطا کی۔

۔ صالح بن احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میرے والد کے ہاں جب کوئی بیٹی پیدا ہوتی تو وہ کہتے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی بیٹیوں کے باپ ہوتے تھے اور کہتے کہ بیٹیوں کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں، انھیں میں جانتا ہوں۔

یعقوب بن بختان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میرے ہاں سات بیٹیاں پیدا ہوئیں، جب بھی بیٹی پیدا ہوتی تو میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس جاتا، وہ مجھے فرماتے کہ اے ابو یوسف! انبیاء بھی بیٹیوں کے باپ ہوتے تھے، ان کے اس فرمان سے میرا سارا غم کافور ہو جاتا۔

بہر حال! پہلے قاعدہ کا حاصل اور خلاصہ یہ نکلا کہ بیٹیوں کے متعلق غلط تصور کا ازالہ کیا جائے اور ان سے نفرت آمیز سلوک نہ ہو اور والدین کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا کی ہے اور ان کے لیے پسند کی ہے اس کا احترام کیا جائے اور اس پر راضی رہیں، کیونکہ تمام خیریں اس میں مضمر ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی پسند کردہ چیز کو اپنی پسند پر ترجیح دے۔

بچے اور بچی میں مساوات:

جب اللہ تعالیٰ والدین کو دونوں طرح کی نعمتیں عطا فرمائے یعنی بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی تو اسلامی نظریہ کے مطابق دونوں کے درمیان مساویانہ سلوک کیا جائے گا۔ اسلام اس کی تعلیم دیتا ہے، بلکہ رسولِ کریم ﷺ نے اس امر کو دخولِ جنت کا ایک سبب قرار دیا ہے، مساویانہ سلوک سے مراد یہ ہے کہ بیٹے کو بیٹی پر کسی بھی چیز میں ترجیح نہ دی جائے، محبت و عطا میں دونوں برابر، ہدیے و تحائف میں دونوں برابر، تہذیب و علم میں دونوں برابر، سلوک میں دونوں برابر حتیٰ کہ بوسہ لینے میں بھی دونوں برابر ہیں۔

امام ابو داوٗد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی ایک بیٹی ہو، جسے وہ نہ زندہ درگور کرے، نہ اس کی اہانت کرے اور نہ اس پر بیٹے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔''

امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص حضورِ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کا بیٹا آیا تو اس نے اس کو چوما اور اپنی ران پر بٹھالیا، پھر اس کی بیٹی آئی تو اسے اپنے سامنے بٹھادیا، آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ: ''تم نے ان کے درمیان برابری کیوں نہیں کی؟'' (المجمع: ۸/۱۵٦)

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مساویانہ سلوک ایک ایسی چیز ہے جس سے انسانی معاشرہ بھی ناواقف تھا اور تربیت اطفال کے موضوع پر لکھی گئیں مغربی کتب بھی خالی ہیں اور جو لوگ خود کو ماہرین نفسیات و تربیت کہتے ہیں، ان کے دماغوں میں اس کا خیال تک نہیں گزرا ہوگا۔

بچی کی پرورش پر اجر وثواب:

شریعت مطہرہ نے انسانی نفوس کی محض اصلاح وتہذیب کی خاطر ہدایات فراہم کی ہیں کہ بیٹیوں کی تربیت اور ان کے معاملات میں صبر و برداشت پر اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے، اس طرح والدین کی خاطر داری بھی ہوگی اور انھیں اپنی ذمہ داری اور بچیوں کی تربیت کے معاملہ میں اپنے رول اور کردار کی اہمیت کا احساس بھی ہوگا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص دو بچیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو قیامت کے روز وہ اور میں ان دو انگلیوں کی طرح (اکٹھے) ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔''

امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی رحمہم اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ؛ ایک عورت میرے پاس آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں، اس عورت نے سوال کیا، لیکن میرے پاس ایک کھجور کے سوا، اور کچھ نہ تھا، میں نے وہی کھجور اس کو دے دی، اس نے اپنی دو بیٹیوں کے درمیان اسے تقسیم کر دیا، اور خود اس میں سے نہ کھایا، پھر وہ اُٹھ کر چلی گئی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عورت کا حال بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص ان بچیوں کی کسی بات میں مبتلا ہوا اور ان کی اچھی تربیت و پرورش کی تو وہ بچیاں اس کے لیے جہنم کی آگ سے آڑ بنیں گی۔''

مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ نے اس عورت کے لیے جنت کو واجب کر دیا یا فرمایا کہ اس کی وجہ سے اس کو جہنم سے آزاد کر دیا۔''

امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو بہنیں یا دو بیٹیاں ہوں، پھر وہ ان کو خوب ادب و آداب سکھائے اور ان کی شادی کر دے، اس کے لیے جنت ہے۔''

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بہنوں یا دو بیٹیوں کی پرورش کرے اور ان کو خوب اچھے طریقہ سے رہن سہن سکھائے اور ان کے متعلق خدا کا خوف

رکھے، اس کے لیے جنت ہے۔'' اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ؛ ''ان پر صبر بھی کرے۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی تنگ دستی اور سوکنوں پر صبر کرے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر دو ہوں تو کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ؛ دو ہوں تو بھی یہی حکم ہے۔ پھر اس نے کہا کہ؛ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ایک ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

امام احمدؒ نے عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس کی تین بیٹیاں ہوں، پھر وہ ان پر صبر کرے اور ان کو کھلائے پلائے اور اچھا لباس پہنائے تو وہ بچیاں اس کے لیے قیامت کے دن آتشِ دوزخ سے آڑ بنیں گی۔'' (صحيح الجامع، رقم: ٦٤٨٨)

بنات کی تربیت کی اہمیت کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے کہ وہ مستقبل کی مائیں اور قریب زمانہ میں اُبھرنے والے معاشرہ کی بنیاد رکھنے والی ہیں اور بچوں کی تربیت کرنے والی اور مستقبل قریب میں تاریخ رقم کرنے والی ہوتی ہیں، کیا آپ بھی اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی تربیت کر کے اصلاحِ معاشرہ میں اپنا حصہ ڈالیں گے؟

یتیم کی پرورش اور تربیت:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کا مرحلہ متعین کیا ہے کہ بلوغ کی عمر سے پہلے پہلے تک وہ یتیم ہے، جب بالغ ہو جائے تو وہ یتیم نہیں رہتا۔

مسند ابی حنیفہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بلوغ کے بعد کوئی یتیمی نہیں ہے۔'' (عقود الجواهر المنيفة: ٢ / ٩٤)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث یاد کی ہے کہ:

''بلوغ کے بعد کوئی یتیمی نہیں ہے۔'' (جامع الاصول: ١١/ ٦٤٢)

یتیم بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں تین قواعد پیش نظر رہنے چاہئیں اور یہ ان کی تربیت کا ماحصل ہے۔

یتیم کی پرورش پر اجر وثواب:

اس سلسلہ میں ہم بہت سی احادیث نبویہ دیکھتے ہیں، جن سے انسانی نفوس میں یتیم بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی پرورش کا جذبہ اُبھرتا ہے جو یتیم بچے عمر بلوغ سے پہلے ہی اپنے باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے۔

چنانچہ ابوداؤد میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مروی ہے کہ:

((لا یتم بعد الاحتلام .)) ......''یعنی بلوغ کے بعد یتیمی کی صفت باقی نہیں رہتی۔''

یتیم بچہ دیکھ بھال اور پرورش کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ حصولِ تربیت کے لیے وہ ایک اساسی رکن (باپ) سے محروم ہوگیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سہیل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان والی انگلی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں کو کشادہ کر کے بتایا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے، جس میں یتیم بچہ کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا ہو اور ان میں بدترین گھر وہ ہے جس میں اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو اور میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (ساتھ ساتھ) ہوں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

جو دل سخت ہوتے ہیں اور جن میں نعمت خداوندی کا احساس نہیں ہوتا ایسے دلوں کی دوا اور علاج کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ضابطہ وضع فرمایا ہے، جس سے دلوں میں حرارت اور جذبہ اُبھر آتا ہے۔ چنانچہ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی قساوت قلبی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے اور اپنے مقصد کو حاصل کرلو؟ تم یتیم پر رحم کھایا کرو، اس کے سر پر دست شفقت پھیرا کرو اور جو کھانا تم خود کھاتے ہو، اس میں سے اسے بھی کھلاؤ، تمہارا دل نرم بھی ہوگا اور مقصد بھی حاصل ہوگا۔''

(صحیح الجامع، رقم: ۸۰)

یتیم کے مال کی حفاظت اور اس سے تجارت:

ابوشریح خویلد بن عمر الخزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے اللہ! میں دو کمزور اور ناتواں یعنی یتیم اور عورت کے حقوق (کی بے حرمتی) کو حرام قرار دیتا ہوں۔'' (حديث حسن رواه النسائی)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور لفظ " احرّج " کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے حقوق کو ضائع کرنے والے گنہگار ہیں۔

اس سے زیادہ پُر زور تنبیہ اور توبیخ اس حدیث مبارک میں کی گئی ہے کہ امام بخاری اور مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک صاحب کی پرورش میں ایک یتیم لڑکی تھی، پھر انھوں نے اس سے نکاح کرلیا، اس یتیم لڑکی کی ملکیت میں کھجور کا ایک باغ تھا، اسی باغ کی وجہ سے انھوں نے اس سے نکاح کیا تھا، حالانکہ دل میں اس سے کوئی تعلق نہ تھا، اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۚ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾ [النساء: ۳]

''اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے باب میں انصاف نہ کرسکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہو، نکاح کرلو دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے پس اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو، وہی سہی اس میں بے انصافی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔''

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ مذکور کے متعلق پوچھا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میری بہن کے بیٹے! یہ ایسی یتیم لڑکی کے متعلق ہے جو اپنے ولی کی زیر پرورش ہو اور اس کے مال میں بھی شریک کی حیثیت رکھتی ہو، ادھر ولی اس مال پر بھی نظر رکھتا ہو اور اسے اس کے جمال سے بھی لگاؤ ہو، لیکن اس کے مہر کے بارے میں انصاف سے کام لیے بغیر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو اور اتنا مہر اسے نہ دینا چاہتا ہو، جتنا دوسرے دے سکتے ہوں تو ایسے لوگوں کو روکا گیا ہے کہ وہ ایسی یتیم لڑکیوں سے اسی صورت میں نکاح کرسکتے ہیں، جب ان کے ساتھ انصاف کریں اور ویسی لڑکیوں کا جتنا مہر معاشرہ میں ہوتا ہے، اس میں سب سے اعلیٰ اور بہترین صورت اختیار کریں، ورنہ ان کے علاوہ جن دوسری عورتوں سے بھی ان کا جی چاہے وہ نکاح کرسکتے ہیں۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس آیت کے نزول کے بعد پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ﴾ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دوسری آیت میں: ﴿ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب کسی کی زیر پرورش یتیم لڑکی کے پاس مال بھی کم ہو اور جمال بھی کم ہو تو وہ اس سے نکاح کرنے سے بچتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس لیے انھیں ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے بھی روکا گیا جو صاحب مال و جمال ہوں، لیکن اگر انصاف کرسکیں (تو ان سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں) یہ حکم خاص طور سے اس لیے بھی ہوا کہ اگر وہ صاحب مال و جمال نہ ہوتیں تو یہی ان سے نکاح کرنا پسند نہ کرتے۔'' اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ﴾ کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: یہ آیت یتیم کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ

اگر ولی نادار ہو تو یتیم کی پرورش اور دیکھ بھال کے بدلے میں مناسب مقدار میں (یتیم کے مال میں سے) کھا سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾ [الاسراء: ٣٤] اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾ [النساء: ١٠] تو جن کے پاس یتیم بچے زیر پرورش تھے، انھوں نے اپنا کھانا پینا ان سے الگ کرلیا اور کھانے پینے کی اشیاء کو روک لیا، یہاں تک کہ اسے کھالیتے یا وہ خراب ہوجاتا، یہ چیز ان پر بڑی گراں بار ثابت ہوئی۔ پھر انھوں نے اس بات کا ذکر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ﴾ [البقرة: ٢٢٠] اس کے بعد انھوں نے اپنے کھانے پینے کی چیزیں ان یتیموں کے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ملا دیں۔ (رواہ الحاکم فی مستدرکہ: ٢/٣٠٣)

مالِ یتیم کو تجارت میں لگانا:

موطا امام مالک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ؛

”یتیموں کے مال میں تجارت کرو کہ کہیں اسے صدقہ نہ کھاجائے۔“

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”خبردار! جو شخص کسی یتیم کا ولی ہو اور اس یتیم کا مال بھی ہو تو وہ ولی اس میں تجارت کرے اور اسے یوں ہی چھوڑے نہ رکھے کہ صدقہ اُسے کھالے۔“ (صحیح الجامع، رقم: ٢١٧٨)

یتیم بچوں کی پرورش کرنے پر بیوہ عورت کے لیے اجر وثواب:

امام ابو داؤد اور ابویعلیٰ رحمہما اللہ، عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”میں اور بدحال بیوہ عورت جس نے اپنے بچوں کی خاطر صبر سے

کام لیا، دونوں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (پاس پاس) ہوں گے۔"

(الادب المفرد: ۲۲۸/۱)

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ: "وہ عورت صاحب منصب و جمال تھی (لیکن) اپنے یتیم بچوں کی خاطر اپنے آپ کو روکے رکھا، یہاں تک کہ وہ بچے جوان ہوگئے یا وفات پا گئے۔"

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ان دو کمزور ناتواں مخلوق اور صنفوں یعنی یتیم اور عورت کی اہمیت پر اُمت کو متوجہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں قابل اکرام ہیں، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔

آٹھواں اُصول:

بچوں کی محبت میں اعتدال سے کام لینا

شیخ محمد خضر حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "بعض لوگ اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ بچوں کی تربیت ان کے نفوس میں عظیم اصلاح کا اثر پیدا کرتی ہے، لیکن محبت وشفقت میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا، والدین کی گرفت کو بہت زیادہ کمزور کرتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں میں موجود خسیس طبیعتوں کا مقابلہ اور ان کی تہذیب و تادیب دشوار ہوتی جاتی ہے اور والدین کی اس غفلت اور کوتاہی سے بچے غلط خواہشات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ایسی محبت اور شفقت، حکمت و دانائی کے سراسر خلاف ہے، علاوہ ازیں ان کے ناجائز خواہشات میں پڑنے کے سبب خطرناک قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں، جس سے دونوں کے درمیان جدائیگی بھی ہوسکتی ہے اور یہ دُوری اور جدائیگی اسی شفقت کے بقدر ہوتی ہے۔ انجامِ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ ظلم وستم کا شکار ہو جاتے ہیں اور ذلت و رسوائی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔

ایسی محبت وشفقت جو حد سے متجاوز ہو اس کی ناگواری کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ بچہ کو اس کے ہر کام میں بے حیا بنا دیا جائے، جیسا کہ بعض نادان لوگ اصلاح وتہذیب کا ایسا اسلوب اور انداز اختیار کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس میں عزتِ نفس اور خودرائی اور موقع کے

مطابق حق بات کہنے کی جسارت نہیں رہتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ معاشرہ میں کھلونا بن کر رہ جاتا ہے، جیسے گیند ہوتا ہے کہ لوگ باری باری اسے ایک دوسرے کی طرف پھینکتے ہیں یا لوگ اسے اپنا آلہ کار بنالیتے ہیں، جسے وہ اپنی خواہشات میں استعمال کرتے ہیں۔ وہی محبت و شفقت تربیت اولاد میں مفید ہوتی ہے، جس میں اعتدال اور توازن موجود ہو اور ایسی محبت ہی والدین کے لیے دُعا کا سبب بنتی ہے کہ اولاد پھر یہ دُعا کرتی ہے: ﴿ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ [الاسراء: ٢٤] ''اے میرے پروردگار! ان پر رحم کر جیسا کہ انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔''

(اس کے بعد) وہ کہتے ہیں کہ ابھی بھی کچھ گھرانے ایسے ہیں جو تربیت اولاد کی اہمیت کو نہیں سمجھتے، وہ اپنی اولاد کو آزاد چھوڑتے ہیں اور ان کے امور ان ہی کے حوالہ کر دیتے ہیں کہ وہ خود جو فیصلہ کرنا چاہیں کرلیں۔ بلکہ بسا اوقات بھرے مجمع میں اپنی اس بات پر بڑا فخر و ناز بھی کرتے ہیں اور اولاد کی مدح سرائی میں مبالغہ کرتے ہیں جو حقیقت کے مطابق نہیں ہوتا، ایسے لوگ اپنی اولاد کے ساتھ کوئی اچھا کام نہیں کر رہے ہیں۔ وہ اپنی بیچاری اولاد کو فریب دے رہے ہیں، جنھیں عمدہ اور خوبصورت آداب سے واقفیت نہیں ہے اور وہ سعادت مندی سے محروم ہیں۔'' (السعادة العظمىٰ، ص: ١٠)

اسی طرح آپ دیکھتے ہیں کہ جب محبت وشفقت متوازن اور معتدل ہوتی ہے تو اس کے بہت اچھے ثمرات برآمد ہوتے ہیں، ہم اسے کھانے کے ساتھ تشبیہ دے سکتے ہیں کہ جس طرح حد سے زیادہ کھانا مختلف امراض کا سبب بنتا ہے، اسی طرح شفقت ومحبت کی زیادتی ناز ونخرے کے مرض کا سبب بنتی ہے اور طبیعت میں عدم ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے۔

البتہ یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ وہ کیا ضابطے ہیں کہ ان کی رعایت ملحوظ رکھی جائے تو محبت وشفقت میں توازن اور اعتدال پیدا ہوسکتا ہے؟ اس سوال کے تین جواب ہیں:

١ ...... خود کو اور بچوں کو پابندِ شرع بنانا:

جس طرح اولاد کی محبت کی بھی کچھ حدود ہیں، اسی طرح والدین کی محبت کی بھی حدود

مقرر ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، ہر قسم کی محبت پر مقدم ہے۔ جب اولاد یا والدین کی محبت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی محبت متعارض ہو تو اس میں ضابطہ یہ ہے کہ مسلمان، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور ان کے احکام کی بجا آوری اور ممانعت سے اجتناب میں جلدی کرتا ہے۔

بخاری و مسلم اور نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کی اولاد اور اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

ترمذی میں سلیمان بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میرے والد (عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ) نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھے، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور وعظ و نصیحت کرنے کے بعد فرمایا: ''کوئی والد اپنی اولاد پر الزام تراشی نہ کرے اور نہ ہی اولاد اپنے والد پر الزام تراشی کرے۔''

ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو (بچپن میں) ٹھوکر لگی، رسول اللہ ﷺ اس وقت منبر پر جلوہ افروز تھے، آپ ﷺ نیچے اُترے اور اُسے اُٹھایا اور یہ آیت پڑھی: ﴿ اِنَّمَآ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَةٌ ﴾ [التغابن: ۱۵] ''تمہارے مال و اولاد ایک آزمائش ہیں۔''

(اخرجه اصحاب السنن من حديث بريدة)

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کے حکم الٰہی کو مقدم رکھا اور پھر بیٹے کی طرف سے حکم کے نفاذ میں، نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے سامانِ عبرت اور نمونہ موجود ہے۔

۲ ...... والدین کا مہمان نواز، کریم النفس، بہادر اور علم دوست بننا:

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسود بن خلف رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ: نبی کریم ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور پھر اُس کو چوما، پھر

فرمایا کہ؛''اولاد، بخل، بزدلی، جہالت اور حزن وغم کا سبب ہوتی ہے۔''

امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک نواسے کو گود میں لیے باہر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے تھے کہ؛''خدا کی قسم! بے شک تم بخل کرتے ہو، بزدلی دکھاتے ہو اور جہالت کرتے ہو اور تم اللہ کے خوشبودار پھول ہو۔''

امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ "الفائق" ۱۸۵" میں لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولاد اپنے والد کو اپنا مال باقی رکھنے کے لیے بخل میں مبتلا کرتی ہے اور حصولِ علم سے غافل رکھنے کے لیے جہالت میں مبتلا رکھتی ہے۔ اور اس خوف سے کہ کہیں قتل نہ ہو جائے، بزدلی میں مبتلا کرتی ہے، اس طرح وہ اپنی اولاد کو برباد کرتا ہے اور حزن وغم کا سبب بننے کا مطلب یہ ہے کہ والد اپنی اولاد کے امور کی خاطر غم زدہ ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ؛''تم اللہ کے خوشبودار پھول ہو'' اس کا معنی یہ ہے کہ اولاد کو سونگھا جاتا ہے اور انھیں بوسہ دیا جاتا ہے، لہٰذا اولاد بھی ان خوشبودار پھولوں میں سے ایک ہوئی جن کو اللہ تعالیٰ نے ''اُگایا'' ہے۔''

(العلماء العذاب)

جب تک اولاد بخل کا سبب بنے گی والدین کی طبیعت میں بخل اور کنجوسی پیدا ہوگی، اس کا سبب یہ ہے کہ اولاد سے بہت زیادہ محبت کرنے کی وجہ سے ان کے لیے مال و دولت جمع کیا جائے۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ مہمان کا اکرام کیا جائے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خوش ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی مہمان نوازی کو پسند کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک آدمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں بہت مجبور ہوں (زندگی بہت تنگ ہے)، آپؐ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کی طرف پیغام بھیجا تو جواب آیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے، ان کے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے،

پھر دوسری زوجہ مطہرہ کی طرف پیغام بھیجا تو انھوں نے بھی یہی بات کہی۔ آپ ﷺ کی تمام ازواج نے یہی بات کہی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اس آدمی کی مہمان داری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم کریں گے۔'' ایک انصاری آدمی اُٹھا، جس کا نام ابوطلحہ تھا، اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کروں گا۔ چنانچہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس (کھانے کو) کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ صرف بچوں کی خوراک جتنا موجود ہے۔ ابوطلحہؓ نے کہا کہ بچوں کو کسی چیز کے ساتھ بہلا کر سلا دو، جب ہمارا مہمان آ جائے تو اس کو یوں دکھانا کہ جیسے ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں اور جب وہ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے اُٹھ کر اُسے بجھا دینا۔ چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، سب بیٹھے، مہمان نے کھانا کھایا اور ان دونوں نے خالی پیٹ رات گزاری۔ صبح ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فلاں مرد اور فلاں عورت سے راضی ہوئے یا فرمایا کہ (انھیں دیکھ کر) ہنسے۔ (یعنی خوش ہوئے)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [الحشر: ۹] ''اور وہ دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ وہ خود کتنے محتاج ہوں۔'' ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے: ''تم نے آج رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔''

آپ نے مہمان نوازی کے سلسلہ میں اعتدال اور اس کا حسن و جمال ملاحظہ کیا؟ حالانکہ ان کی اولاد کو کھانے کی حاجت تھی، اس کے باوجود مہمان کا اکرام کیا، مغربی تربیت میں یہ حسن و جمال کہاں؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسولِ اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگ صدقہ کریں، میرے پاس مال موجود تھا، میں نے (دل میں) کہا کہ آج میں ابوبکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا، پس میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر خدمت ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ: ''اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟'' میں نے عرض کیا کہ اتنا ہی

(یعنی آدھا)۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے کر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (بھی) پوچھا کہ؛ ''اے ابوبکرؓ! تم اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا کہ؛ ''میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کی محبت) کو چھوڑ کر آیا ہوں۔'' حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اب میں کبھی بھی آپ پر سبقت نہیں لے جاسکتا۔'' (رواہ الحاکم فی مستدرکہ: ۱/ ۴۱۴)

۳ ...... بیماری اور وفات پر صبر کرنا اور ثواب کی اُمید رکھنا:

امام ترمذی رحمہ اللہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن یا مومنہ کی جان یا اس کے مال و اولاد پر آفت کا نزول ہوتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔'' (صحیح الجامع، رقم: ۵۸۱۵)

امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں یوں ہے: ''مومن کی اولاد اور اس کے عزیز و اقارب کے بارے اس پر تکلیفیں آتی رہتی ہیں، حتیٰ کہ اللہ سے اس کی ملاقات اس حال میں ہوتی ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''

ابو داؤد رحمہ اللہ محمد بن خالد السلمی رحمہ اللہ کے صحابی دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی بندے کا اللہ کے ہاں کوئی مقام و مرتبہ پہلے سے مقرر ہوتا ہے اور وہ اس مقام کو نہیں پہنچا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُسے اس کے جسم یا مال و اولاد کی پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے۔'' ایک روایت میں اضافہ ہے کہ؛ ''پھر اُسے صبر کی طاقت دیتا ہے، یہاں تک کہ اسے اس منزل و مقام تک پہنچا دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے پہلے سے مقرر ہوتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴾ [الکهف: ۸۰، ۸۱]

''اور باقی اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے، پس ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اس کو سرکشی اور کفر میں مبتلا نہ کر دیں۔''

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''مطلب یہ ہے کہ لڑکے کی محبت ان ماں باپ کو کہیں کفر کی متابعت پر آمادہ نہ کر دے۔ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس لڑکے کی پیدائش پر اس کے ماں باپ نے بہت خوشی منائی تھی، اور جب وہ قتل ہوا تو اس پر بڑے غمزدہ ہوئے، اگر وہ زندہ رہتا تو اس میں ماں باپ کی ہلاکت و بربادی تھی، لہٰذا انسان کو اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہیے، کیونکہ مومن اپنے لیے جو فیصلہ پسند کرتا ہے (بسا اوقات) اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا تکلیف دہ فیصلہ زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی بندے کا بیٹا فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی؟ فرشتے کہتے ہیں کہ: جی ہاں! پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا تم نے اس کے دل کا ٹکڑا اس سے لے لیا؟ وہ کہتے ہیں کہ جی ہاں، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے اس موقع پر کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے آپ کی حمد وثناء بیان کی اور انا للہ پڑھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: میرے بندے کے لیے جنت میں گھر بناؤ اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھ دو۔''

بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جان کنی کی حالت میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ رونا رحمت کا ہے اور آنکھیں آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہے، (لیکن) ہم اس موقع پر وہی بات کہیں گے، جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی پر بڑے غمگین ہیں۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: ''ابن بطالؒ وغیرہ نے

فرمایا کہ یہ حدیث مبارک، مباح آہ و بکاء اور جائز رنج وغم کی وضاحت کرتی ہے، یعنی ایسا رونا جائز ہے، جس میں صرف آنکھوں سے آنسو رواں ہوں اور دل میں رقت پیدا ہو اور اللہ کے حکم پر ناراضگی کا اظہار نہ ہو، اور یہ مطلب بہت واضح اور صاف ہے اور اس حدیث سے بچوں کی تقبیل (چومنا) ان کو سونگھنے، دودھ پلانے، بچوں کی بیمار پرسی اور موت کے وقت ان کے پاس جانے، بال بچوں کی رحمت اور غم کے اظہار وغیرہ کا جواز معلوم ہوتا ہے، اگرچہ غم کا اخفاء زیادہ بہتر ہے، اسی طرح اس موقع پر دوسروں سے بات چیت اور قریب الموت بچہ سے کلام کرنے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے، حالانکہ اس وقت وہ نزع روح اور کم عمری کی وجہ سے بات کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اس لیے ایسا کیا کہ آپ ﷺ کا مقصد دوسرے حاضرین کو سنانا تھا۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان آدمی کے تین بچے فوت ہو جائیں جو ابھی بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچے تھے، اللہ تعالیٰ ان بچوں کی رحمت سے اس کو بھی جنت میں داخل فرمائیں گے۔''

نیز صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں تو قسم پوری کرنے کے سوا دوزخ کی آگ اس کو نہیں چھوئے گی۔''

قسم پوری کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ [مریم: ۷۱] یعنی ''تم میں سے ہر ایک کو اس (آگ) سے گزرنا ہے۔'' اس آیت میں گزرنے سے مراد پل صراط کو عبور کرنا ہے اور وہ ایک پل ہے جو جہنم کی پشت پر رکھا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حدیثوں کی تشریح میں رقمطراز ہیں: آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ: ''جو ابھی بلوغ کی عمر کو نہیں پہنچے تھے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اس عمر کو نہیں پہنچے تھے کہ جس عمر میں گناہ لکھے جاتے ہیں۔ خلیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بلغ الغلام الحنث اس وقت کہتے ہیں جب بچہ پر قلم (فرشتوں کا) جاری ہو جائے، اور ''حنث'' گناہ کو کہتے ہیں۔ جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيمِ﴾ [الواقعة: ٤٦] ''یعنی

وہ بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔'' اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ اس زمانہ کو پہنچ جائے جس زمانہ میں قسم میں حانث ہونے کی صورت میں اس سے مؤاخذہ کیا جاتا ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلوغ کو "حنث" سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ حانث ہونے پر انسان کا مؤاخذہ ہوتا ہے، اس سے پہلے نہیں اور خصوصیت سے گناہ کا ذکر کیا، کیونکہ بلوغ سے ہی اس کا حصول ہوتا ہے، اس لیے کہ بچہ کو کبھی ثواب بھی دیا جاتا ہے اور بچے کو اس لیے خاص طور سے ذکر کیا کہ اس پر شفقت اور محبت اور رحمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بچہ بالغ ہو کر فوت ہو تو اس پر اسے اجر وثواب حاصل نہیں ہوگا، اگرچہ بچہ کی محرومی پر کچھ نہ کچھ اجر ملتا ہے، اور یہ کہ مسلمانوں کی اولاد جنت میں جائے گی، اس لیے کہ یہ بات بعید از امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ بچوں کی رحمت کے سبب ان کے والدین کو تو بخش دیں اور خود ان بچوں کو نہ بخشیں اور ان پر رحم نہ کریں۔

مہلب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اولاد کا جنت میں جانا جمہور علماء کا قول ہے۔ اور ایک قلیل جماعت توقف کی قائل ہے۔ (فتح الباری: ۳/ ۴۱۸)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ: ''بچے فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتے ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو اعزاز بخشا کہ مومن کی اولاد کو بھی اسی کے ساتھ شامل کر دیا، اگرچہ انھوں نے ان جیسے عمل نہ کیے ہوں۔ ایسی احادیث موجود ہیں، جن میں ان کے جنت میں جانے کا ذکر ہے اور ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سعادت مندی کا قلم ان کے لیے جاری ہو گیا ہے۔ ان احادیث مبارکہ میں سے حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان بچے بہشت کے حشرات ہیں۔'' (یعنی جنت میں بے روک ٹوک جہاں چاہیں گے، آئیں جائیں گے۔)

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمانوں کی اولاد جنت کے پہاڑ میں ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا السلام ان کی کفالت کرتے ہیں، پھر جب

قیامت کا دن ہوگا تو انھیں اپنے ماں باپ کے سپرد کردیا جائے گا۔''

حدیث معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے، جس میں اس کا بیٹا فوت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ؛'' اے فلاں آدمی! تمھیں کیا بات پسند ہے، آیا یہ پسند ہے کہ تم اس کے ساتھ اپنی عمر سے فائدہ اُٹھاؤ یا جنت کے جس دروازے پر بھی پہنچو تو وہ تمہارا منتظر ہو؟ اس نے کہا کہ اے اللہ کے نبیؐ! نہیں، بلکہ جنت کے دروازے پر پہلے پہنچنا مجھے زیادہ پسند ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ؛'' پھر وہ تیرے لیے ہے۔''

ایک انصاری آدمی کھڑا ہوا ا ۔ ۔ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر قربان کردے، یہ بتائیں کہ یہ بات اسی کے لیے خاص ہے یا مسلمانوں میں سے جس کا بھی بچہ فوت ہوجائے، اس کے لیے بھی یہی حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں سے جس کا بھی بچہ فوت ہو، اس کے لیے یہی حکم ہے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں ہے''مسلمانوں کے بچے جنت میں جائیں گے۔''

اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پھر ان کے پاس آئے اور فرمایا:'' جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہوجائیں تو قیامت کے روز ان سب کو لایا جائے گا اور جنت کے دروازے پر ٹھہرا کر ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہوجاؤ، وہ کہیں گے کہ جب تک ہمارے ماں باپ داخل نہیں ہوں گے، ہم داخل نہیں ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم بھی جنت میں داخل ہوجاؤ، تمہارے ماں باپ بھی۔'' (رواہ الطبرانی باسناد حسن جیّد)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' جو شخص اپنی صلبی اولاد میں سے تین بچوں سے محروم ہوا، اور اس نے اس پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید اور طلب رکھی تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔'' (رواہ احمد والطبرانی)

صحیحین میں ابوزید اُسامہ بن زیدؓ سے روایت منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی

کریم ﷺ کی بیٹی نے پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے کا وقت اجل آ چکا ہے، پس آپ ﷺ تشریف لائیں۔ آپؐ نے پیغام بھیجا کہ حضورؐ آپ کو سلام کہتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ ''بے شک اللہ کے لیے ہی ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کا تھا جو اُس نے عطا کیا اور اس کے پاس ہر چیز کا وقت مقرر ہے، پس تم صبر اور احتساب سے کام لو۔'' حضور ﷺ کی بیٹی نے (دوبارہ) پیغام دیا کہ آپ کو قسم ہے کہ آپ ﷺ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اُٹھے، آپؐ کے ہمراہ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابیؓ بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور کچھ اَور لوگ اُٹھے، (جب پہنچے تو) اس بچہ کو آپ ﷺ کے سامنے اُٹھایا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود مبارک میں بٹھایا، اُس کے سانس کی زور سے آواز آ رہی تھی، (اسے دیکھ کر) آپؐ کے آنسو رواں ہوگئے، سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ یارسول اللہ ﷺ! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ رحمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔''

ایک روایت میں یوں ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتے ہیں، رحم پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی رحم کرنے والے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک عورت اپنا بچہ لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اُس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کے لیے دُعا فرمادیں، میں (اس سے پہلے) تین بچے دفن کر چکی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم نے تو دوزخ کی آگ سے (بچاؤ کے لیے) مضبوط آڑ بنالی ہے، یہ بچے تو جنت کے حشرات ہیں۔ (یعنی جہاں چاہیں پھرتے ہیں) ان میں سے ایک اپنے باپ سے ملے گا تو اس وقت تک اس کے کپڑے کا کونہ نہ چھوڑے گا، جب تک وہ جنت میں داخل نہ ہو جائے۔''

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم (عورتیں) مجلس میں آپ ﷺ کے
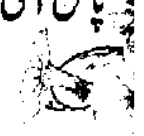
پاس نہیں بیٹھ سکتیں، پس آپ ﷺ کسی دن کا وعدہ فرمائیں، جس دن ہم آپ ﷺ سے (مسائل) پوچھ سکیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''فلاں کا گھر تمہارے لیے وعدہ گاہ ہے (یعنی فلاں شخص کے گھر میں آنے کا وعدہ کرتا ہوں)، چنانچہ آپ ﷺ اس وعدہ کے دن تشریف لائے، آپ ﷺ نے عورتوں سے جو باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ: ''تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہوجائیں اور وہ اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی اُمید وطلب رکھے تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگی۔'' ایک عورت نے پوچھا کہ دو بچے فوت ہوں تو پھر کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: دو بچے فوت ہوں تو بھی یہی حکم ہے۔''

امام نسائی رحمہ اللہ، اُمّ قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ: ''میرا بیٹا فوت ہوا تو میں نے اس پر بڑی جزع وفزع کی، میں نے غسل دینے والے سے کہا کہ میرے بیٹے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو، اس سے وہ مرجائے گا، عکاشہ بن محصن (بھائی) حضورِ اکرم ﷺ کے پاس گئے اور اُمّ قیس رضی اللہ عنہا کی بات بتائی، تو آپ ﷺ مسکرائے، پھر فرمایا کہ: ''اس کی عمر طویل ہوگی۔'' پس ہمیں نہیں معلوم کہ جتنی ان کی عمر لمبی ہوئی کسی اور کی بھی ہوئی ہو، (یعنی ان کی عمر سب سے لمبی ہوئی۔)

امام مالک، سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک بچہ کی نمازِ جنازہ ادا کی، اس بچہ نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا تھا، (معصوم تھا)، پھر میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ''اے اللہ! اس بچہ کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھ۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ: ''بچہ (کے جنازے میں) سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے اور یہ دُعا پڑھی جائے: ((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ سَلَفًا وَّفَرَطًا وَذُخْرًا وَأَجْرًا۔))

مصنَّف عبدالرزاق: ٦/ ١٥٩ میں مکحول رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی اولاد جنت کے درختوں کے پاس ہے، ان

کی کفالت ابراہیم علیہ السلام کرتے ہیں۔"

نیز مصنَّف عبدالرزاق: ٦/ ١٦٠ میں محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خوبصورت بانجھ عورت کو چھوڑو اور سیاہ فام زیادہ بچے جننے والی سے نکاح کرو کہ میں قیامت کے روز تمہاری کثرت کی بدولت دیگر اُمتوں پر فخر کروں گا، یہاں تک کہ نا تمام بچہ بھی اصرار کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ "تم بھی (جنت میں) داخل ہو جاؤ اور تمہارا والد بھی۔"

نیز مصـــنَّف عبدالـــرزاق (٦/ ١٦٠) میں عبدالملک بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ اور عاصم بن بہدلہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن مسلمانوں کے بچوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں چلے جاؤ، وہ بچے اپنے ماں باپ کی کمر سے چمٹ جائیں گے۔ (راوی) کہتے ہیں کہ پھر نا تمام بچہ آئے گا، اس سے بھی کہا جائے گا کہ جنت میں چلے جاؤ تو وہ ضد کرے گا اور کہے گا کہ پروردگار! میرے ماں باپ بھی، چنانچہ اس کے ماں باپ بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔"

امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: "ابراہیمؓ میرا بیٹا ہے اور وہ حالت رضاعت میں فوت ہوا، جنت میں اس کے لیے دو دایہ مقرر ہیں جو اس کی رضاعت کی مدت کو مکمل کر رہی ہیں۔"

ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے روز مسلمانوں کے بچوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے کہ پروردگار! جب تک آپ ہمارے ماں باپ کو داخل نہ کر دیں (ہم داخل نہ ہوں گے)، چنانچہ وہ جنت میں داخل ہونے سے انکار کریں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا وجہ ہے میں ان کو اصرار کرتے ہوئے دیکھتا ہوں؟ جنت میں داخل ہو جاؤ، وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہمارے ماں باپ بھی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہارے ماں باپ بھی۔" (رواہ احمد و کذا قالہ الهیثمی فی المجمع: ٣/ ١١، ٢٠/ ٣٨٣)

بچوں کی وفات کے معاملہ میں نیک بیوی اہم کردار ادا کرتی ہے، وہ اپنے خاوند کو حوصلہ دلاتی ہے اور اس کے جی کو خوش رکھنے کی خاطر اپنی مامتا پر قابو رکھتی ہے۔ ہمارے سامنے اسی طرح کا ایک واقعہ ہے، جو تمام نیک بیویوں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہوگیا اور ابوطلحہؓ اس وقت گھر سے باہر (کہیں گئے ہوئے) تھے، جب ان کی بیوی نے دیکھا کہ وہ فوت ہوگیا ہے تو اس نے اسے کچھ ٹھیک کیا اور پھر گھر کے گوشہ مین الگ کرکے رکھ دیا، جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو پوچھا کہ بیٹا کہاں ہے؟ بیوی نے کہا کہ وہ آرام کر رہا ہے۔ اور اُمید ہے کہ اُسے راحت حاصل ہوچکی ہوگی۔ پھر انھوں نے رات گزاری، صبح ہوئی تو غسل کیا، پھر جب گھر سے جانے لگے تو بیوی نے بتایا کہ وہ تو فوت ہوچکا ہے۔ اس کے بعد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس رات کے گزارنے میں برکت عطا فرمادے۔''

ایک انصاری آدمی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ابوطلحہ کے نو بچے ہیں اور سب کے سب قرآن کے قاری ہیں۔

مسند احمد (۳/ ۲۸۷) کی ایک روایت میں عمدہ تفصیل ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا فوت ہوا تو اُمّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تم ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو نہ بتاؤ، میں خود ان کو بتاؤں گی، پھر بچہ کو ڈھانک دیا۔ جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو بیوی نے ان کے سامنے کھانا رکھا، انھوں نے کھایا۔ پھر بیوی نے ان کی خاطر خوشبو لگائی اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ ہم بستری کی، جس سے وہ حاملہ ہوئیں۔ بیوی نے کہا کہ اے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ! فلاں لوگوں نے فلاں کے پاس ایک چیز عاریۃً رکھوائی تھی، پھر انھوں نے پیغام بھیجا کہ ہماری عاریۃً رکھی ہوئی چیز واپس دے دو، لیکن وہ اسے لوٹانے کا انکار کرتے ہیں۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عاریۃً رکھوائی ہوئی چیز قابل واپسی ہوتی ہے، (اس کے بعد) بیوی نے کہا کہ آپ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس عاریۃً

بابِ ششم:

جسمانی تعمیر و تربیت

- تمہید ...... جسمانی تعمیر و تربیت کے چند اصول
- پہلا اصول ...... بچوں کے حقوق: تیراکی، تیر اندازی اور گھڑ سواری سیکھنا
- دوسرا اصول ...... بچوں کے درمیان کھیل کے مقابلے کروانا
- تیسرا اصول ...... بڑوں کا بچوں کے ساتھ کھیلنا
- چوتھا اصول ...... بچوں کا آپس میں کھیلنا
- بچوں کی جسمانی ورزش کے فوائد

''ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ ہم اپنی اولاد کو تیر اندازی اور قرآنِ مجید کی تعلیم دلائیں۔''

(خالد بن الولید رضی اللہ عنہ)

کنز العمال: ۵۸۵/۱۶ و رواہ الطبرانی.

تمہید

کھیل کود بچہ کی فطری طبیعت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھ دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کھیل کود سے اس کا جسم اور بدن مضبوط شکل میں طبعی طور پر نشوونما پاتا ہے اور بچپن کا زمانہ وہ زمانہ ہے کہ اسی میں بچہ کے عضلات اور جسم کی نشوونما ہوتی ہے، اس کے بعد جسم کے لیے زیادہ بڑھنا یا عمدہ شکل میں قوی اور توانا ہونا یا اس کے عضلات اور اس کی ہڈیوں، سینے اور پھیپھڑے وغیرہ کی نشوونما دشوار ہوجاتی ہے۔ جب انسان کے لیے بچپن کے زمانہ میں فعال صورت میں جسمانی ورزش کرنا ممکن نہیں ہوتا، تو وہ بعد میں کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اب میں اپنے جسم کی تعمیر کروں، لیکن اب اسے کوئی کامیابی ملنا مشکل ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بچوں کی جسمانی تعمیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا حق زمانہ بچپن میں ہی پورا پورا وصول کرلیں۔

علمائے سلف بھی بچوں کے کھیل کود اور جسمانی تعمیر کی اہمیت سے خوب آشنا تھے۔ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''مناسب ہے کہ مکتب (سکول، مدرسہ) سے فارغ ہونے کے بعد اسے کسی اچھے کھیل کے کھیلنے کی اجازت دی جائے، جس میں وہ اپنی پڑھائی کی تکان کو دُور کرسکے، اس طرح سے کہ وہ کھیل سے نہ تھکے، کیونکہ اگر بچہ کو کھیل کود سے منع کیا گیا اور دائمی طور پر تعلیم میں لگائے رکھا گیا تو یہ چیز اس کے دل کو مردہ کردے گی اور اس کی ذہانت کو بے کار بنادے گی اور اس کی زندگی بھی مکدر اور اجیرن ہوجائے گی، یہاں تک کہ پھر وہ تعلیم سے بالکلیہ جان چھڑانے کے بہانے بنائے گا۔ (الاحیاء، الجزء الثالث)

یہی وجہ ہے کہ اگر بچے کوئی ورزش وغیرہ نہ کریں تو بسا اوقات بہت سے خطرات پیدا ہوجاتے ہیں، بچہ پھر نشوونما نہیں پاتا اور اس کی شکل وصورت اور جسمانی ساخت کمزور اور لاغر ہوجاتی ہے اور نفسیاتی اور اندرونی طور پر شکست و ریخت کا شکار ہونے لگتا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ تکالیف شرعیہ بچہ کی منتظر ہوتی ہیں کہ کب وہ سنِ بلوغ کو پہنچے اور طفولیت کا مرحلہ گزار کر زندگی کے ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو اور اس کی ہر چھوٹی بڑی بات کا محاسبہ اور مؤاخذہ ہو اور فرشتوں کا قلم اس کے تمام اعمال اور اقوال کو ریکارڈ کرنا شروع کر دے۔

اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ان تکالیفِ شرعیہ کے بجالانے کے لیے مضبوط ڈھانچہ اور جسمانی ورزش کی کس قدر ضرورت ہے، کیونکہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جو دین کے اساسی ارکان ہیں، ان کے بجالانے کے لے مومن کا قوی اور فعال ہونا ضروری ہے، لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم غور وفکر کریں اور اپنے آپ سے سوال کریں کہ وہ کون سے قاعدے اور ضابطے ہیں یا وہ کون سی صورتیں ہیں کہ جنھیں اختیار کر کے ہم بچوں کی جسمانی تعمیر و تربیت کر سکتے ہیں اور اس جسمانی تعمیر کے بنیادی ارکان کیا کیا ہیں؟

اگر ہم احادیث نبویہؐ اور سیرتِ شریفہ اور بچوں کی جسمانی تعمیر و تربیت کے حوالہ سے آنحضرت ﷺ کے طریقۂ تعامل کو ملاحظہ کریں تو ہمیں چار ارکان ملتے ہیں کہ ان کو اپنا کر ہم بچوں کی مضبوط جسمانی تعمیر کا مقصد حاصل کر سکتے ہیں، وہ چار ارکان اور اصول یہ ہیں:

پہلا اُصول:

بچوں کے حقوق: تیراکی، تیراندازی اور گھڑسواری سیکھنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ:

"اپنی اولاد کو تیراکی، تیراندازی سکھاؤ اور یہ بات بھی سکھاؤ کہ وہ گھوڑے پر چھلانگ لگا کر کس طرح بیٹھیں۔"

اس حدیث مبارک سے بچوں کے لیے ریاضت کی تعلیم کا حق واضح طور پر معلوم ہوتا ہے اور آپؐ نے صرف ان ہی تین چیزوں کو خاص طور سے ذکر فرمایا ہے، دوسرے حقوق کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ یہ ایسے کھیل ہیں کہ ان سے بچوں کے اندر خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ وہ کھیل ہیں جو وہ کم عمری میں ہی سیکھ سکتا ہے، بڑے ہو کر ان چیزوں کو اچھے انداز سے نہیں سیکھ سکتا، جب کہ دوسرے کھیل اور ورزشیں ایسی ہیں کہ بڑے ہونے

کے بعد ان کا سیکھنا ممکن ہوتا ہے اور ان میں پختگی پیدا کر سکتا ہے۔

بہرحال! اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کی ریاضت اور ورزش و کھیل کی کس قدر ترغیب دیا کرتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ نے خود اپنے زمانہ بچپن میں بنونجار کے باغ میں تیراکی فرمائی تھی اور بچوں کے ساتھ کھیلے تھے۔ (رواہ احمد عن انس)

اسی طرح آپ ﷺ تیراندازی پر بچوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

ابن جریرؒ نے اپنی کتاب "الآثار" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''نبی کریم ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کے لیے ہی اپنے ماں باپ کو جمع فرمایا (یعنی آپؐ نے ان ہی کو فرمایا کہ میرے ماں باپ قربان ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: تیر چلاؤ، میرے ماں باپ آپ پر قربان، اے حروری لڑکے!''

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ چند نوجوانوں کے پاس سے گزرے جو تیراندازی کر رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اسماعیل کی اولاد! تیر چلاؤ، کیونکہ تمہارے باپ بھی تیرانداز تھے۔ (رواہ سعید بن منصور)

محقق حبیب الرحمٰن کہتے ہیں کہ

''اس حدیث کو امام بخاری نے بھی بحدیث سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے۔''

دوسرا اُصول:

بچوں کے درمیان کھیل کے مقابلے کروانا

بچوں کے مابین کھیل کے مقابلے کروانا ایک ایسی چیز ہے جس سے بچوں کی جسمانی تعمیر و تربیت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے چچازاد بھائیوں (حضرت عباس کے بچوں) کے مابین دوڑ کا مقابلہ کرایا تھا اور کامیاب ہونے والے کو انعام دیا۔

چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ''رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر (عباس کے بچوں) کی صف بندی کی پھر فرمایا کہ: ''جو پہلے میری

طرف دوڑ کر آئے گا، اسے اتنا انعام ملے گا۔" چنانچہ سب بچے دوڑتے ہوئے آئے اور آپ ﷺ کی پشت مبارک اور سینہ پر آ کر گرے، آپ ﷺ نے ان کو بوسہ دیا اور اپنے سینہ مبارک سے لگایا۔"

آپ نے ملاحظہ کیا کہ آپ ﷺ نے اپنی محبت کو ان سب پر تقسیم فرمایا اور ان سب کو بوسہ دیا، صرف کامیاب ہونے والے سے محبت کا اظہار نہیں کیا، بلکہ سب کی رعایت ملحوظ رکھی کہ ایسا نہ ہو کہ ان میں حسد وغیرہ پیدا ہو اور جسمانی تربیت و تعمیر سب کی ہو۔

تیسرا اُصول:

بڑوں کا بچوں کے ساتھ کھیلنا

اب ہم کچھ ایسی احادیث پڑھتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نبی کریم ﷺ پیغمبر خدا اور قائدِ اُمت ہونے کے باوجود بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور اس سے مقصد صرف یہ تھا کہ والدین اور بڑوں کی تربیت ہو کہ وہ بھی اپنے بچوں کے ساتھ کھیلا کریں۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما، آپ ﷺ کے سامنے یا (فرمایا کہ) آپ ﷺ کی گود مبارک میں کھیل رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ان سے پیار کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "بھلا میں ان سے کیوں نہ پیار کروں؟ جبکہ یہ دونوں میری دنیا کے دو پھول ہیں، جنھیں میں سونگھتا ہوں۔"

امام بزار رحمۃ اللہ علیہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کے پیٹ مبارک پر کھیل رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ: "بھلا میں ان سے محبت کیوں نہ کروں؟ یہ دونوں میرے پھول ہیں۔"

ابویعلیٰ، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: "میں نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا کہ:
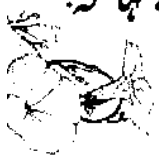
تمہارے نیچے کیا خوب سواری ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اور یہ سوار بھی کیا خوب ہیں۔''

(الکنز: ۱۰۶/۷۔ والمجمع: ۱۸۲/۹)

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما یا ان میں سے کوئی ایک آیا اور آپ ﷺ کی پشت مبارک پر سوار ہوگیا۔ آپ ﷺ نے جب سر مبارک اُٹھایا تو ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ اسے پکڑو اور فرمایا کہ: ''تمہاری سواری کیا خوب ہے۔'' (مجمع الزوائد: ۱۸۲/۹)

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ (بچوں کی طرح) چار اعضاء کے سہارے چل رہے ہیں اور آپ ﷺ کی پشت مبارک پر حسن و حسین رضی اللہ عنہما بیٹھے ہیں اور ساتھ ساتھ فرما رہے ہیں کہ: ''تمہارا اونٹ بھی کتنا اچھا ہے اور تم بھی کتنے اچھے تھیلے (بوریاں) ہو۔''

شیخینؒ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی چادر مبارک سے مجھے ڈھانک رہے تھے اور میں ان حبشیوں کو دیکھ رہی تھی جو مسجد میں کھیل رہے تھے، حتیٰ کہ میں ہی وہ عورت ہوں، جس نے آپ کو ملولِ خاطر کیا، پس تم نو عمر لڑکی کا اندازہ کرلو، جو کھیل کود کی شوقین تھی۔''

سنن النسائی میں ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ سیاہ فام لوگ عید کے روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھیل رہے تھے۔ آپؐ نے مجھے بلایا تو میں آپؐ کے کندھے کے اوپر سے انھیں دیکھنے لگی، یہاں تک کہ میں ہی وہ عورت ہوں جو واپس چلی آئی تھی۔''

آپ نے ملاحظہ کیا کہ نبی کریم ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ مختلف انداز سے کھیلتے تھے، اور اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ دوسروں کو بھی بچوں کے ساتھ مختلف طریقوں سے کھیلنے کے لیے دعوتِ فکر دی جائے، نیز آپ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے کھیل

کے اندر ان دونوں کی تعریف بھی فرمائی۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس سے بچوں کی ذہنی نشاط میں اضافہ ہوتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا مقصد بھی یہی تھا کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ذہنی نشاط کو اور زیادہ کیا جائے، تاکہ وہ بغیر کسی تعب وتکان کے پورے شغف اور دلچسپی کے ساتھ کھیلتے رہیں اور ایک ہی وقت میں جسمانی اور نفسیاتی خوراک ملتی رہے۔

چوتھا اُصول:

بچوں کا آپس میں کھیلنا

بسااوقات والدین اپنے مختلف کاموں میں مشغول اور مصروف ہوتے ہیں تو ایسی صورتحال میں ان کو چاہیے کہ وہ بچوں کو موقع فراہم کریں کہ وہ اپنے بھائیوں یا پڑوس کے بچوں یا محلّہ کے بچوں یا عزیز واقارب کے بچوں کے ساتھ کھیلیں۔ نیز والدین کو چاہیے کہ ایسی صورت میں وہ ایسے بچوں کا انتخاب کریں جو مہذب اور باادب ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بچے کھیل کے دوران بدزبانی یا ناپسندیدہ عادات کو سیکھ جائیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے متعدد موقعوں پر بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا، لیکن ان کو منع نہیں کیا۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ ہمیں کھانے کی دعوت دی گئی تو دیکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ راستہ میں کھیل رہے ہیں، (یہ دیکھ کر) حضورِ اکرم ﷺ جلدی سے آگے بڑھے اور اپنے ہاتھ کو دراز فرمایا، حسین رضی اللہ عنہ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اس کو ہنستے ہنساتے رہے، یہاں تک کہ اسے پکڑلیا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی پر اور دوسرا اس کے سر اور کانوں کے درمیان رکھا، پھر اسے گلے لگا کر چومنے لگے، پھر فرمایا کہ: ''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں اور میں اس سے ہوں۔ جو ان دونوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) سے محبت کرے، اللہ اس سے محبت کرے، حسن وحسین رضی اللہ عنہما میرے نواسے ہیں۔''

صحیحین کی ایک حدیث مبارک اس سے پہلے بھی گذری ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس اثناء میں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ تشریف

لائے اور مجھے کسی کام کے سلسلہ میں بھیجا...... الحدیث۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو میں ایک دروازے کے پیچھے چھپ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھے ایک کھلا ہوا ہاتھ مارا، پھر مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، پھر میں نے واپس آ کر بتایا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ (مسند احمد: ۱/۳۳۸)

یہ حدیث مبارک بھی پہلے گزری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام آئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، جبریل امین علیہ السلام نے آپ کو پکڑ کر آپ کا سینہ مبارک چاک کیا...... الحدیث۔

(مسند احمد: ۳/۲۸۸)

اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد سے کچھ پہلے دو لڑکوں کی کشتی کا منظر دیکھا، جب ایک نے کہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ کے لیے اسے قبول فرمایا ہے، مجھے قبول نہیں فرمایا حالانکہ میں اسے کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ چنانچہ دونوں کی کشتی ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود تھے اور اس نے اپنے قول کے مطابق اسے گرا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ میں شرکت کے لیے دونوں کو قبول کر لیا۔

البتہ بچیوں کا کھیل بچوں سے قدرے مختلف ہوتا ہے جب کہ (بعض) علماءِ کرام نے بچیوں کے لیے گڑیا اور دیگر مجسم چیزوں کی اجازت دی ہے اور درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا غزوۂ حنین سے واپس تشریف لائے اور ان کی الماری پر پردہ لٹکا ہوا تھا، ہوا چلی تو پردے کا کنارہ ہٹا تو اس کے پیچھے میرے کھلونے گڑیا (وغیرہ) نظر آئے۔ آپؐ نے پوچھا کہ اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میری بیٹیاں (گڑیا) ہیں۔ آپؐ نے ان کھلونوں میں ایک گھوڑا دیکھا، جس کے دو پَر تھے۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہ ان کے درمیان میں کیا دیکھتا ہوں؟

میں نے کہا کہ گھوڑا ہے۔ آپؐ نے پوچھا کہ اور اس پر کیا چیز بنی ہے؟ میں نے کہا کہ اس کے دو پَر ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ گھوڑا اور اس کے پَر! میں نے کہا کہ آپؐ نے نہیں سنا ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پَر ہوتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (میری بات سن کر) حضور علیہ السلام ہنسنے لگے، یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی ڈاڑھیں مبارک دیکھیں۔

نیز شیخینؒ اور ابو داؤدؒ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میری سہیلیاں آتیں اور رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو کر (پردے میں ہو کر) میرے ساتھ کھیلا کرتیں اور آپؐ ان کو میرے پاس بھیجتے تھے۔

ممنوع کھیل:

- جاندار کو نشانہ بنانا۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدینہ منورہ کے کسی راستہ سے گزرا تو دیکھا کہ کچھ نوجوان مرغی کو نشانہ بنا رہے ہیں اور ان کا ہر نشانہ اور تیر خطا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر انھیں غصہ آیا اور پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ (یہ سن کر) سب منتشر ہو گئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے جو جاندار کو نشانہ بنائے۔ (رواہ احمد والدارمی)

تنبیہ:...... مغرب سے کچھ پہلے بچوں کا گھروں میں واپس آ جانا بہت ضروری ہے، تاکہ انھیں کھیل کے اختتام کا پتہ چلے۔ نیز احادیث مبارکہ میں بھی وارد ہوا ہے کہ اس وقت شیاطین راستوں میں پھیل جاتے ہیں اور اگر بچوں کو یہ احادیث یاد کروادی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، تاکہ انھیں معلوم ہو کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بھی حکم ہے۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: اپنے بچوں کو روک رکھو، یہاں تک کہ عشاء کا ابتدائی حصہ چلا جائے، کیونکہ یہ ایسی گھڑی ہے، جس میں شیاطین راستوں پر چلتے اور گزرتے ہیں۔'' (سلسلة الاحادیث الصحیحة، رقم: ۹۰۵)

امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابو داؤد اور نسائی رحمہم اللہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ: ''جب رات شروع ہو تو اپنے بچوں کو (باہر نکلنے سے) روکو، کیونکہ اس وقت شیاطین (زمین پر) پھیل جاتے ہیں، پھر جب رات کی ایک گھڑی ختم ہو جائے تو ان کو چھوڑو۔'' (ایضاً، رقم: ٤٠)

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یوں ہے: ''پھر جب عشاء کا ابتدائی حصہ ختم ہو جائے تو ان کو چھوڑ دو۔''

بچوں کی جسمانی ورزش کے فوائد:

فارغ وقت گزارنے کے علاوہ بچوں کے لیے کھیل کود انتہائی اہم عمل ہے، کیونکہ اس سے ان کے جسمانی اور ذہنی دونوں چیزوں میں ترقی ہوتی ہے اور اس سے اجتماعی اور عقلی ذمہ داریاں، جس کے لیے غور وفکر کرنے اور عقلی فیصلوں اور مسائل کے حل کی ضرورت ہوتی ہے، کا مقصد حاصل ہوتا ہے، اور بچوں کے کھیل اور ورزش کے معاملہ میں آس پاس کے ماحول اور ماں باپ کی راہنمائی اور توجہ کو بڑا دخل ہوتا ہے۔

مکتب میں جانے سے پہلے کا زمانہ ایسا ہے کہ جس میں بچوں کی کھیل کود سے عقلی نشوونما بہت اہم ہوتی ہے کہ بچے کھیل اور ورزش سے طاقت اور پختگی کی انتہاء کو پہنچتے ہیں۔ نیز کھیل اور ورزش کے دوران بچوں کو تجربات حاصل ہوتے رہتے ہیں جو آگے چل کر اس کی شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں، اسی طرح اس سے بچے مستقبل کے حالات کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں کھیل کود کو اس نظر سے نہ دیکھا جائے کہ یہ چیز وقت کو ضائع کرنے والی ہے، بلکہ کھیل کود کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ بچوں کی نشوونما کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔

جو ماں باپ اپنے بچوں کو گھر میں یا پڑوسی کے بچوں کے ساتھ کھیلنے سے محروم رکھتے ہیں تو وہ حقیقت میں نشوونما کی بنیادی ضرورت سے انھیں محروم کرتے ہیں۔

بہر حال بچوں کے جسمانی کھیل اور ورزش کے چند فوائد ذکر کیے جاتے ہیں:

① جسمانی فائدہ...... بچوں کے عضلات کی نشوونما کے لیے کھیل اور ورزش بہت ضروری

ہے، کیونکہ بچے کھیل کود سے نئی سے نئی معلومات اور تجربات سیکھتے ہیں۔

۲۔ تربیتی فائدہ...... کھیل اور ورزش بچوں کو وسیع میدان فراہم کرتا ہے کہ وہ کھیل کے مختلف سامان سے بہت سی چیزیں سیکھتا ہے، جیسے مختلف شکلیں اور رنگ اور مختلف قسم کے کپڑے وغیرہ۔ اور بسا اوقات کھیل کے دوران بچوں کو ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو اسے دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔

۳۔ اجتماعی فائدہ...... کھیل کود کے دوران بچے سیکھتے ہیں کہ دوسروں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کس طرح استوار کیے جاسکتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ کا کامیاب طریقہ کیا ہوسکتا ہے، اس طرح وہ کھیل کے دوران آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا طریقہ سمجھتا ہے اور بڑوں کے ساتھ لین دین کس طرح کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ اخلاقی فائدہ...... بچے کھیل کے دوران، درست اور غلط کام کا مفہوم اور حقیقت سمجھتے اور چند اخلاقی معیار بھی سیکھتے ہیں، جیسے عدل و انصاف، سچائی، امانت داری، صبر و ضبط اور ورزش و کھیل کا جذبہ۔

۵۔ فطرتی فائدہ...... کھیل و ورزش سے بچوں کے لیے اپنی فطری قوتوں کو اجاگر کرنے کی استطاعت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اپنے افکار و خیالات کو بیان کرنے پر قادر ہوجاتے ہیں۔

۶۔ ذاتی فائدہ کھیل اور ورزش کے ذریعہ بچے اپنی ذات کے بارے میں بہت سی چیزوں کو معلوم کرتے ہیں، جیسے اپنی طاقت وقدرت کی معرفت اور دوستوں کے ساتھ برتاؤ کرنے کی مہارت اور موازنہ، اس طرح وہ اپنے مسائل اور ان کے حل کا طریقہ سیکھتے ہیں۔

۷۔ علاجی فائدہ...... کھیل کود کے ذریعہ اس جسمانی و ذہنی تناؤ سے بچتے ہیں، جس سے مختلف قسم کی بندشیں جنم لیتی ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ گھرانوں کے بچے جو مختلف پابندیوں اور بندشوں میں جکڑے رہتے ہیں، جب کھیلتے ہیں تو دوسرے بچوں کی نسبت زیادہ کھیلتے ہیں، اسی طرح یہ کھیل کود اور ورزش بچوں کے اندر پوشیدہ جارحیت اور عداوت کو ختم کرتی ہے۔'' (مجلة العربي عدد: ۲۳۴)

باب ہفتم:

علمی و فکری تعمیر و تربیت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''اپنی اولاد کو حصولِ علم کا حکم دو۔'' (کنز العمال: ٥٨٤ / ١٦)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

[النحل: ۷۸]

''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا، تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کیے تاکہ تم شکر کرو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ .))

رواه البخاري في الادب واحمد و ابن عدی والقضاعی.

''تعلیم دو اور آسانیاں کرو اور سختیاں نہ کرو اور خوشخبری سناؤ اور نفرتیں نہ پھیلاؤ اور جب کسی کو غصہ آئے تو خاموش رہے۔''

تمہید

دین اسلام ایک تاریخی دین ہے جس نے اولاد کو تعلیم دینے کی ترغیب دی ہے اور جس تاکید کے ساتھ اسلام نے بچوں کی تعلیم پر زور دیا ہے، پورے عالم میں ایسا کوئی نظریۂ تعلیم موجود نہیں ہے۔ یہ بات تو اعدائے اسلام بھی تسلیم کرتے ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر ارثر آر بری (استاذ شعبہ اسلامی تحقیقات، کیمبرج یونیورسٹی) کہتے ہیں کہ: ''اسلام کے انسانیت کے لیے ایسے شاندار اور قابل تحسین کارنامے ہیں جو انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور جو شکر گزاری کا تقاضا کرتے ہیں۔ ہمارے پیش نظر ایسی بہت سی کتابیں ہیں جو فنون وعلوم اور آداب و سیاست کے میدان میں مسلمانوں کے حصہ کو بیان کرتی ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر مسلمانوں میں تعلیم و تعلم کا جذبہ کارفرما نہ ہوتا تو وہ ان بلند اور شاندار علمی مقاصد کو حاصل نہ کر پاتے، یہی وہ جذبہ ہے جس نے اپنی طویل تاریخ کے دوران اسلامی جماعتوں کو ممتاز بنایا، پس ان کے مرد اور عورتیں، رسول اللہ ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہتی نظر آتی ہیں کہ: ''علم حاصل کرو، خواہ تمھیں چین جانا پڑے۔''

(تاريخ التربية الاسلامية)

بچوں کی علمی وفکری تعمیر و تربیت کے سلسلہ میں چند بنیادوں (اصولوں) کا ذکر کرنا ضروری ہے، جن پر چل کر والدین اپنے بچوں کو درست تعمیر اور وافر علم اور صحیح افکار کی ضمانت دے سکیں۔ کیونکہ بچوں کی تربیت میں یہ چیز بہت اہم شمار ہوتی ہے کہ یہ عقلی وفکری تعمیر و تربیت ہے۔ پس جب فکری تعمیر و تربیت درست خطوط پر استوار ہوگی تو والدین کے لیے یہ چیز خیر و بھلائی اور خوشخبری کی ہوگی اور بصورتِ دیگر وہی اولاد ان کے لیے دشمن ثابت ہوگی جو ان سے جنگ و جدال کرتے ہوئے انھیں دوزخ کے گڑھے میں جا پھینکے گی۔ (والعیاذ باللہ)

بچوں کی علمی وفکری تربیت کے اصول وضوابط ایسے ہیں کہ ان سے بچوں کا باطنی علاج ہوتا

ہے، جیسے ان کا تعلیم و تعلّم کی طرف متوجہ ہونا اور اہل علم سے محبت پیدا ہونا وغیرہ۔

چونکہ نیک اور کامیاب استاذ کا انتخاب، والدین کے رول اور کردار کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے اور ایسا استاذ بچوں کے قلب و دماغ کے لیے بمنزلۂ آئینہ کے ہوتا ہے کہ جو چیز استاذ کی نظر میں بھلی ہوگی وہ ہی چیز بچوں کو بھلی لگے گی۔ اس لیے ان اصولوں کا جاننا بہت ضروری ہے، جن کی والدین کو ضرورت پڑتی ہے، وہ اصول یہ ہیں:

پہلا اُصول:

بچوں کا تعلیمی حق اور ان میں علم اور آداب علم کی محبت پیدا کرنا

حضور نبی کریم ﷺ نے بچوں کی تعلیم و تعلّم کے لیے ایک بنیادی ضابطہ وضع فرمایا ہے، جو نسل در نسل ہم تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، وہ ایسا ضابطہ ہے کہ والدین اس کو اختیار کرکے اپنے بچوں کو حصولِ علم کے لیے راغب کر سکتے ہیں وہ یہ کہ ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، لڑکا ہو یا لڑکی اور حصولِ علم ان افضل عبادات میں سے ہے، جن کے ذریعہ بندہ اپنے رب کا تقرب حاصل کرتا ہے اور بچوں کا زمانہ بچپن اس فکری و علمی تعمیر و تربیت کے لیے انتہائی سرسبز و شاداب ہوتا ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بچہ بچپن میں علم حاصل کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر پر کوئی چیز نقش کر دی جائے اور جو بڑی عمر میں علم سیکھتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پانی پر کچھ لکھتا ہو۔''

(رواہ ابن ماجہ مرفوعاً)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المقاصد الحسنہ'' میں متعدد ایسی احادیث ذکر کی ہیں، جن سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ: ''جس نے نوجوانی میں قرآن سیکھا تو قرآن اس کے رگ و پے میں داخل ہو جاتا ہے اور جو قرآن بڑی عمر میں سیکھتا ہے وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے، لیکن وہ اس کو نہیں چھوڑتا تو اس کے لیے دہرا اجر ہے۔'' (رواہ البیہقی والدیلمی والحاکم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص بالغ ہونے سے پہلے قرآن پڑھتا ہے تو وہ ان لوگوں میں سے ہوتا ہے، جنھیں بچپن میں حکمتیں عطا کی گئی ہیں۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ حدیث بھی یہی کہتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کو تعلیم دینے کا اہتمام ان کی علمی نشوونما میں بڑا گہرا اثر مرتب کرتا ہے اور دوسروں کی نسبت ان کا حافظہ بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے اسلاف کے اہتمام کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں بچوں کی تعلیم کا کس قدر اہتمام کیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''تم ہمارے پاس نوعمر بچے بھیجو، کیونکہ ان کے دل (دوسروں کی نسبت) زیادہ خالی اور جو بات وہ سنتے ہیں اس کو زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔'' (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ١/ ٢٤٥)

اسی طرح سعید بن رحمۃ الاصبحی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں رات کو جلدی پہنچتا تھا، میرے ساتھی مجھ سے سبقت نہ لے جاسکتے، اور وہ بزرگوں کے ہمراہ آتے اور ان سے کہا جاتا کہ یہ بچے آپ پر غالب آگئے، وہ کہتے کہ یہ بچے میرے نزدیک تم سے زیادہ اُمید والے ہیں، تم کتنے عرصہ تک زندہ رہوگے؟ اور ان بچوں کے بارے میں مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ یہ بڑے ہوں گے، سعید کہتے ہیں کہ پھر میرے سوا کوئی باقی نہ رہا۔

اسی طرح اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن رجا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ وہ مکتب کے بچوں کے پاس آتے اور ان سے احادیث بیان کرتے، تاکہ ان کی حدیث کو بھلایا نہ جاسکے۔

اسی طرح یحییٰ بن حمید الطّویل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کے سامنے بچے بیٹھے ہیں اور وہ ان سے حدیثیں بیان کر رہے ہیں، پس ہم بھی بیٹھ گئے، جب فارغ ہوئے تو ہم نے ان سے کہا کہ اے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ (ان کی کنیت)! ہم اس

علاقہ کے مشائخ ہیں اور آپ سے ملنے آئے ہیں، مگر آپ ہمیں چھوڑ کر ان بچوں کی طرف متوجہ رہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا کہ جیسے میں نہر کے کنارے پر کھڑا ہوں اور میرے پاس ڈول ہے جو بھر کر میں ان بچوں کو دیتا ہوں۔

(رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب العیال: ۲/۸۰٤)

یحییٰ بن یمان رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ جب بے ریش بچہ آتا تو اسے ابتدائی ستر آیات سورۃ الاعراف کی اور ابتدائی ستر آیات سورۃ یوسف کی اور حدیث کا ابتدائی حصہ پڑھاتے، پس اگر وہ پڑھ لیتا تو اسے حدیث بیان کرتے ورنہ اس سے حدیث بیان نہ کرتے۔

حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے بچوں اور بھانجوں سے کہا کرتے تھے، ''سیکھو! کیونکہ تم آج سب سے چھوٹے ہو لیکن کل لوگوں کے بڑے بنوگے اور تم میں سے جو یاد نہ کرسکے اسے لکھنا چاہیے۔ (الکفایة فی علم الروایة ص ۲۹)

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بچوں سے کہا کرتے تھے: ''لکھا کرو، جسے اچھا لکھنا نہیں آتا اسے ہم لکھ دیتے ہیں اور جس کے پاس کاغذ نہ ہو اسے ہم اپنے پاس سے کاغذ دیں گے۔

(المحدث الفاصل ص ۳)

علامہ بدیع الزمان الھمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بھانجے کو خط لکھا جس میں انہوں نے اس کو حصولِ علم کے لیے خوب محنت کرنے کی تلقین کی، چنانچہ لکھا کہ:

''جب تک میں ہوں تم میرے بیٹے ہو اور علم تیری شان، مدرسہ تمہارا مکان، قلم تمہارا الیف (دوست) اور رجسٹر تمہارا حلیف ہوگا۔ پس اگر تم نے اس میں کوتاہی کی تو میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا والسلام۔''

(الھدایة الاسلامیة ص ۲۲۸)

امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ (۱۰۳/۱) میں لکھتے ہیں:
لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! تم نے دانائی کی باتیں کس قدر سیکھ لی ہیں؟ بیٹے نے کہا کہ میں ان چیزوں میں نہیں پڑتا جو بے مقصد ہوتی ہیں۔ لقمان علیہ السلام نے کہا کہ بیٹا! ایک

اور چیز باقی رہ گئی ہے کہ تم علماء کی صحبت اختیار کرو اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو حکمت و دانائی کے ساتھ زندہ کرتے ہیں جس طرح مردہ زمین آسمانی بارش سے زندہ ہوتی ہے۔ بیٹا! تم تین چیزوں کی خاطر علم حاصل نہ کرو اور تین چیزوں کی وجہ سے علم حاصل کرنا نہ چھوڑو، تم اس لیے علم حاصل نہ کرو کہ اس کے ذریعہ دوسروں کے ساتھ جھگڑوں گا اور نہ اس لیے حاصل کرو کہ اس کے ذریعہ دوسروں پر فخر و ناز کرو گے اور نہ اس لیے حاصل کرو کہ ریاکاری اور دکھاوا کرو گے اور اس لیے علم کا حصول نہ چھوڑو کہ اس سے بے رغبتی اختیار کرو اور نہ لوگوں سے حیا و شرم کے مارے حصولِ علم کو چھوڑو اور نہ ہی اپنی جہالت پر راضی رہنے کے لیے اسے چھوڑو۔ بیٹا! علماء کے ساتھ نہ جھگڑنا ورنہ تم ان کی نظر میں گر جاؤ گے اور وہ تمہیں چھوڑ دیں گے اور نادانوں سے بھی مت جھگڑنا، ورنہ وہ تمہارے ساتھ جہالت اور نادانی سے پیش آئیں گے اور تمہیں برا بھلا کہیں گے۔ البتہ تم اپنے آپ کو ان کے ساتھ وابستہ رکھنا جو علم میں تجھ سے فائق ہوں اور ان کے ساتھ بھی جو علم میں تجھ سے کمتر ہوں، کیونکہ جو ایسا کرتا ہے وہ بھی اہل علم میں شمار کیا جاتا ہے اور ان سے نرمی کے ساتھ علم کا اقتباس کرنا۔ بیٹا! حکمت و دانائی ایسی چیز ہے جس نے مساکین کو بادشاہوں کی مجالس میں بٹھادیا ہے۔ (اللب فی الاسلام والطب ص ۳۸)

یحییٰ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، کہ تم پر لازم ہے کہ تم ہر نوع کا علم حاصل کرو، کیونکہ انسان اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جس سے وہ جاہل ہوتا ہے اور مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم علم کی کسی بھی نوع کے دشمن بنو۔

عبد الملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بچوں سے کہا کہ: اے میرے بچو! علم حاصل کرو، کیونکہ اگر تم شریف النسب ہوئے تو صحیح روش پر رہو گے اور اگر تم عوام الناس میں سے ہوئے تو اچھی زندگی بسر کرو گے۔ (حوالہ بالا)

بعد ازاں ادباء، اہل قلم اور علماء اور حکماء سب کے سب بچوں کو نصیحت کیا کرتے تھے اور بچوں کو زمانہ طفولیت میں ہی علم و معرفت کے حصول کی طرف متوجہ کیا کرتے تھے۔

احمد شوقی (شاعر) نے بھی امت اسلامیہ کے مصلحین اور مربیین کو اپنے اشعار میں بچوں کی تعلیم وتعلم کا اہتمام کرنے کی طرف دعوت دی ہے۔

جب بچوں میں علم اور علم کے حصول کی محبت راسخ ہوجائے گی تو وہ خود علم حاصل کریں گے اور اس کے لیے مشقتیں برداشت کریں گے اور والدین کے اصرار کے بغیر ہی راتوں کو جاگ جاگ کر علم حاصل کریں گے۔

دوسرا اصول:

بچوں کا قرآن وسنت کا کچھ حصہ یاد کرنا اور ان میں اخلاص نیت پیدا کرنا

جیسا کہ پہلے بھی گزرا ہے کہ بچوں کی فکری تربیت کے لیے قرآن وسنت کی تعلیم کو بہت اہمیت حاصل ہے، قرآن وسنت، علوم کا سرچشمہ ہیں اور اس سے عقل روشن اور قوی ہوتی ہے، لہٰذا کم از کم بچوں کو قرآن میں سے پارہ عم یعنی تیسواں پارہ حفظ کروادیا جائے اور احادیث نبویہ میں سے چالیس احادیث یاد کروادی جائیں۔ جیسا کہ کتاب کے اختتام پر ہم نے بچوں کی راہنمائی کے لیے تربیتی قسم کی چالیس احادیث مبارکہ ذکر کردی ہیں، اگر بچوں کو وہ احادیث پڑھادی جائیں یا یاد کروادی جائیں تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلافِ امت بھی بچوں کو سب سے پہلے قرآن وسنت کی تعلیم دینے کی تلقین کیا کرتے تھے، کیونکہ قرآن وسنت، بچوں کی علمی تعمیر وتربیت میں بنیادی ارکان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی لیے ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب السیاسۃ'' میں لکھتے ہیں کہ: جب بچہ کچھ سیکھنے کے قابل ہوجائے تو اسے قرآن کی تعلیم دلائی جائے اور حروف ہجائیہ کی پہچان کرائی جائے اور دین کی بنیادی باتیں سکھائی جائیں۔

بچوں کے حفظِ حدیث کے اہتمام کے سلسلہ میں ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں مکتب میں بیٹھا تھا کہ میرے دل میں حفظِ حدیث کا خیال آیا، آپ سے

کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ خیال کس عمر میں آیا؟ فرمایا کہ اس وقت میری عمر دس سال کی تھی، یا اس سے بھی کم، پھر میں مکتب سے نکلا اور داخلی اور دیگر ائمہ حدیث کے پاس آنے جانے لگا، ایک دن انہوں نے لوگوں کو پڑھاتے ہوئے یہ سند ذکر کی کہ سفیان، ابوالزبیر سے وہ ابراہیم سے نقل کرتے ہیں تو میں نے کہا ابوالزبیر نے ابراہیم سے حدیث نقل نہیں کی تو اس پر انہوں نے مجھے جھڑکا، میں نے ان سے کہا کہ اصل کی طرف مراجعت کریں اگر آپ کے پاس موجود ہو، چنانچہ وہ اندر گئے اور انہوں نے مطالعہ کیا، پھر واپس آ کر کہا کہ اے لڑکے! پھر صحیح کیا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ زبیر عدی کے بیٹے ہیں جو ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث نقل کرتے ہیں، پھر انہوں نے قلم کاغذ لیا اور اپنی لکھی ہوئی بات کی اصلاح کی اور مجھ سے کہا کہ تم نے سچ کہا ہے۔ اس وقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عمر گیارہ سال کی ہوگی۔ جب آپ کی عمر سولہ برس کی ہوئی تو آپ نے ابن المبارک اور امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں حفظ کیں اور اس کے دو سال بعد ایک کتاب تصنیف کی یعنی "قضایا الصحابة والتابعین" پھر مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس کے پاس بیٹھ کر "التاریخ" کتاب تصنیف کی۔

حاشد بن اسماعیلؒ کہتے ہیں: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابھی لڑکے تھے کہ مشائخ بصرہ کے پاس آتے جاتے تھے اور حدیث لکھتے نہیں تھے، یہاں تک کہ اس پر کچھ عرصہ گزر گیا، سولہ دن گزر جانے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ تم لوگوں نے میرے سامنے بہت زیادہ احادیث لکھ لی ہیں، اب مجھے دکھاؤ تم نے کیا لکھا ہے؟ ہم نے انہیں دکھائیں تو وہ پانچ ہزار سے زیادہ تھیں، آپ نے وہ تمام احادیث زبانی پڑھ دیں، حتیٰ کہ ہم اپنی کتابوں کو ان کے حافظہ کے ذریعہ درست کرنے لگے۔"

تیسرا اصول:

بچوں کے لیے نیک صالح استاذ اور اچھے مکتب کا انتخاب کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین اپنے بچوں کے لیے نیک صالح استاذ کا انتخاب کرنے پر انتہائی توجہ دیا کرتے تھے، اس لیے کہ استاذ ایک آئینہ کی طرح ہوتا ہے جس کا بچوں کے ذہن اور طبیعت پر بڑا اثر پڑتا ہے اور وہ بچوں کے لیے حصولِ علم کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اسی بناء پر اسلافِ امت اپنے بچوں کو علم کے حصول سے پہلے ادب وآداب کی تحصیل کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بچہ میں مطلوبہ آداب پہلے سے موجود ہوں گے اور وہ استاد کے پاس حصولِ علم کے لیے جائے گا تو ایک تو اس کے دل میں اس کا احترام ہوگا اور دوسرا یہ کہ بغیر کسی دباؤ اور مشقت کے کھلے دل سے تعلیم حاصل کرے گا اور والدین کے ذمہ بچہ کے جو تعلیمی اخراجات ہوتے ہیں اگر بچہ کی صحیح معنی میں علمی وفکری تعمیر وتربیت پہلے سے ہوئی ہو تو ماں باپ کے لیے قیمتی سے قیمتی تر مال ودولت کا خرچ کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ "کتاب السیاسة" میں "باب سیاسة الرجل ولده" کے تحت لکھتے ہیں کہ: بچہ کے لیے ایسے استاذ کا انتخاب ہونا چاہیے جو عقلمند، دیندار، اخلاقی امور کی بصیرت رکھنے والا، بچوں کی تربیت کا ماہر اور باوقار ہو اور اس میں خسیس پن اور غصہ کا عنصر نہ ہو اور وہ بچوں کی موجودگی میں غیر سنجیدہ بہت کم ہوتا ہو اور اس میں چھچھوراپن نہ ہو، اور نہ بے فیض ہو اور نہ خشک مزاج ہو اور یہ کہ شیریں مزاج سمجھدار، بامروت اور نظافت ونزاہت کی صفت سے موصوف ہو۔

مسلمانوں کے امراء اور حکام بھی اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے نیک صالح استاذ ڈھونڈتے تھے۔ چنانچہ ابوبکر بن جابر رحمۃ اللہ علیہ، جو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے خادم ہیں، کہتے ہیں کہ میں بغداد میں تھا، ہم لوگوں نے مغرب کی نماز پڑھی، پھر دروازہ پر دستک ہوئی، کھولا تو دیکھا

کہ ایک خادم ہے اس نے کہا کہ حاکم وقت ابو احمد الموفق اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں، میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا، میں نے بتایا کہ اس طرح حاکم وقت آنا چاہتے ہیں، انہوں نے اجازت دی، وہ اندر آئے اور آ کر بیٹھ گئے، پھر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ایسے وقت میں امیر وقت کا کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا کہ تین باتوں کے لیے آیا ہوں، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ وہ تین باتیں کیا ہیں؟ اس نے کہا کہ ایک تو یہ کہ آپ بصرہ آ جائیں اور اسے اپنا وطن بنالیں، تاکہ علم کے پیاسے دور دور سے آپ کے پاس آئیں (اور علم حاصل کریں) امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تو ایک بات ہوئی، دوسری بتاؤ، اس نے کہا کہ آپ میرے بچوں کو اپنی کتاب "السنن" پڑھائیں، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، تیسری بات بتاؤ، اس نے کہا کہ آپ میرے بچوں کو "السنن" (کتاب) علیحدہ پڑھائیں، کیونکہ خلفاء کی اولاد عام لوگوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتی، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ علم کے حصول میں اعلیٰ اور ادنیٰ سب برابر ہیں۔ جابر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس کے بچے آتے اور مجلس میں بیٹھتے تھے اور امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ ان کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان پردہ لٹکاتے اور وہ عام لوگوں کے ساتھ حدیث کا سماع کرتے تھے۔ (الامام ابوداود ومکانة کتابه السنن)

منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) عتبہ بن ابی سفیان نے اپنے بچوں کے استاذ سے کہا کہ:

''اے عبد الصمد! سب سے پہلے تم اپنی اصلاح کرو، کیونکہ بچوں کی نظریں تم پر مرکوز ہوتی ہیں، پس جو چیز تمہاری نظر میں اچھی ہوگی وہ ان کی نظر میں بھی اچھی ہوگی اور جو چیز تمہاری نظر میں بری ہوگی وہ ان کی نظر میں بھی بری ہوگی اور ان بچوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دو، اور اس پر ان کو مجبور بھی نہ کرو کہ وہ ملول خاطر ہو جائیں اور نہ ان کو یوں ہی چھوڑ دو کہ اس کو چھوڑ ہی دیں اور ان کے سامنے اچھے اشعار اور عمدہ باتیں بیان کیا کرو اور جب تک ایک علم پختہ نہ ہو جائے دوسرے کی تحصیل میں نہ لگو، کیونکہ کلام کا ازدحام قوتِ سماعت پر فہم کو کھو دیتا ہے اور میرے سامنے ان کو تادیب اور تنبیہ کرو اور ان کے لیے مہربان طبیب کی طرح

ہو جاؤ جو بیماری جاننے کے بعد ہی دوا تجویز کرتا ہے اور ان بچوں سے بادشاہوں کے حالات و واقعات بیان کرو اور عورتوں کی باتوں سے ان کو بچاؤ اور میرے عذر پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ میں نے تمہاری کفایت پر بھروسہ کیا ہے اور ان بچوں کی تربیت میں اضافہ کے ساتھ مجھ سے بھی اضافہ طلب کرو میں ان شاء اللہ اضافہ کر دوں گا۔ (نصيحة الملوك ص ۱۷۲)

اس کے بعد امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ استاذ کے انتخاب کی ضرورت اور اہمیت کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پھر ضروری ہے کہ بچوں کے لیے اُسی طرح معلم اور استاذ کے انتخاب میں خوب جدوجہد کرے جس طرح ان کے لیے والدہ اور دایہ (دودھ پلانے والی عورت) کا انتخاب کیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اہتمام کرے۔ کیونکہ بچہ اپنے استاذ سے اخلاق و عادات اور آداب اپنے باپ کی بہ نسبت زیادہ سیکھتا ہے، اس لیے کہ وہ اس کے پاس زیادہ بیٹھتا ہے اور اس کے پاس پڑھنے پڑھانے کا زمانہ زیادہ طویل ہوتا ہے، اور بچہ کو استاذ کی پیروی اور حکم کی بجا آوری کا بھی حکم دیا جاتا ہے۔ اس بناء پر ضروری ہوا کہ صرف معلم کے حصول پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ دیکھا جائے کہ وہ قرآن کا قاری ہو، لغت کا حافظ ہو یا اشعار کا راوی اور ناقل ہو اور اس کے علاوہ وہ متقی پرہیزگار، دیندار اور پاک دامن اور عمدہ اخلاق کا حامل ہو اور بادشاہوں کے اخلاق و آداب سے واقف ہو اور اصولِ دین اور فقہ کا جامع ہو، ہم نے جتنی باتیں ذکر کی ہیں وہ سب اس میں موجود ہوں تو بہت بہتر ورنہ تقویٰ پرہیزگاری، اور دین اور فقہ کا علم تو اسے ضرور حاصل ہو۔ (نصيحة الملوك ص ۱۷۰)

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''بچوں کی اصلاح مکتب میں ہوتی ہے اور رہزنوں (ڈاکوؤں) کی اصلاح جیل خانوں میں ہوتی ہے اور عورتوں کی اصلاح گھروں میں ہوتی ہے۔''

(الطبقات الكبرى ص ۹۱)

آج کل اسلام کے دشمن، مسلمانوں کے بچوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے الحادی حربے

استعمال کر رہے ہیں اور انہوں نے ان بچوں کی بربادی کے لیے یلغار کر دی ہے، چنانچہ ان دشمنوں نے مسلمان بچوں کے لیے کافر اور فاسق و فاجر معلّمین کا انتخاب کیا ہے اور ان کے لیے عصری سکول تیار کیے ہیں جو ان بچوں کو اللہ کے دین سے دور رکھتے ہیں اور اس کا سبب مسلمانوں کی جہالت اور نادانی ہے بلکہ یہ ان کی غفلت اور لاپروائی کی مضبوط دلیل ہے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ تو بے تکی اور بے سوچی سمجھی باتیں ہیں اور جو کچھ وہ دشمن ظالم بیان کر دیں وہ بہترین دلیل اور رہنمائی ہے۔

عیسائیوں کے مذہبی پیشوا اصموئیل زویمر نے ۱۹۳۵ء کو جبل زیتون کے پاس شہر القدس میں عیسائی مبلغین کی ایک کانفرنس منعقد کی جو اسلامی ممالک میں اپنے مشنری کام کے لیے پھیلے ہوئے ہیں، اس نے ان مبلغین کی اسلامی ممالک میں پیش آنے والی مشکلات اور اسلامی عقائد کے مقابلہ میں ان کی دشواریوں کو سماعت کرنے کے بعد اپنے اہداف اور مقاصد کو یوں بیان کیا کہ:

”تم لوگوں نے مسلمانوں کے گھرانوں میں ایک ایسی نسل تیار کر دی ہے جنہیں اللہ کے ساتھ تعلق کا کچھ علم نہیں بلکہ وہ اس کو جاننا بھی نہیں چاہتی، اور تم نے مسلمان کو اسلام سے نکال تو دیا (مگر) اسے عیسائیت، میں (ابھی) داخل نہیں کیا۔ اس کے بعد ایک اسلامی نسل پیدا ہوگی جو استعماری قوتوں کے مقاصد کے مطابق عمل کرے گی، اس لیے کہ وہ نسل عظیم کام سرانجام دینے کا اہتمام نہیں کرے گی بلکہ وہ تن آسانی اور کسلمندی کو پسند کرے گی، اس کی دنیا کی دوڑ دھوپ بھی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ہوگی، اس کی تعلیم بھی خواہشات کے پورا کرنے کے لیے ہوگی اور وہ مال و دولت کو خواہشات کے لیے جمع کرے گی اور اعلیٰ عہدے پر بھی پہنچ کر خواہشات کی راہ پر چلے گی غرضیکہ وہ ہر چیز کو اس غرض سے حاصل کرے گی کہ اس سے خواہشات پوری کی جائیں۔“

(حذور البلاء ص ۲۷۵)

عیسائی پادری کی یہ باتیں ۱۹۳۵ء کی ہیں، اب جبکہ پچاس سال گزر چکے ہیں، کیا حال ہو چکا ہوگا؟ ایک اور کینہ پرور مستشرق ''جیب'' جو کہ قاہرہ میں مجمع اللغۃ العربیۃ کا رکن بھی ہے، اپنی کتاب "الی أین یسیر الاسلام؟" کے مقدمہ میں لکھتا ہے، عصری اور صحافتی سکولوں کے ذریعہ تعلیمی اور ثقافتی سرگرمی اب اس بات کی طاقت اور قدرت رکھتی ہے کہ مسلمانوں میں ایسے اثرات چھوڑے کہ جوان کو ایک حد تک لادین بنا دے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سلسلہ میں مغرب کی کوششوں کو عالم اسلامی کی تہذیب پر اثرات ڈالنے کا بڑا دخل ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام بحیثیت عقیدہ تو اپنی اہمیت اور غلبہ کو ابھی تک نہیں کھوسکا البتہ اجتماعی زندگی پر اپنی قوت وغلبہ کی حیثیت کو کھو چکا ہے۔ (تجربۃ التربیۃ الاسلامیۃ)

شیخ علامہ محمد خضر حسین رحمۃ اللہ علیہ (سابق شیخ الازھر) امت اسلامیہ کو ڈراتے ہیں اور انہیں نصیحت کرتے ہیں اور ''تبلیغی سکولوں میں مسلمانوں کی اولاد'' کے عنوان پر والدین کو اس کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: کون ہے جو اپنی اولاد کے لیے اچھی زندگی اور اچھی پرورش کی قدرت رکھتا ہے کہ اس کی اولاد اس طرح پرورش پائے کہ وہ اولاد دل کی صاف اور زبان کی پاک ہو اور اپنے خاندان کی دوست ہو اور امت کی شان بلند کرنے والی ہو! لیکن اس کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے کہ اس کی اولاد اچھے ثمرات پیدا کرے، کیونکہ وہ اپنی اولاد کو، جو کہ پاکیزہ فطرت ہوتی ہے، ایسے ماحول میں ڈال دیتے ہیں جس ماحول کے ذمہ داران ایسے لوگ ہیں جنہیں کسی عہد و پیمان کی کچھ پرواہ نہیں ہے اور جو اس کی اولاد کو غلط اور بے بنیاد باتیں سکھاتے ہیں اور ان کے اندر برائی کا بیج بوتے ہیں جس کا نتیجہ تکلیف دہ ہی نکلتا ہے، یہ اس مسلمان کی مثال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اولاد اس لیے عطا کی تھی کہ اسے راہِ راست پر چلائے اور اسے معاشرہ کا مفید اور کارآمد فرد بنائے کہ قوم کی خوشحالی پر خوش ہو اور بدحالی پر رنجیدہ ہو، لیکن وہ اسے ان سکولوں میں بھیج دیتا ہے جن کی بنیاد ہی دین دشمنی اور اسلامی جذبات کو کچلنے اور ختم کرنے پر رکھی گئی ہے، یعنی وہ اسکولز جو ہمارے ملکوں میں تبلیغی تنظیموں کے نام پر کام کرتے ہیں۔ جو والدین اپنے بچہ کو ایسے سکولز میں پھینک جاتے ہیں ان

کا یہ جرم ان لوگوں کے جرم سے کم نہیں ہے جو مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے ہیں۔
کیا اس بات پر کوئی ثبوت یا دلیل موجود نہیں ہے کہ ان سکولوں میں تعلیمی امور کے ذمہ داران مسلمانوں کے بچوں کو غیر اسلامی عقائد کی تعلیم دیتے ہیں اور ان بچوں کو اپنی رسوم وروایات کے اپنانے پر آمادہ کرتے ہیں اور مؤثر طریقوں سے ان بچوں کے ذہن میں دین داسلام کے خلاف اعتراضات اور طعن وتشنیع کرتے ہیں، بلکہ اس میں وہ لوگ بھی ان بچوں کی طرح ہیں جو دینی حقائق سے اس قدر واقف نہیں ہیں کہ جس سے وہ ان لوگوں کے دھوکہ دفریب سے خود کو بچا سکیں۔ جو لوگ اپنے بچوں کو ایسے سکولوں میں پھینک آتے ہیں وہ صرف ایک انسان کو قتل کرنے کے برابر جرم نہیں کرتے بلکہ وہ خلق کثیر کو قتل کرنے کے برابر جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، جس کے اثرات پوری امت پر پڑتے ہیں، میں یہ بات از راہِ مبالغہ نہیں کہہ رہا ہوں، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہی بچہ بعد میں استاذ بنتا ہے، اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کے دینی اور وطنی امور کو بگاڑنے کا سبب بنتا ہے جس طرح اس پادری نے اس کے دینی اور وطنی امور کو اس کے لیے بگاڑ دیا تھا۔ بلکہ بعض اوقات ایسے سکولوں سے فارغ ہونے والے طلباء مسلمان قوم کے سربراہ بنتے ہیں جن میں دھوکہ فریب اور دین کا ایسا عدم احترام موجود ہوتا ہے جو دوسرے میں نہیں ہوتا جس کی پرورش غیر اسلامی طرز پر ہوئی ہو۔

ایسا ممکن ہے کہ طالب علم ان سکولوں سے علم تو حاصل کر لے گا لیکن اس نے جو علم حاصل کیا ہوگا وہ اس کے دینی خسارے اور اخلاص کے فقدان کے برابر نہیں ہوسکتا، درحقیقت وہ (اسکولز) نفسانی خواہشات کا گڑھ ہیں جو انسان کو اس پر ابھارتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر ایسی جگہ پر لے جائیں جہاں وہ اپنی قوم کی حقارت اور دین پر طعن وتشنیع کا مشاہدہ کرتا ہے، اس سے پہلے وہ بچے دل کے صاف اور پاک ہوتے ہیں، لیکن وہاں کچھ عرصہ کے بعد ان کی حالت بدل جاتی ہے کہ پاکی کی جگہ ناپاکی اور صفائی کی جگہ گندگی آجاتی ہے اور انجام وہی ہوتا ہے جو ہم ان سکولوں سے فارغ التحصیل طلباء کی زبانی سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے کہ چند دن پہلے میں دمشق میں تھا کہ ایک شخص جو فوج میں اعلیٰ منصب پر فائز تھا، میرے پاس آیا اور اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا، جسے وہ تہذیب اسلامی سکول میں داخل کروانے آیا تھا، اس آدمی نے مجھ سے یہ ذکر کیا کہ اس نے اپنے بچہ کو ایک غیر ملکی سکول میں داخل کرادیا تھا لیکن ان لوگوں نے اس کے عقیدوں کو خراب کر دیا اور صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اب وہ لوگ مجھے بھی اور اس کی والدہ کو بھی عیسائیت کی طرف دعوت دے رہے ہیں، پھر وہ شخص تہذیب اسلامی سکول کے پرنسپل کی طرف متوجہ ہوا، اس کی حالت یہ تھی کہ وہ پریشانی اور پشیمانی سے دوچار تھا، اس نے اس سے کہا کہ اس لڑکے کی باطنی اصلاح کر دیجئے اور اسلام کی خوبیاں اسے بتایئے تاکہ اس کا قلب صاف ہو جائے۔

چوتھا اصول:

عربی زبان سیکھنے میں مہارت پیدا کرنا

عربی زبان تمام علوم کے لیے کنجی کی حیثیت رکھتی ہے۔ بچوں کو اس زبان پر جتنی گرفت اور مہارت ہوگی اتنی ہی اس کے علم میں قوت پیدا ہوگی اور اس علم کو سیکھنے میں دلچسپی ہوگی اور اسے حاصل کرنے کی رغبت ہوگی۔

عربی زبان، قرآنِ کریم اور حدیث مبارک کی زبان ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے اس کے سیکھنے کی ترغیب دلائی ہے اور بچوں کی نشوونما میں اس کی تعلیم پر توجہ دلائی ہے۔

اسی بناء پر آپ ﷺ نے عربی زبان سیکھنے کو اسیرانِ بدر کا فدیہ قرار دیا کہ مسلمانوں کے بچوں کو عربی زبان سکھا دیں یہی ان کا فدیہ ہے۔ چنانچہ ہر قیدی نے صحابہ کے دس بچوں کو عربی زبان کی تعلیم دے کر اپنی جان چھڑائی۔

(الروض الانف ۲/ ۹۲، طبقات ابن سعد ص ١٤)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

”بدر کے دن کچھ قیدی ایسے تھے کہ ان کے لیے کوئی فدیہ نہیں تھا تو رسول

اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ وہ صحابہ کرامؓ کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں،
(ابن عباس رضی اللہ عنہما) کہتے ہیں کہ انصار کا ایک بچہ اپنے باپ کے پاس شکایت لایا
کہ میرے استاذ نے مجھے مارا ہے تو باپ نے کہا کہ بڑا خبیث ہے، بدر کا بدلہ
لیتا ہے، خدا کی قسم! اب تم اس کے پاس کبھی نہیں جاؤ گے۔"

(مستدرك الحاكم ٢ / ١٤٠)

بچہ سے جب بھی کوئی غلطی ہو جاتی تو صحابہ کرام فوراً اس پر متوجہ ہوتے:
"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا چند بچوں کے پاس سے گزر ہوا، دیکھا کہ وہ تیر
اندازی کر رہے ہیں، اس دوران کسی سے لفظی غلطی ہوئی کہ مرفوع کی جگہ کلمہ کو
منصوب پڑھ دیا اور اس نے کہا کہ امیر المومنین! ہم سب طالب علم ہیں، آپ
نے فرمایا کہ خدا کی قسم! تمہارا تیر اندازی میں غلطی کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند
ہے کہ تم اپنی زبان میں غلطی کرو۔"

جب مسلمانوں کے بچوں کی غلطیاں حد سے بڑھنے لگیں اور وہ عربی زبان کے قواعد و
ضوابط کی پابندی سے نکلنے لگے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے علماء کو قواعد کے مرتب کرنے اور
بچوں کو قواعد سکھانے پر مامور کیا کہ کہیں زبان کی گنجلک پن کا مسئلہ سنگین نہ ہو جائے۔

چنانچہ مروی ہے کہ ابوالاسود الدؤلی کی بیٹی نے ایک دن باپ سے کہا کہ "ما احسن
السماء" باپ نے کہا یعنی آسمان کے ستارے کس قدر خوبصورت ہیں؟ بیٹی نے کہا کہ میری
مراد یہ نہیں ہے بلکہ میری مراد آسمان کی عظمت کو بیان کرنا ہے، آسمان میں جو چیزیں ہیں اس
کے متعلق دریافت کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ اب اس بیٹی کو چاہیے کہ "ما احسن" کہتیں،
ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو متوجہ کیا اور ساری بات بتائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند
اوراق لیے اور ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ کو نحو کے قواعد جمع کرنے کا حکم دیا۔

(شرح زيني دحلان لمتن الآجرومية)

سلف صالحین بھی بچوں کو عربی زبان سکھانے کا اہتمام کرتے اور انہیں اس کی نصیحت

کرتے تھے اس لیے کہ عربی زبان تمام علوم کے لیے کنجی کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے عبد الملک بن عبد العزیز بن ابی سلمہ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

''میں (ایک دن) منذر بن عبد اللہ الجزامی کے پاس آیا، ابھی میں نو عمر تھا، جب میری ان سے گفتگو ہوئی تو وہ جھوم اٹھے کہ اس قدر فصیح گفتگو ہے، پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں نے بتایا کہ میرا نام عبد اللہ بن عبد العزیز بن ابی سلمۃ ہے، پھر انہوں نے کہا کہ علم حاصل کرو، کیونکہ تمہارے اندر اس کی بڑی صلاحیت موجود ہے۔'' (جامع بیان العلم وفضله ١/٨٦)

امام شافعی رحمہ اللہ کی پرورش بھی بچپن میں اسی طرح ہوئی کہ وہ عرب کے قبائل میں رہ کر عربی زبان سیکھتے اس لیے دیگر علماء کے مقابلہ میں زیادہ فصیح اللسان اور عمدہ طریقہ سے عربی زبان بولنے والے تھے۔ ابن سینا رحمہ اللہ اپنی کتاب ''السیاسۃ'' میں باب سیاسة الرجل ولده کے تحت لکھتے ہیں کہ: مناسب ہے کہ بچہ رجز (اشعار) سیکھے، پھر عقیدہ کو سیکھے، رجز کی روایت اور اس کو یاد کرنا اس کے لیے بہت آسان ہے، اس لیے کہ رجز کے بیوت اور اوزان کم اور ہلکے ہیں، علاوہ ازیں ایسے اشعار کا انتخاب کرے جو ادب کی فضیلت، علم کی تعریف اور جہالت کی مذمت اور والدین کی فرمانبرداری کی ترغیب اور نیکی کے کرنے اور مہمان کی مہمان نوازی پر مشتمل ہوں، جب بچہ حفظ قرآن سے فارغ ہو جائے اور لغت کے اصول سے واقف ہو جائے تو اس وقت اس چیز کی طرف غور کیا جائے جو اس کی طبیعت اور استعداد کے موافق ہو۔''

ابوالحسن الماوردی رحمہ اللہ بچوں کے لیے عربی زبان کی تعلیم اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

''جب بچہ تعلیم و تادیب کے قابل ہو جائے تو سب سے پہلے قرآن کی تعلیم اور عربی زبان سکھائی جائے، اس لیے کہ عربی زبان وہ زبان ہے جس میں

اللہ نے اپنی کتاب کو نازل کیا اور دین وملت کے تمام احکام وفرائض میں عربی زبان ہی سے مخاطب کیا اور اسی زبان میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث کو (امت تک) پہنچایا اور اسی زبان میں دینی اور حکمت پر مبنی کتابیں تالیف کی گئیں اور اسی زبان میں وہ پیغامات لکھے گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان معاہدے قرار دیا ہے، لہٰذا اس دین وملت میں پرورش پانے والے بچہ کے لیے اس زبان کا سیکھنا بہت ضروری ہے ورنہ وہ دین سے ناواقف اور ملتوں میں کم ورجہ ہوکر رہ جائے گا۔''

''علاوہ ازیں اس زبان کو جو فضیلت حاصل ہے وہ دوسری زبانوں کو حاصل نہیں ہے یعنی اس زبان میں جو فصاحت و بلاغت، بیان وزبان کی تابناکی اور سماعت کی شیرینی، الفاظ کی وسعت، تصریفات کی کثرت، نحوی قیاسات کا احتمال، قلت وکثرت کے درمیان حروف کا اعتدال، اور دیگر صفات موجود ہیں وہ دوسری میں نہیں، کہ اگر تم یہ زبان حسن کے اظہار کے لیے سیکھو گے اور ادب سیکھنے کے لیے اس سے استفادہ کرو گے تو اس کی وجہ سے تمہارا ایک مقام ہوگا، اسی لیے عجم کے بادشاہ یہ زبان سیکھتے تھے اور بہت سے لوگ اپنی محافل میں اس کا استعمال کرتے ہیں۔''

امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ، ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی توثیق کرتے ہیں کہ عربی زبان کی انتہائی آسان کتب کا انتخاب کیا جائے، زبان کی تعلیم کی صورت یہ ہے کہ آسان سے آسان تر کو اختیار کیا جائے، لہٰذا آسان اور سہل ترین عربی کتابوں کو منتخب کیا جائے، نیز بچوں کو نامانوس اور غریب الاستعمال کلمات اور نحو کے دقائق اور عروض کی کتابوں میں مشغول نہ کیا جائے، کیونکہ اس سے وہ معانی اور مقاصد سے غافل ہوں گے، بچے الفاظ کو معرفت کے ساتھ سیکھیں، جب انسان اپنی ساری زندگی الفاظ ہی سیکھنے میں صرف کردے ان کی حقیقت کی معرفت حاصل نہ کرے تو وہ معانی اور مقاصد سے محروم ہوجاتا ہے، ہاں البتہ اگر یہ چیز بطورفن کے ہو

تو اور بات ہے جیسے ادباء، معلّمین اور نحویین حضرات ہوتے ہیں۔

زبان کے سیکھنے میں عرب کے اشعار اور ان کے حالات واقعات سے بھی مدد حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں درست تدبیر یہ ہے کہ وہ ایسے اشعار سیکھے اور یاد کرے جن میں حکمت و دانائی کی باتیں، دین، توحید اور علم و زہد، شجاعت و جود و سخا اور اچھے اخلاق کا ذکر موجود ہو، تا کہ اس کی پرورش اس طرح ہو کہ اسے عمدہ باتوں کی پہچان ہو اور عمدہ اوصاف کے حصول کی رغبت بھی ہو اور اس کی عادت اس میں پیدا ہو، اس طرح بہت سے فوائد اس کو حاصل ہوں گے، فصاحت و بیان بھی، ادنیٰ درجہ کا کلام اور بہت سے نامانوس کلمات کی معرفت بھی اور اعلیٰ معانی و مضامین کی واقفیت بھی۔ (نصیحة الملوك ص ١٦٨)

پانچواں اصول:

اجنبی زبان سیکھنے میں مہارت پیدا کرنا

بعد ازیں کہ بچہ اچھے طریقہ سے عربی زبان سیکھ جائے اور کچھ حصہ قرآن وحدیث کا یاد کرلے، پھر کوئی دوسری اجنبی زبان سیکھ لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، تا کہ مسلمان نسل، اعدائے دین کے منصوبوں سے آگاہ ہوسکے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہوسکے، اور خالص مادی علوم کو (بھی) مسلمانوں میں منتقل کرسکے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچنے پر سب سے پہلے یہی کام سرانجام دیا، چنانچہ ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مدینہ پہنچنے پر مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بنونجار کا لڑکا ہے اور اس نے سترہ سورتیں اس قرآن سے پڑھ لی ہیں جو قرآن آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے، پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورتیں پڑھیں تو آپ ﷺ نے بہت پسندیدگی کا اظہار کیا، پھر فرمایا کہ "اے زید! تم میرے لیے یہودیوں کی کتاب (خطوط) سیکھ لو، کیونکہ اللہ کی قسم! وہ میری کتاب (خط) پر ایمان نہیں

رکھتے'' پس میں نے آدھا مہینہ گزرا ہوگا اسے سیکھ کر اس میں خوب مہارت حاصل کر لی، پھر جب آپ ﷺ کچھ لکھوانا چاہتے تو میں آپ ﷺ کے لیے لکھتا تھا اور جب یہودی آپ ﷺ کی طرف خط لکھتے تو میں اسے پڑھتا تھا۔ (رواہ ابوداود والترمذی والحاکم)

ابویعلی اور ابن عساکر اور ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زیدؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ:

''کیا تم سریانی زبان سے اچھی طرح واقف ہو؟ کیونکہ میرے پاس کچھ خطوط آئے ہیں؟'' میں نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم سریانی زبان سیکھو، پس میں نے سترہ دنوں میں سیکھ لی۔ اسی بناء پر سلف صالحین نے بچوں کو عربی زبان کے علاوہ دیگر اجنبی زبانوں کے سیکھنے پر بھی توجہ دی۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستدرك" میں اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "الحلیة" میں عمر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے سو لڑکے تھے، ہر ایک دوسری زبان بولتا تھا، اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ ہر ایک سے اس کی زبان میں بات کرتے تھے اور جب میں ان کے دنیاوی امور کو دیکھتا تھا تو یوں لگتا جیسے انہیں اللہ (دین) کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے اور جب اخروی امور کو دیکھتا تو یوں لگتا ہے جیسے انہیں دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔''

چھٹا اصول:

بچوں کے علمی رجحان کی رعایت رکھنا

اس سے کچھ پہلے یہ بات گزری کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سریانی زبان کو سیکھا اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش کیا، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ میں لغوی میلان اور رجحان موجود ہے اور وہ اس پر قدرت بھی رکھتے ہیں اور سریانی زبان سیکھنے کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش کو پورا بھی کر سکتے ہیں، اس سے ہمیں اس بات کی راہنمائی ملتی ہے کہ ہمیں بھی بچوں کے علمی رجحان اور ذاتی خواہش کا بھی

لحاظ رکھنا چاہیے، کیونکہ اس طرح بچے ازخود علم حاصل کریں گے اور اس میں مہارت اور قابلیت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہم عصروں پر سبقت اور فوقیت لے جائیں گے۔

علمائے سلف نے اس بات کو بھی پُر زور انداز میں بیان کیا ہے۔

دیکھئے! ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: بچہ ہر فن کے حصول کی خواہش نہیں کرتا اور یہ اس کے لیے ممکن بھی نہیں، اس لیے اس کے لیے بہتر اور مناسب یہ ہے کہ وہ اس علم اور فن میں لگے جو اس کی طبیعت کے موافق اور مناسب ہو۔

مروی ہے کہ یونس بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ علم العروض والشعر سیکھنے کے لیے امام خلیل بن احمد الفراھیدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے جاتے تھے لیکن ان پر اس کا حصول دشوار اور مشکل ہوگیا، ایک دن امام خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے (اس کا امتحان لینے کے لیے) پوچھا کہ یہ شعر کس بحر کا ہے،

اذا لـم تستـطـع شيـئـا فـدعــه

وجــاوزه إلــى مــا تستـطيـع

"یعنی جب تم میں کسی چیز کی استطاعت نہ ہو تو اسے ترک کردو اور اس چیز کو اختیار کرو جو تمہاری استطاعت میں ہو۔"

مگر یونس بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ جواب دینے سے قاصر رہے۔ دراصل امام خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے شعر کے دوسرے مصرعہ میں اسے سمجھا دیا کہ وہ کسی اور چیز کے سیکھنے پر توجہ دے، اسے سیکھنا ترک کردے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی آغازِ امر میں فقہ کے سیکھنے اور اس میں تبحر پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے، محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوجاؤ" امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لیے علم حدیث میں مشغول ہونا زیادہ مناسب سمجھا کہ یہ علم ان کے لیے زیادہ لائق تحصیل ہے اور ان کی طبیعت اس کے زیادہ قریب ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استاذ کی فرماں برداری کی اور پھر محدثین کے امام بنے۔

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے بچپن کے زمانہ کے بارے میں بیان کیا ہے

کہ انہوں نے کس طرح اپنے عزم اور قوتِ ارادی سے اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کو حاصل کیا۔

ساتواں اصول:

گھر میں اسلامی لائبریری کا ہونا اور اس کے مفید اور مثبت فوائد

جب بچہ قرآن وحدیث اور عربی لغت سے آشنا ہوجائے تو پھر یہ امر بھی ضروری ہے کہ گھر میں اسلامی وعلمی کتب خانہ (لائبریری) موجود ہو جس سے وہ استفادہ کرسکے اور اس کی نشوونما اسی کے مطابق ہوتی رہے۔

عبد اللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے والد بدیل بن ورقاء نے مجھے ایک کتاب دی اور فرمایا کہ بیٹا! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب ہے، پس میں اس کے متعلق تمہیں نصیحت کرتا ہوں، تم ہمیشہ خیر میں رہو گے جب تک یہ کتاب تم میں موجود ہے...... پھر راوی نے ساری حدیث ذکر کی اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ:

"یہ کتاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی ہے۔"

(الاصابة فی تمییز الصحابة : بدیل بن ورقاء)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے ایک رجسٹر میں بہت سی احادیث جمع کی ہوئی تھیں، ان کے بیٹے سلیمان کو وہ رجسٹر ورثہ میں ملا اور وہ اس سے روایات نقل کرتے تھے۔

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس رجسٹر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سمرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کے نام جو رسالہ بھیجا اس میں بڑا علم موجود ہے۔ (تهذيب التهذيب ٤ / ٣٢٦)

ان باتوں سے اس بات کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے کہ بچوں کی مضبوط بنیاد پر علمی تعمیر و تربیت کے لیے گھر کے اندر مفید اور علمی لائبریری کا ہونا ضروری ہے۔

اسی لیے امام جاحظ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب ادیب کامل اور ماہر ہو اور اس کی میراث میں

بھی جامع اور مفید قسم کی کتابیں ہوں تو اولاد اس سے حظ وافر حاصل کر سکتی ہے، اور وہ اس قابل ہوتی ہے کہ اس سے کچھ سیکھنے میں جلدی کرے، اور اس میراث کو یوں ہی چھوڑے رکھنا غلطی ہے، اور وہ اس لائق ہوتی ہے کہ اس نہج پر ادب کو سیکھے جو اس کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس قابل ہوتی ہے کہ اس سے سیرابی حاصل کرے اور اپنی تشنگی دور کرے اور اس قابل ہوتی ہے کہ کسب کی بجائے کتب کا مطالعہ اور سماعِ علم میں اختلاف کو پڑھے، غرضیکہ وہ کتابیں اس کے لیے کفایت کرتی ہیں اور اس کی ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔"

گھر میں اسلامی لائبریری کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے امام شہید رقمطراز ہیں:

"اور اسی طرح میں یہ بات ذکر کرتا ہوں کہ گھر میں ایک مکتبہ ہو خواہ وہ چھوٹا سا کیوں نہ ہو، اس کی بڑی ضرورت ہے اور اس کی کتابیں، تاریخ اسلامی، اسلاف کے حالات و واقعات، اخلاقیات اور اسلامی فتوحات اور اسفار وغیرہ جیسے مضامین پر مشتمل ہوں، اگر گھر میں اجسام کے علاج کے لیے مطب ضروری ہے تو عقول کی اصلاح کے لیے اسلامی مکتبہ کا ہونا بھی ضروری ہے اور والدین اپنے بچوں سے فحش قسم کا لٹریچر دور رکھیں لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ انہیں سختی کے ساتھ روکے کہ اس سے تو ان کے شوق اور شغف میں اور اضافہ ہوگا بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان بچوں کو اس کے بدلہ میں مفید کتابیں پڑھنے کو دیں اور انہیں اس اچھے پہلو کی طرف مائل کریں۔"

آٹھواں اصول:

علمائے سلف کے بچپن کے واقعات

قصہ گوئی، بچوں کے جذبات کو متحرک کرنے اور ان کی فکری بیداری کو اجاگر کرنے میں بڑا اہم رول اور کردار ادا کرتی ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم بھی ہے کہ قصہ گوئی، تربیت اطفال کے سلسلہ میں نبوی ذرائع و وسائل میں سے بھی ایک وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ (فصل خامس میں

اس کا ذکر آئے گا) نیز بچوں کے علمی مستقبل کے حوالہ سے ان کی تشحیذِ اذہان کے لیے ایک قوی رکن اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے ہم ایسے نمونے پیش کرتے ہیں تا کہ بچوں کی اس کے مطابق راہنمائی کی جاسکے۔ قرآن و حدیث کے حفظ کے سلسلہ میں بچپن کے عجیب واقعات ذکر کیے جاتے ہیں، اس سے پہلے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طلب علم کا واقعہ بیان ہو چکا ہے، اب مزید واقعات بیان کیے جاتے ہیں:

❶ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ:

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن نضر الھلالی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں موجود تھا کہ سفیان بن عیینہ کی نظر ایک بچہ پر پڑی جو مسجد میں داخل ہو رہا تھا، حاضرین مجلس نے اسے کم عمری کی وجہ سے کوئی اہمیت نہیں دی، تو سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ [النساء: ٩٤]

پھر کہا کہ اے نضر! جب میری عمر دس برس کی تھی اس وقت تم مجھے دیکھتے تو میرا قد پانچ بالشت کا تھا اور چہرہ دینار کی طرح تھا اور میں آگ کے شعلہ کی طرح (سرخ) تھا، میرے کپڑے اور آستینیں چھوٹی اور کپڑے کا دامن مختصر تھا، اور میرے جوتے چوہے کے کان کی طرح تھے، میں اس وقت علمائے امصار کے پاس آتا جاتا تھا جیسے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ، امام عمرو بن دینار وغیرہ، میں ان کے درمیان یوں بیٹھتا جیسے کیل گڑھا ہو، میری دوات اخروٹ کی مانند اور قلم دان کی طرح اور قلم بادام جیسا تھا، اور جب میں ان کی مجلس میں جاتا تو وہ کہتے کہ شیخ صغیر (ننھے بزرگ) کے لیے مجلس کو کشادہ کرو۔ (راوی) کہتے ہیں کہ اس کے بعد سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور ہنسے۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ (راوی) کہتے ہیں کہ میرے والد بھی مسکرائے اور ہنس دیئے۔ (الكفاية في علم الرواية ص ١١٢)

❷ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ:

مطرف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ

میں بھی علم سیکھنے جاؤں گا۔ والدہ نے کہا کہ ادھر آؤ، علم کا لباس پہن لو، چنانچہ والدہ نے اونچے کپڑے پہنائے اور سر پر کالی لمبی پٹی باندھ کر اس پر پگڑی باندھ کر کہا کہ اب جاؤ اور لکھو: اور وہ کہتی تھیں کہ ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاؤ اور علم سے پہلے ان سے ادب سیکھو۔ (الدیباج المذھب)

ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کرتا تھا، اس وقت نوعمر لڑکا تھا، وہ مجھ سے حدیث بیان کرتے اور وہ مسجد میں صبح کے بعد بیٹھتے تھے کوئی ان کے پاس نہیں آتا تھا۔ (التعلیق الممجد علی موطأ محمد ۱/۲۳۹)

3 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس مال نہیں تھا، اور میں نوعمری میں ہی علم حاصل کیا کرتا تھا، اس وقت عمر تیرہ برس کی تھی، اور میں دیوان کو لے کر لکھ لیتا تھا۔

(صفحات من صبر العلماء ص ۵۵)

بویطی رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ امام مالک کی مجلس میں بیٹھے تھے اور ابھی وہ نوعمر لڑکے تھے کہ ایک آدمی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان سے فتویٰ طلب کیا، اس آدمی نے کہا کہ میں نے تین طلاقوں کی قسم کھائی ہے کہ یہ بلبل صبح سے خاموش نہیں ہوئی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم حانث ہوگئے ہو۔ پھر وہ شخص چلا گیا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کسی صاحب (شاگرد) کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ یہ فتویٰ درست نہیں دیا گیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی خبر ہوئی اور وہ بڑے بارعب تھے، کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ ان کی بات کو رد کرے، بسا اوقات پولیس کا افسر بھی آتا تو وہ بھی کھڑا رہتا جب تک آپ مجلس میں بیٹھے ہوتے۔ بہر حال! انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دیا کہ یہ لڑکا کہتا ہے کہ یہ فتویٰ درست نہیں ہے اور اس میں غفلت ہوگئی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ تم یہ بات کیسے کہتے ہو؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ہمیں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ نقل نہیں کیا تھا کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ ابوجہم اور معاویہ دونوں نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے، (اس پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اُتارتا نہیں ہے اور معاویہ نادار ہیں، ان کے پاس کچھ بھی مال نہیں ہے'' کیا ابوجہم کی لاٹھی ہر وقت اور ہمیشہ ان کے کندھے پر رہتی تھی؟ ظاہر ہے کہ اس سے آپ کی مراد یہی تھی کہ اکثر و بیشتر حالات میں ان کی لاٹھی کندھے پر رہتی ہے، (یہ سن کر) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ پہچان لیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ سے جانے لگا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میں رخصت ہو رہا ہوں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے رخصت ہوتے وقت مجھے فرمایا: ''اے لڑکے! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا، اور اس نور کو بجھنے نہ دینا جو اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے یعنی علم کے نور کو معاصی کے ذریعہ نہ بجھانا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (حياة الحيوان الكبرىٰ ١/١٥٦)

4 امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن ہی میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا، اور قراءت اور کتابت سیکھنے کے بعد دیوان کی طرف متوجہ ہوئے، آپ لکھتے جاتے اور اپنے دل میں کہتے جاتے کہ ''میں چھوٹا سا لڑکا تھا، مکتب میں آتا جاتا تھا، پھر دیوان لکھنے کے لیے آتا جاتا ہوں، اور میری عمر چودہ سال ہے۔ بچپن میں ہی آپ پر نجابت و شرافت اور رشد و ہدایت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ کسی ادیب نے کہا کہ میں اپنے بچوں پر خرچ بھی کرتا ہوں اور ادب سکھانے کی خاطر انہیں معلّمین کے پاس بھی لاتا ہوں مگر مجھے کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے، لیکن یہ یتیم لڑکا احمد بن حنبل ہے، اس کو تو بھلا دیکھو؟ وہ آپ کے حسن ادب وطریق سے تعجب کیا کرتا۔ (رجال الفكر والدعوة ص ١٠٥)

5 امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کیا کرتا تھا، اس وقت میرے پاس بہت کم پیسے تھے اور میرا حال اچھا نہ تھا، ایک دن میرے والد آئے، اس وقت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا، جب وہ آئے تو میں ان کے ساتھ چلا گیا، والد

صاحب نے کہا کہ بیٹا! ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے آگے پاؤں دراز نہ کرو، اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روٹیاں تو پکی ہوئی ہیں اور تمہیں کسب و معاش کی ضرورت ہے، پس میں نے زیادہ علم حاصل کرنے میں تقصیر کی اور اپنے والد کی اطاعت کو ترجیح دی، پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے تلاش کیا اور میرے بارے میں پوچھا، پھر میں نے ان کی مجلس میں آنے کا عہد کیا، جب پہلے دن آیا تو کچھ تاخیر سے پہنچا تو امام صاحب نے پوچھا کہ کیا مصروفیت ہوگئی تھی؟ میں نے کہا کہ حصولِ معاش میں مصروف تھا، اور والد صاحب کی اطاعت میں مشغول تھا، پھر میں بیٹھ گیا، جب سب لوگ چلے گئے تو مجھے ایک تھیلی دی اور کہا کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ، میں نے کھول کر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے، پھر فرمایا کہ مجلس میں لازمی آیا کرو، اور جب یہ پیسے ختم ہوجائیں تو مجھے بتا دینا، پھر میں نے پابندی سے مجلس میں آنا شروع کردیا، کچھ عرصہ گزرا تھا کہ امام صاحب نے سو درہم کی ایک اور تھیلی مجھے دے دی۔ اس کے بعد وہ میری دیکھ بھال کرتے رہے، اور میں نے انہیں کبھی نہیں بتایا کہ تھیلی ختم ہوگئی یا کچھ نہیں ہے، جیسے کوئی ان کو پہلے ہی بتا دیتا ہو کہ اب ختم ہوگئی ہے، یہاں تک کہ میں مالدار ہوگیا۔

امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش کے سلسلہ میں ایک اور روایت منقول ہے:

علی بن الجعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ میرے والد ابراہیم بن حبیب فوت ہوئے اور بچپن میں ہی مجھے ماں کی گود میں چھوڑ گئے، میری ماں نے ایک دھوبی کے حوالے مجھے کردیا کہ میں اس کی خدمت کیا کروں، میں اس دھوبی کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں چلا جاتا تھا کہ وہاں بیٹھ کر علم کی بات سنوں، میری والدہ میرے پیچھے آتیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر واپس اس دھوبی کے پاس لے جاتیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میری حاضری اور علم کی حرص کو دیکھ کر میرا خیال رکھتے تھے، لیکن جب اس دھوبی کے پاس سے میرا بھاگنا زیادہ ہوگیا اور میری والدہ پر گرانی ہونے لگی تو والدہ نے امام صاحب سے کہا کہ یہ یتیم بچہ ہے اسے کیوں خراب کرتے ہو اور میں سوت کات کات کر اسے کھانا کھلاتی ہوں، اور میری آرزو ہے کہ یہ کچھ پیسے کما کر اپنے اوپر خرچ

کرلے، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا کہ تم جاؤ اے رعنا! (لمبی ناک والی) یہ بچہ جب دین سیکھ لے گا تو فالودہ کھائے گا پستہ کے روغن کے ساتھ۔ پھر میری والدہ یہ کہتی ہوئی واپس ہوگئیں لگتا ہے کہ اس بوڑھے کی عقل ختم ہوگئی۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ، اس کے بعد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہا اور وہ اپنے مال سے میرا خیال بھی رکھتے تھے، انہوں نے میری کوئی ضرورت نہیں چھوڑی (یعنی ہر ضرورت پوری کی) پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے علم کے ذریعہ نفع دیا، یہاں تک کہ میں عہدۂ قضاء پر فائز ہوا اور ہارون الرشید کے پاس اٹھنے بیٹھنے لگا اور اس کے ساتھ دستر خواں پر کھانے لگا، ایک دن ایسا ہوا کہ ہارون الرشید کے سامنے فالودہ پیش ہوا، ہارون الرشید نے مجھ سے کہا: اے ابویعقوب! فالودہ کھاؤ، ہر روز اس طرح کی چیز ہمارے لیے نہیں بنائی جاتی، میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! یہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ فالودہ ہے پستہ کے روغن کے ساتھ، یہ سن کر میں ہنس دیا، اس نے مجھ سے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ بس ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو زندگی دے، انہوں نے کہا کہ نہیں، تمہیں اس کی وجہ بتانی ہوگی، جب ہارون الرشید نے اصرار کیا تو میں نے ان کو سارا واقعہ سنادیا، سن کر وہ متعجب ہوئے، اور کہنے لگے کہ مجھے اپنی عمر کی قسم! بلاشبہ علم انسان کے دین و دنیا کو بلند بھی کرتا ہے اور نفع بھی دیتا ہے، پھر انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے رحمت کی دعا کی اور کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی عقل کی نظر سے وہ کچھ دیکھ لیتے تھے جو وہ اپنی سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ (صفحات من صبر العلماء)

6 امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ:

خطیب بغدادیؒ نے مجاشع بن یوسف کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں مدینہ منورہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو مسائل بتا رہے تھے کہ اتنے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد محمد بن الحسن آ گئے، اس وقت وہ نوعمر لڑکے تھے، اور یہ ان کے موطأ کے سماع سے پہلے کا واقعہ ہے۔ محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ ایسے جنبی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جسے پانی مسجد ہی میں دستیاب ہوتا ہو؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا

کہ جنبی آدمی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پھر وہ کیا کرے جبکہ نماز کا بھی وقت ہوگیا ہو اور وہ پانی کو دیکھ رہا ہے؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بار بار یہی فرماتے رہے کہ جنبی آدمی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جب انہوں نے اصرار کیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ تم ہی بتاؤ وہ کیا کرے؟ محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ تیمم کر کے مسجد میں داخل ہو اور پانی لے کر مسجد سے باہر آجائے پھر غسل کرلے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تم نے یہ مسئلہ کہاں سے اخذ کیا؟ انہوں نے کہا کہ اس زمین کے رہنے والوں سے، پھر وہ اٹھ کر چلے گئے، لوگوں نے بتایا کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد محمد بن حسن تھے۔ امام مالک نے فرمایا کہ محمد بن الحسن کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ جب کہ اس نے بتایا ہے کہ وہ مدینہ کا باشندہ ہے، لوگوں نے کہا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ مدینہ کا رہنے والا ہے بلکہ انہوں نے اس زمین کی طرف اشارہ کیا تھا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے لیے یہ بات اس سے زیادہ اہم ہے۔

(بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲)

7 امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ:

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ حصولِ علم کے آغاز میں پیش آنے والی مشکلات اور ان پر صبر و برداشت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"میں حصولِ علم کی حلاوت میں ایسی مشکلات جھیلتا تھا جو میرے لیے شہد سے زیادہ شیریں ہوتیں، میں زمانۂ بچپن میں اپنے ساتھ چند سوکھی روٹیاں لے لیتا اور طلب حدیث کے لیے نکل جاتا، اور (بغداد میں) نہرِ عیسیٰ کے پاس بیٹھ جاتا، اور میں وہ روٹیاں پانی کے ساتھ ہی کھاسکتا کہ ایک لقمہ کھا کر اس پر پانی پی لیتا، اور میں اپنے اندر تحصیل علم کی لذت اور چاشنی محسوس کرتا تھا، اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ میں کثرتِ سماعِ حدیث کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و آداب اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے احوال سے واقف ہوگیا۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کسی ایک فن کے سیکھنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ میں فقہ و حدیث کے

سماع کے ساتھ زاہدین کے پاس بھی جاتا تھا، پھر میں نے لغت پڑھی، اور میں نے ایسا کوئی شخص نہیں چھوڑا جو روایت یا وعظ کرتا ہو مگر اس کی مجلس میں حاضر ہو کر فضائل کو چُنتا تھا، اور مَیں سماعِ حدیث کے لیے مشائخ کی خدمت میں بھی آتا جاتا تھا، اور میری صبح و شام اس حال میں گزرتی تھی کہ میرے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا، اللہ نے کسی مخلوق کے سامنے مجھے کبھی ذلیل نہیں کیا، اگر میں اپنے حالات کی وضاحت کروں تو بات لمبی ہو جائے گی۔'' (صفحات من صبر العلماء ص ٧٦)

8 امام ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ:

ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر جب دس سال کی ہوئی تو وہ قرآنِ عزیز، ادب اور اصولِ دین میں سے بہت سی چیزیں حفظ کر چکے تھے، اسی طرح حساب، الجبرا اور علم مقابلہ میں مہارت حاصل کر چکے تھے، اس کے بعد انہوں نے علم منطق، اقلیدس، اور علم الہندسہ اور علم الافلاک میں پختگی حاصل کی اور اپنے شیخ (حکیم ابو عبد اللہ الناتلی) سے کئی درجے برتری حاصل کر لی، اس کے باوجود وہ فقہ کے لیے اسماعیل الزاہد کے پاس آتے جاتے رہے، اور پھر طبیعات اور علم الٰہیات کی تحصیل میں مشغول ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر علوم کے ابواب کھول دیئے، اس کے بعد علم الطب میں دلچسپی لی اور اس فن میں تصنیف کردہ کتب کا غور سے مطالعہ کیا اور اسے سیکھنے کی غرض سے پڑھا نہ کہ پیشہ کی غرض سے، یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں علم الطب کے میدان میں سب پر سبقت لے گئے اور اس فن میں عدیم النظیر اور فقید المثال بنے، فن طب کے فضلاء اور کبراء آپ کے پاس آنے جانے لگے، اور آپ سے اس فن کے انواع پڑھنے لگے اور آپ کے معالجاتی تجربات سے مستفید ہونے لگے، اس وقت ان کی عمر سولہ سال کے لگ بھگ ہوگی، اور اس فن کی تحصیل کے دوران وہ ایک رات بھی مکمل نہیں سوئے، اور دن میں بھی سوائے مطالعہ کے اور کسی کام میں مشغول نہیں ہوئے، اور جب کسی مسئلہ میں اشکال ہوتا اور وہ سمجھ میں نہ آتا تو وضو کر کے جامع مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ وہ اس مسئلہ کو اس کے لیے آسان کر دے اور اس

کی پیچیدگی کو دور کردے، امام ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ اپنے عمل اپنی ذکاوت وذہانت اور تصانیف میں نابغۂ روزگار تھے، اور چھوٹی بڑی سو کے قریب کتابیں تصنیف کیں جو مختلف فنون میں لکھی گئی ہیں۔(حوالہ سابق ص ٤٣)

⑩ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کے کارناموں کا ایک نمونہ:

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "المستدرك" (٤٢١/٣) میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جنگ بعاث کے وقت میں چھ سال کا تھا اور یہ جنگ ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت میری عمر گیارہ سال کی تھی، مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ خزرج (قبیلہ) کا لڑکا ہے، میں نے سولہ (ایک روایت میں سترہ سورتوں کا ذکر ہے) سورتیں پڑھی ہیں، مجھے بدر اور احد میں اجازت نہیں ملی البتہ خندق میں اجازت دی گئی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عربی اور عبرانی دونوں (زبانوں میں) خطوط لکھتے تھے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے، اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی، اور وہ اس دن دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مٹی ڈھوتے تھے (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اما انه نعم الغلام" یعنی یہ لڑکا کیا خوب ہے۔ اس روز ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سوگئے تو عمارہ بن حزم آئے اور ان کی بے خبری میں ان کا ہتھیار لے لیا، (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یا ابا رقاد! نمت حتى ذهب سلاحك" "یعنی اے سونے والے! تم سوگئے اور تمہارا ہتھیار دوسرا لے گیا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "اس لڑکے کے ہتھیار کا کسی کو علم ہے"؟

عمارہ بن حزم نے کہا کہ یارسول اللہ! وہ ہتھیار میں نے لے لیا تھا، پھر انہوں نے ان کو واپس دے دیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ

"کسی مومن کو خوفزدہ کیا جائے اور اس کا سامان سنجیدگی سے یا ہنسی مذاق سے لیا جائے۔"

باب ہشتم:

صحت سے متعلق تعمیر و تربیت کے چند اصول

✿✿✿✿

تمہید

① صحت سے متعلق تعمیر و تربیت کے چند اصول:

اسلام نے انسانوں کی صحت و تندرستی کا عموماً اور بچوں کا خصوصاً اہتمام کیا ہے اور امراض کے علاج معالجہ پر خصوصی توجہ دلائی ہے، اس لیے کہ جسمانی صحت و تندرستی کے لیے یہ چیز بہت اہم اور ضروری ہے اور اس اعتبار سے کہ جسم، انسان کے پاس ایک امانت ہے، اس لیے بھی اس امانت کی محافظت ضروری ہوگی، حتیٰ کہ علاج معالجہ کو بھی تقدیر الٰہی کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر بیماری کا علاج ہے، پس جب دوا، بیماری کو لگ جائے تو مریض اللہ کے حکم سے تندرست ہو جاتا ہے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ دیہاتی لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا ہم علاج معالجہ کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، ہاں، اے اللہ کے بندو! علاج کیا کرو، کیونکہ اللہ عزوجل نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کی شفا نہ رکھی ہو، سوائے ایک بیماری کے" انہوں نے پوچھا کہ وہ بیماری کون سی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بڑھاپا"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں کہ ہم جو جھاڑ پھونک کرواتے ہیں اور علاج معالجہ

کرتے اور بچاؤ کے آلات جن کے ذریعہ ہم بچتے ہیں، یہ سب چیزیں تقدیر الٰہی کو ٹال سکتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیزیں بھی تقدیر الٰہی کا حصہ ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فردِ مسلم کو مختلف امراض و اوجاع سے بچاؤ کے لیے کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: طاقتور مومن اللہ کو کمزور مومن سے زیادہ محبوب ہے اور خیر تو ہر ایک میں ہے۔"

البتہ یہ بات تفصیل طلب ہے کہ بچوں کو امراض سے بچانے اور ان کی صحت و تندرستی کو قائم رکھنے کے بنیادی اصول کیا کیا ہیں؟ اور اس کے لیے کیا قواعد وضوابط ہیں؟

چناں چہ جب ہم احادیث نبویہ اور سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بچوں کی صحت سے متعلق آٹھ اصول ملتے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے بچوں کی صحت کی نگہداشت کے لیے خصوصیت سے بیان فرمایا ہے۔ وہ آٹھ ارکان یہ ہیں:

پہلا اصول:

بچوں کی ورزشیں، تیراکی، تیراندازی، گھوڑسواری، کُشتی، دوڑ کا مقابلہ

بچوں کی جسمانی تعمیر و تربیت کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے کہ تیراکی اور تیر اندازی بچوں کے حقوق میں شامل ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی بچوں کے سرپرست حضرات کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان چیزوں کی تعلیم دیں اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ بچوں کو گھوڑے پر چھلانگ لگا کر بیٹھنا بھی سکھاؤ۔ نیز یہ کہ جو خود ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ بھی بچوں کی صف بندی فرماتے اور ان کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کروایا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے غزوۂ احد میں شرکت سے پہلے دو بچوں کے درمیان کُشتی کا مقابلہ بھی دیکھا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی ورزش بچوں کے جسم کو مضبوط شکل میں استوار کرتی ہے، بایں طور کہ پھر وہ بچے ذاتی طور پر مختلف امراض کا دفاع کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں اور پھر خود ان کے جسم اور بدن امراض کے وقوع سے مانع بن جاتے ہیں، ہاں

البتہ اگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور ہو تو اور بات ہے کہ وہ پھر آزمائش ہوتی ہے۔ اس مقام پر ہمیں ورزش کے فوائد ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، اس کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس بیٹھ کر اس کے فوائد سماعت کرلیں اور احادیث مبارکہ سے اپنے یقین میں اضافہ کرلیں۔ بناء بریں آپ کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ تیراکی جسم کے تمام عضلات (پٹھے) کو متحرک کرتی ہے، اور جسم سے بہت سے امراض کو نکال باہر کرتی ہے، جیسا کہ طب کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

دوسرا اصول:

بچوں کو مسواک کی عادت ڈالنا

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مسواک کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے، بلکہ آپ ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ:

''اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت اُنہیں مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔'' (رواہ البخاری واحمد و مسلم والترمذی)

جب بچوں میں مسواک کی عادت پیدا ہو جائے اور وہ اچھے طریقہ سے اور مسلسل طور پر اپنے دانت صاف کرنا شروع کردیں تو دانت کی بہت سی بیماریوں کا خود ہی خاتمہ ہو جائے گا، جیسا کہ بعض اوقات دانتوں میں کیڑا لگ جاتا ہے اور مسوڑھے کی بیماری اور دوسرے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔

جدید طب نے بھی یہ بات ثابت کردی ہے کہ مسواک کا استعمال بڑا اثر رکھتا ہے، کیونکہ اس میں کیمیائی مواد موجود ہوتا ہے جو دانتوں کے لیے بے حد مفید ہے اور مؤثر انداز میں مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے، اور پھر مسواک ہوتی بھی ہے معمولی قیمت کی اور جزیرہ عرب میں تو بہ کثرت پائی جاتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح صحیح مسلم'' میں لکھتے ہیں کہ:

''پیلو کے درخت کی مسواک کے علاوہ کسی اور چیز کی مسواک کرنا بھی جائز ہے،

کیونکہ مقصد تو دانتوں کی صفائی ہے، حتیٰ کہ اگر کسی آدمی کے پاس دانت صاف کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو تو اپنے ہاتھ یا کھردرے کپڑے سے ہی صاف کر لے، اس سے مقصد تو یہی ہے کہ بچوں میں مسواک کی عادت پیدا ہو اور وہ کسی بھی طریقہ سے اپنے دانتوں کو صاف رکھیں۔‘‘

تیسرا اصول:

بچوں کی نظافت اور صفائی اور ان کے ناخن تراشنے کا اہتمام کرنا

نظافت اور صفائی وستھرائی، وہ حکم ہے جس کی طرف ہمارے پیغمبر ﷺ نے دعوت دی ہے، جو بچہ نماز پڑھنا چاہے اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے اسی طرح اس کے کپڑے بھی پاک صاف ہوں، اور جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے اور یہ سب امور اس فریضہ نماز کی ادائیگی کے لیے لازمی قرار دیے گئے ہیں جس نماز کا اس بچہ کو سات سال کی عمر میں امر کیا جاتا ہے اور دس سال کی عمر ہونے پر سختی اور سرزنش کی جاتی ہے۔

اور ناخن تراشنا تو ان پانچ فطری امور میں سے ایک ہے جس کا حدیث صحیح میں صراحۃً ذکر آیا ہے، ’’پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں...... ناخن تراشنا......‘‘ الحدیث۔

جو بچہ ناخن تراشنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو ناخنوں کے نیچے موجود بہت ساری میل کچیل سے بچالیتا ہے جو کہ بسا اوقات منہ میں جا کر بہت سے امراض کا سبب بن جاتی ہے۔

چوتھا اصول:

کھانے پینے کے معاملہ میں سنتوں کی اتباع

اس سے پہلے کھانے کے آداب بیان ہو چکے ہیں کہ بچوں کو عادت ڈالی جائے کہ وہ اپنے سامنے سے کھانا تناول کریں، ان کے ہاتھ کھانے کے برتن میں ہر جانب نہ گھومتے پھریں، جب بچے کھانے کے مسنون آداب کا لحاظ رکھیں گے اور ان کو بجالائیں گے تو انہیں

کامیابی بھی حاصل ہوگی اور بہت سے اندرونی امراض سے محفوظ بھی رہیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

''آدمی اپنے پیٹ سے زیادہ برا برتن نہیں بھرتا، ابن آدم کو تو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا کردیں، اگر ضرور کھانا ہی ہو تو ایک حصہ کھانے کے لیے اور ایک حصہ پینے کے لیے اور ایک حصہ سانس کے لیے رکھے۔''

(رواہ ایضًا ابن حبان وابن ماجہ والحاکم، جامع الاوصول ۷/ ٤١٠)

اسی طرح پینے کے سلسلہ میں بچوں کو مسنون طریقہ کا عادی بنایا جائے۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی پیتے تو تین بار سانس لیتے'' ترمذی میں اضافہ ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''یہ (طریقہ) زیادہ سیراب کرنے والا اور زیادہ خوشگوار اور پیاس کو بجھانے والا ہے۔''

بچوں کو آگاہ کیا جائے کہ وہ پانی پینے کے دوران گلاس کے اندر سانس نہ لیں۔

جیسا کہ صحیحین میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن کے اندر سانس لینے سے منع فرمایا۔ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ برتن کے اندر سانس لیا جائے یا اس میں پھونکا جائے۔''

نیز یہ کہ پانی بیٹھ کر نوش کیا کریں، البتہ آبِ زمزم رو بقبلہ کھڑے ہو کر پیئے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کوئی شخص کھڑے ہو کر ہرگز پانی نہ پیئے، اور جو بھول کر پی لے اسے قے کر دینی چاہیے۔'' (جامع الاصول ٥/ ٧٤)

پانچواں اصول:

بچوں کا دائیں کروٹ پر سونا

ایک مسلمان کی زندگی میں دائیں کروٹ پر سونا بھی صحت وتندرستی کا ایک اہم رکن کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس میں صحت کے لیے بہت سے فائدے ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس عمل کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم اپنے بستر پر (لیٹنے کے لیے) آؤ تو پہلے نماز کی طرح کا وضو کرو، پھر اپنی دائیں کروٹ کے بل لیٹ جاؤ، اور پھر یہ دعا پڑھو:

(((أَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ ، رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ .))

اور ان کلمات کو اپنی آخری بات بناؤ۔''

چھٹا اصول:

بچوں کو طبعی علاج سکھانا

انسان کو اپنی ساری زندگی میں عضلات کی مالش وغیرہ کی ضرورت ہوتی اور ماں باپ کی راہنمائی سے بچہ اسے سیکھتا اور تربیت پاتا ہے اور پھر اسے اس میں خوب مہارت حاصل ہوجاتی ہے اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ اس دور حاضر میں یہ چیز (مالش کرنا) بھی انسان کے لیے مفید علوم میں شامل ہوگئی ہے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ نے یہ بات بچوں کو سکھائی ہے اور خود اپنے جسم مبارک پر اس کی مشق کی ہے۔

چنانچہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ، امام بزار رحمۃ اللہ علیہ، ابن السنی رحمۃ اللہ علیہ اور ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن

منصور رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چھوٹا حبشی غلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک کو دبا رہا ہے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "گزشتہ رات اونٹنی نے مجھے گرادیا تھا۔"

(کنز العمال ٤٤/٤)

ساتواں اصول:

عشاء کے بعد جلدی سونا اور صبح سویرے بیدار ہونا

بچے صبح کی نماز بروقت پڑھنے کے عادی اور صبح سویرے اسی صورت میں جلدی بیدار ہو سکتے ہیں جب ان کی نیند پوری ہو چکی ہو اور وہ نیند سے سیر ہو چکے ہوں، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ وہ جلدی سوجایا کریں۔ (زاد المعاد ١٦٩/٣)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو سلا کر عشاء کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ شیخین رحمۃ اللہ علیہما اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء کے لیے تاخیر فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! نماز کا وقت ہو گیا ہے، عورتیں اور بچے سو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، اور فرمایا کہ: اگر مجھے اپنی امت کی مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو اس وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیتا۔"

بچہ جب جلدی سویا کرے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دینی فرائض کی ادائیگی کے علاوہ اس میں عمدہ اور صحت افزا عادات پیدا ہوں گی اور جسم اور بدن قوی ہوگا، اور فجر کے وقت فضا میں ایک خاص قسم کی گیس (جو آکسیجن کے تین عناصر سے مرکب ہوتی ہے) موجود ہوتی ہے اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ وہ گیس بچے کی حیاتی خلیوں میں نشاط کو بڑھا دیتی

ہے اور بہت سی بیماریوں کا خاتمہ کرتی ہے، کیونکہ بچہ کا اس گیس میں سانس لینا اس کے جسم و ڈھانچہ کو اس طرح سے قوی کرتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی اور بچہ فرض نماز ادا کرتا ہے۔
حاکم نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ:

''رات جب چھا جائے تو قصہ گوئی سے اجتناب کرو، کیونکہ تمھیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کس مخلوق کو لے آئیں۔'' (سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ١٧٥٢)

پھر اسلام میں دین و دنیا کا کوئی فرق نہیں ہے، لہٰذا جو شخص اپنے بچوں کی تربیت دین کے مطابق کرتا ہے، دنیا اس کے سامنے ذلیل وخوار ہوکر آتی ہے۔

پھر صبح سویرے جلدی بیدار ہونے کا ایک فائدہ ہے اور وہ ہے رزق میں زیادتی۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صبح کے وقت اپنے بیٹے کو سویا ہوا دیکھا تو اس سے کہا کہ ''اٹھو! کیا تم ایسے وقت میں سو رہے ہو جس وقت (اللہ کا) رزق بانٹا جا رہا ہے۔''
(زاد المعاد ٣/١٦٩)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس صبح سویرے تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ سوئی ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جگایا اور فرمایا کہ:

''اٹھو! اور اپنے رب کے رزق کا مشاہدہ کرو۔''

آٹھواں اصول:

بچوں کو متعدی امراض سے بچانا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری امت کے لیے ایک عمومی قاعدہ اور ضابطہ وضع فرمایا کہ انسان اس مریض کے پاس نہ جائے جو کسی متعدی مرض میں مبتلا ہو اور اس سے ملاقات بھی نہ کرے تاکہ مسلمانوں کو تکلیف سے بچایا جاسکے۔

بچوں کے زمانہ بچپن میں مختلف قسم کے متعدی امراض ہوتے ہیں، والدین کو اس زمانہ میں متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ عزیز واقرباء سے ملنے کے لیے اپنے بچہ کو ساتھ لے کر نہ جائیں، اسی طرح کسی ایسے گھر میں بھی بچہ کو ساتھ نہ لے کر جائیں جہاں کوئی ایسا مریض ہو جسے

متعدی مرض لاحق ہو جب تک وہ تندرست اور ٹھیک نہ ہو جائے۔
چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((لا یوردنّ ممرض علی مصحّ .)) (رواہ احمد وابوداود والنسائی)
''یعنی کوئی مریض تندرست آدمی کے پاس ہرگز نہ لایا جائے۔''
علاوہ ازیں ماں باپ کو چاہیے کہ بچہ کو اس کے دوسرے بھائیوں سے بھی دور رکھیں تا کہ بیماری ان میں منتقل نہ ہو اور اس مریض کی نفسیاتی کیفیت میں اضافہ نہ ہو۔ البتہ اسے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نصیحت کرنے میں کوئی حرج نہیں تا کہ اسے معلوم رہے کہ یہ بات درحقیقت ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا حکم ہے اور مسلمان بچہ اپنے نبیؑ سے محبت بھی کرتا ہے اور ان کے احکامات کو بجالایا کرتا ہے۔
نواں اصول:

بچوں کو جنات اور نظر بد سے بچاؤ کے لیے جھاڑ پھونک کرنا

یہ بچوں کا ایک ایسا علاج ہے کہ طب نبویؐ اس سلسلہ میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے، اور یہ بچوں کی صحت وتندرستی کی محافظت کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے، ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بچوں کو جھاڑ پھونک فرماتے تھے، اور والدین کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے۔
چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاذکار'' میں ایک باب قائم کیا ہے: ''باب ما یعوذ به الصبیان وغیرهم .''
صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو اللہ کی پناہ میں دیا کرتے تھے اور یوں فرماتے:
((أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ .)) (مستدرك الحاكم ١٦٧/٣)

اور آپ ﷺ فرماتے تھے: کہ ''تمہارے باپ (ابراہیم علیہ السلام) ان کلمات کے ساتھ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو بھی اللہ کی پناہ میں دیتے تھے۔''

میں (امام نووی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ علماء فرماتے ہیں کہ "الھامّۃ" میم کی تشدید کے ساتھ ہے، ہر ایسے جانور کو کہتے ہیں جو زہر قاتل رکھتا ہو جیسے سانپ وغیرہ اور "اللامّۃ" بھی میم کی تشدید کے ساتھ ہے، اس چیز کو کہتے ہیں جس کو دیکھنے سے نظر بد لگ جاتی ہو۔''

(انتھی کلام النووی)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللہ بن رفاعہ الزرقی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یارسول اللہ! جعفر کے بچوں کو بہت جلد نظر لگ جاتی ہے، کیا میں ان کو دم جھاڑ کر دیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں (کر دیا کرو)، اگر کوئی چیز (بالفرض) تقدیر پر سبقت لے جاسکتی تو نظر بد ایسی چیز ہے جو اس پر سبقت لے جاتی۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ''الموطأ'' میں عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ان کے گھر میں ایک بچہ رو رہا ہے، آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ اسے نظر لگی ہے، (اس پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس نظر بد پر دم جھاڑ کیوں نہیں کرتے''؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسنادِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے بچہ کے رونے کی آواز سنی تو فرمایا کہ

''یہ بچہ کیوں رو رہا ہے''؟ تم نے اسے نظر بد کا دم جھاڑ کیوں نہیں کیا''؟

② بچوں کے لیے نبویؐ طریقۂ علاج:

جب بچہ بیمار ہو جائے تو اس کے لیے کون سے بنیادی نبویؐ طریقہ ہائے علاج ہیں؟

اس سوال کا کچھ جواب تو تمہید کے بیان میں آچکا ہے یعنی علاج و معالجہ کی ضرورت و اہمیت اور طبیب اور ڈاکٹر سے اس سلسلہ میں مشاورت لینا، لیکن یہاں ہم نبویؐ طریقہ ہائے علاج کا ذکر بھی کیے دیتے ہیں۔

❶ بیمار بچوں کے علاج کے لیے جلدی کرنا:

بیماری میں تخفیف پیدا کرنے اور اس سے بچاؤ کے لیے بچہ کو فوری طور پر طبیب کے پاس لے جانا بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ عام طور پر اس سلسلہ میں ماں باپ کی سستی ہی امراض کا سبب بنتی ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے بچوں کے علاج معالجہ کے سلسلہ میں جلدی کرنے کی ہمیں تعلیم دی ہے۔

چنانچہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ: اسامہ کو دروازہ کی چوکھٹ پر ٹھوکر لگی جس سے اس کی پیشانی زخمی ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اس کا خون صاف کردو'' لیکن مجھے ناگواری ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ خود اس کے زخم کو پونچھنے لگے اور اس پر لعابِ مبارک لگانے لگے''

اور فرمایا کہ: اگر اسامہ رضی اللہ عنہ لڑکی ہوتا تو میں اس کو کپڑے پہناتا اور زیور پہناتا، یہاں تک کہ وہ اس کو ختم کردیتا۔''

واقدی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ، عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''اسامہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ آتے ہی چیچک کا مرض لاحق ہوگیا تھا اور وہ ابھی نوعمر لڑکے تھے، ناک کی ریزش ان کے منہ پر بہتی تھی، عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر گھن آئی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اسامہ رضی اللہ عنہ کا منہ دھونے لگے اور اسے چومنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ خدا کی قسم! اس کے بعد میں اس کو کبھی بیان نہیں کروں گی۔'' (حياة الصحابة ٢ / ٤٤٦)

آپ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے کیسے اسامہ رضی اللہ عنہ کا منہ دھویا اور اسے بوسہ دیا! آپ ﷺ یوں اپنے دست مبارک سے بچوں کا علاج فرمایا کرتے تھے اور ان سے گھن نہیں کھاتے تھے اور نہ ہی ان میں عیب نکالتے تھے۔ ﷺ

❷ بیمار بچوں کی بیمار پرسی کرنا:

بچوں کی بیمار پرسی کرنا ایک نفسیاتی علاج ہے، کیونکہ جب بچہ دیکھتا ہے کہ اس کے اردگرد
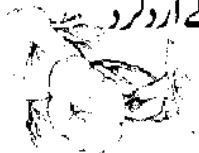
لوگ اس کی بیمار پرسی کے لیے جمع ہیں تو بیماری کو برداشت کرنے کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ آنے والے مہمانوں کے ساتھ تھوڑی تھوڑی باتیں کرنا اور حرکت کرنا شروع کردیتا ہے، پھر جب اس کے لیے وہ دعائے خیر بھی کرتے ہیں تو اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے اور یہ بھی ایک نبویؐ طریقہ علاج ہے، جو اپنے مقصد کے اعتبار سے بے مثال ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک یہودی لڑکا، رسول اللہ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ ایک دفعہ بیمار ہوگیا تو:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر اس سے فرمایا: ''مسلمان ہوجا'' اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، باپ نے کہا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے تشریف لے گئے کہ ''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔''

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام بچوں کی بیمار پرسی کیا کرتے تھے خواہ وہ مسلمان ہوتے یا کافر اور ان کو ترغیب بھی دیتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کے ساتھ ہمدردی اور انتہائی توجہ کی دلیل ہے۔

③ عودِ ہندی کے ذریعہ علاج کرنا:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، شیخین رحمۃ اللہ علیہما، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ام قیس بنت محصنؓ، جو کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، سے روایت نقل کی ہے کہ ام قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: میں اپنے بیٹے کو لے کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، میرا بیٹا ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کردیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر اس پر ڈال دیا۔

ام قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں (ایک دفعہ) اپنے ایک بیٹے کو لے کر آئی میں نے حلق کی تکلیف میں (علاجاً) اس کے حلق میں انگلی ڈالی تھی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''تم اپنی اولاد کا علاج حلق میں انگلی ڈال کر کیوں کرتی ہو؟ اس عودِ ہندی کو لازم پکڑو، کہ اس میں سات بیماریوں کے لیے سات طرح کی شفا ہے، ان میں سے ایک بیماری ذات الجنب ہے اور حلق کی تکلیف میں سعوط کیا جائے (یعنی ناک میں دوا ڈالنا) اور ذات الجنب میں لدود (منہ کے کسی ایک گوشہ میں دوا ڈالنا) کیا جائے۔''

آنحضرت ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ تم عورتیں ایسا تکلیف دہ طریقہ علاج کیوں اختیار کرتی ہو؟ ایسا ہرگز نہ کیا کرو۔ عودِ ہندی کو اردو میں قسط بحری کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو خوب باریک کر کے اور پانی میں گھول کر مریض کی ناک میں ڈالا جائے، اس طرح وہ دوا اس کے حلق میں پہنچ کر اس کو پکڑ لے گی، کیونکہ وہ خشک گرم ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسط بحری کافور کی طرح کی ایک بوٹی ہے، اور سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں مذکور لفظ ''العلاق'' کا مطلب بیان کیا کہ انگلی سے تحنیک کی جائے، پھر سفیان نے اپنے حلق میں انگلی ڈال کر دکھایا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بچہ کو آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئی، اس نے کہا کہ میں نے بچہ کے حلق میں انگلی ڈال کر اس کے حلق کی تکلیف کا علاج کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم عورتیں اپنے بچوں کے حلق جلا دیتی ہو، تم قسط ہندی اور ورس (پودا) لے کر اس کو سعوط کرو (ناک میں دوائی چڑھاؤ)۔''

(مستدرك الحاكم: ٤/ ٢٠٦)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک بچہ کی ناک سے خون بہہ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا کہ ''اس بچہ کو کیا ہوا؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس کے حلق میں تکلیف ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''عورتو! تمہارا ناس ہو! اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، جس عورت کو عذرہ مرض (حلق میں تکلیف)

لاحق ہو یا اس کے سر میں درد ہو تو اسے چاہیے کہ قسط ہندی (قسط بحری بوٹی) استعمال کرے" آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ اسے بناؤ، انہوں نے بنا کر بچہ کو استعمال کرایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ (مستدرك الحاكم: ٤/ ٢٠٥)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں سند صحیح کے ساتھ اس طرح مذکور ہے:

"پس اسے چاہیے کہ قسط ہندی لے کر اسے پانی سے رگڑے پھر مریض کو سعوط کرے۔" (المجمع ٥/ ٨٩)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سند قوی کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے سعوط لیا ہے۔ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الطب النبوی ﷺ" میں لکھتے ہیں کہ: قسط اور کست کا ایک ہی معنی ہے، اور قسط کی دو قسمیں ہیں: (۱) قسط ابیض جسے قسط بحری کہتے ہیں۔ (۲) قسط ہندی، یہ زیادہ گرم ہوتی ہے اور قسط ابیض زیادہ نرم ہوتا ہے اور اس کے منافع بہت زیادہ ہیں۔

4 سینگی اور اسہال کے ذریعہ علاج:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تین غلام تھے جو پچھنے (سینگی) لگاتے تھے اور دو غلام تو آپ کے اور آپ کے اہل و عیال کے لیے غلہ لاتے تھے اور ایک غلام آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو پچھنے لگاتا تھا، آپ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سینگی لگانے والا کتنا اچھا بندہ ہے کہ خون کو لے جاتا ہے اور کمر کو ہلکا کر دیتا ہے اور بینائی کو تیز کر دیتا ہے...... بہترین دن جس میں تم سینگی لگواؤ سترہواں دن اور انیسواں دن اور اکیسواں دن ہے...... اور بہترین طریقہ علاج سعوط، لدود اور سینگی لگوانا اور اسہال ہے۔" (مستدرك الحاكم: ٤/ ٢٠٩)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سینگی لگوانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے ابوطیبہ کو حکم دیا کہ انہیں سینگی لگائے، (راوی) کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ شیخ نے یہ بھی کہا کہ ابوطیبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے یا

نابالغ لڑکے تھے۔ (مستدرك الحاكم: ٤/ ٢١٠)

5 دُعا اور جھاڑ پھونک سے علاج:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، "الموطأ" میں حمید بن قیس المکی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: جعفر بن ابی طالب کے دو بیٹے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کی پرورش کرنے والی عورت سے فرمایا کہ: کیا بات ہے، میں ان بچوں کو کمزور دیکھتا ہوں؟ اس عورت نے کہا کہ ان کو نظر بہت جلد لگ جاتی ہے، اور ان کو دم جھاڑ سے یہی بات مانع ہو رہی کہ ہمیں سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ اس کے موافق کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ان کو دم جھاڑ کرو، کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر (بالفرض) سبقت لے جاسکتی تو وہ نظر بد ہوتی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ: ایک عورت اپنے بچہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس بچہ کو کوئی جنونی کیفیت لاحق ہے، کھانے کے وقت اسے یہ کیفیت پیش آ جاتی ہے جس سے ہمارا سارا کھانا خراب ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر دست اقدس پھیرا اور اس کے لیے دعا کی تو اس نے قے کی جس سے سیاہ پتھروں کی طرح کی کوئی چیز اس کے منہ سے نکلی، پھر اسے شفا مل گئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے اس بھانجے کو کوئی تکلیف لاحق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے (سائب) سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے دعائے برکت فرمائی۔

جعید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: میں نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو چورانوے سال کی عمر میں دیکھا کہ ان کا بدن بہت معتدل تھا اور انہوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ مجھے سماعت و بصارت کا فائدہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ ام ابان بنت الوازع کے حوالہ سے ان کے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا الوازع رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے تو ان کے ساتھ ان کا مجنوں بیٹا یا بھانجا بھی چل کھڑا ہوا، میرے دادا کہتے ہیں کہ: جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ پہنچے، تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے ساتھ اپنے مجنوں بیٹے (یا بھانجے) کو لے کر آیا ہوں، آپ ﷺ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اسے لے کر آؤ'' میں اس کو لینے نکلا تو دیکھا کہ وہ رکاب میں پھنسا ہوا ہے، میں نے اسے نکالا، پھر سفر کے کپڑے اس پر سے اتار ڈالے اور اسے خوبصورت جوڑا پہنایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ''اسے میرے قریب کرو اور اس کی کمر میرے قریب کردو۔'' چنانچہ پھر آپ ﷺ نے اوپر نیچے سے اس کو کپڑوں سے پکڑ کر اس کی کمر پر مارنا شروع کیا، حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ''اے خدا کے دشمن! نکل جا، اے خدا کے دشمن! نکل جا!'' اس کے بعد وہ درست طریقہ سے دیکھنے لگا، پھر آپ ﷺ نے اسے اپنے سامنے بٹھایا اور اس کے لیے دعا فرمائی اور اس کے چہرے پر دست اقدس پھیرا، پس اس وفد میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جسے رسول اللہ ﷺ کی دعا کے بعد احسان وکرم میں اس پر فضیلت حاصل ہو۔''

اب ہم آخر میں بعض مسنون اور مستحب دم جھاڑ پیش کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو اس کا علم ہو اور بوقت ضرورت ان کو عمل میں لایا جاسکے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بخار کا اور تمام دردوں اور تکالیف کا دم جھاڑ سکھایا کرتے تھے کہ یہ دُعا پڑھا کریں۔

((باسم اللّٰہ الکبیر، اعوذ باللّٰہ العظیم من کل عرق نعّار ومن شرّ حرِّ النار.))

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم، امام ابی داؤد، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، جب کسی کو تکلیف یا زخم ہوتا، اپنی انگلی کو زمین پر رکھ کر اس کو

اٹھاتے اور یہ دعا کرتے۔ "بسم الله تربة ارضنا بريقة بعضنا يشفي به سقيمنا باذن ربنا." امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ "جب کوئی مریض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا یا وہ مریض خود آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے: "اذهب البأس ربّ الناس، اشف انت الشافي لا شفاء إلا شفاؤك، شفاءً لا يغادر سقما."

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو معوذات پڑھ کر اپنے پر دم کر لیتے، جب تکلیف بڑھ جاتی تو میں خود پڑھتی اور برکت کی امید سے آپ کے ہاتھ کو ہی آپؐ پر پھیر دیتی۔

اب ہم آخر میں وہ دم اور جھاڑ ذکر کرتے ہیں جو جبریل علیہ السلام نے ہمارے پیغمبر علیہ السلام پر کیا۔ چنانچہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے پوچھا اے محمدؐ! "کیا آپؐ تکلیف میں مبتلا ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، پھر جبریل علیہ السلام نے یہ دم کیا "باسم الله ارقيك من كل داءٍ يؤذيك، ومن شر كل نفس وعين، باسم الله ارقيك، والله يشفيك."

ابن عباس رضی اللہ عنہما معوذات کے پڑھنے کی ضرورت پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "ہر بچے کے دل پر وسوسہ ڈالنے والا مقرر ہوتا ہے اور اگر اللہ کا ذکر کیا جائے تو دور ہٹ جاتا ہے اور اگر ذکر سے غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے فرمان کا یہی مطلب ہے: وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ"

(مستدرك الحاكم ٢/ ٥٤١)

6 نظر بد کا علاج:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم دیا جاتا تو وہ وضو کرتا پھر اس پانی سے نظر زدہ شخص غسل کرتا۔ (رواہ ابوداود)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ الموطأ میں ابو اسامہ بن سہل بن حنیف سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ:

''عامر بن ربیعہ نے سہل بن حنیف کو غسل کرتے دیکھا تو کہا ''میں نے اس سے پہلے ایسا جسم کسی کنواری عورت کا بھی نہیں دیکھا، یہ کہنا تھا کہ سہل بن حنیف زمین پر گرے اور تڑپنے لگے۔ کسی نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا یارسول اللہ ﷺ! سہل کا کچھ کریں۔ وہ اپنا سر نہیں اٹھا سکتا آپ نے پوچھا کیا تم نے کسی کو نظر لگاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عامر بن ربیعہ کو دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔ تم نے اس کے لیے برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ بیٹھ کر غسل کرو' چنانچہ عامر نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھ، دونوں کہنیاں اور گھٹنے اور ٹانگیں اور ازار (تہبند) کا اندرونی حصہ دھو کر پانی برتن میں ڈالا، پھر جب پانی سہل پر ڈالا گیا تو سہل بالکل ٹھیک ہو گئے۔''

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ تم اپنے بھائی کو کیوں مارنا چاہتے ہو، تم نے اس کے لیے دعائے برکت کیوں نہیں کی، بے شک نظر لگ جانا حق ہے، اس کے لیے وضو کرو، پھر عامر نے اس کے لیے وضو کیا تو سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ بالکل اچھے ہو گئے۔''

(۷) بچوں کے گلے میں تعویذ وغیرہ ڈالنا:

اس بات کے اختتام میں ضروری ہے کہ ہم بچوں کے گلے میں ڈالے جانے والی چیزوں کا ذکر کریں کہ اس اعتقاد سے ان کو تعویذ پہنانا یا ان کو پازیب یا اور چیزیں پہنانا کہ خود یہ چیز بچہ کو نظر بد سے بچانے والی ہے، جیسا کہ بعض جُہّال خلافِ شرع امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو شرک قرار دیا ہے، خصوصاً جب تنبیہ کے باوجود ایسے کام پر اصرار کیا جاتا ہو۔

چنانچہ عمرو بن حارث رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ بُکیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ان کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے اپنے بھائی مخرمہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بچوں کے پھوڑے پھنسیوں کا علاج کیا کرتی تھیں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا علاج کر کے فارغ ہوئیں تو بچہ کے پاؤں میں دو نئی قسم کی پازیبیں دیکھیں، تو حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ پازیبیں اس کی وہ تکلیف دور کر دیں گی جو اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ اگر میں اسے دیکھتی تو کبھی علاج نہ کرتی، خدا جانتا ہے کہ چاندی کی پازیب، ان سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ (مستدرك الحاكم ٤/٢١٨)

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے افعال اور خیالات پر شدید ترین وعید اور تنبیہ فرمائی ہے کہ بچوں کے گلوں میں حسد وغیرہ کے خدشہ سے کوئی چیز لٹکائی جائے۔ چنانچہ سنئے اور اتباع کیجئے اور بدعات سے احتراز کیجئے۔

مصنّف عبد الرزاق (١١/ ٢٠٨) میں ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ (مراد فضل بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں) کے گلہ سے ڈورے کاٹ ڈالے۔ (راوی) کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ڈورے ہیں جو نظر لگنے پر بچہ کی گردن میں ڈالے جاتے ہیں۔

❀❀❀❀

باب نہم:

بچوں کے جنسی جذبات کی اصلاح وتہذیب

تمہید

اسلام نے انسان کی متوازن طور پر تربیت کرنے کی ترغیب دی ہے کہ وہ اس طبیعت وفطرت کے مطابق ڈھل جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے، یہ بھی اسلام کی ممتاز خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے کہ تمام امور میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کو اختیار کیا ہے۔ جنسی جذبات بھی انسانی نفس میں اللہ کے پیدا کردہ ہیں، تاکہ تمام کائنات کا سلسلہ جاری رہ سکے، اور اس میں انسان بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک متعین زمانہ مقرر کیا ہے، جسے شریعت مطہرہ کی اصطلاح میں تکلیف کا زمانہ کہا جاتا ہے، یعنی جب بچہ اس زمانہ میں پہنچ جاتا ہے تو وہ اپنے تمام تصرفات کے بارے میں مسئول ہوتا ہے اور تمام اعمال وافعال کا اس سے محاسبہ اور مؤاخذہ شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ بچہ میں جنسی جذبات اطمینان بخش صورت میں موجود ہوتے ہیں کہ درست روش اور طرزِ عمل سے انحراف کے لیے اس میں ہیجانی کیفیات نہیں ہوتیں، اسلام نے اس بچہ کی دیکھ بھال کا اہتمام کیا ہے اور اوامر ونواہی کا اس سے مطالبہ کیا ہے تاکہ اس میں موجود جنسی جذبات کو مہذب کیا جاسکے، اور وہ معتدل اور پاکیزہ رہے اور اس میں کوئی انحراف وغیرہ پیدا نہ ہو۔

اب ہمیں جاننا چاہیے کہ وہ کون سے ضوابط ہیں جو بچوں کے جنسی جذبات کی اصلاح و تہذیب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں تاکہ والدین ان ضوابط کے مطابق عمل کر کے اپنے بچوں کو جنسی انحراف سے بچاسکیں اور ان کی فطرت پاک صاف بن سکے؟ چنانچہ وہ ضوابط اور اصول یہ ہیں:

پہلا اصول:

گھر کے اندر آنے کے لیے اجازت لینا

بچہ زیادہ تر اپنے گھر میں ہی رہتا ہے اور گھر کے اطراف میں جلدی سے منتقل ہوتا ہے اور اس کے لیے ہر لمحہ اور ہر وقت اجازت لینا ایک دشوار کام ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے چھوٹے بچوں کے لیے اجازت لینے کا طریقہ متعین کر دیا ہے جسے وہ رغبت اور توجہ دلانے سے اختیار کرتا ہے اور وہ بھی شاندار تدریجی انداز سے ممکن ہے، چنانچہ قرآن نے چھوٹے بچہ کے لیے اولاً تو اس بات کی تحدید کی کہ وہ تین حساس اوقات میں اجازت لیا کرے، نمازِ فجر سے پہلے، دوپہر کو قیلولہ کے وقت اور عشاء کے بعد۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تینوں اوقات والدین کے آرام کرنے کے اوقات ہیں، وہ ان اوقات میں اپنے کمرۂ استراحت میں چلے جایا کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب بچہ بلوغ کی عمر کے قریب پہنچ جائے تو پھر ہر وقت گھر میں والدین کے پاس آنے کی اجازت لینا اس پر واجب ہو جاتا ہے۔

شریعت مطہرہ کی نظر میں اس امر کی بہت اہمیت ہے، اس لیے قرآن کریم نے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ [النور: ۵۸، ۵۹]

''اے ایمان والو! مملوکوں کو اور تم میں جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے نمازِ صبح سے پہلے اور جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار دیئے کرتے ہو اور نمازِ عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردوں کے وقت ہیں ان اوقات کے سوا نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر کچھ الزام ہے وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے، اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اور جس وقت تم میں سے وہ لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والے حکمت والے ہیں۔''

''ان تین اوقات میں خدام اور سن تمیز کو پہنچنے والے نابالغ بچوں کے لیے استیذان ضروری قرار دیا گیا ہے، تاکہ گھر والوں کے ستر والے حصوں پر ان کی نظر نہ پڑے، یہ ایک ایسا ادب ہے جس سے بہت سے لوگ اپنے گھریلو زندگی میں غفلت کا شکار ہیں، اور اس ادب کے نفسیاتی اور اخلاقی اثرات کو معمولی خیال کرتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ خادموں کی نگاہیں ان کے ستر والے حصوں پر نہیں اٹھتیں، بچے بلوغ سے قبل ان امور سے ناواقف ہوتے ہیں، ماہرین نفسیات نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ بسا اوقات بچپن میں جو مناظر بچے دیکھتے ہیں ساری زندگی ان پر اس کے اثرات پڑتے ہیں اور بعض اوقات بچے ایسے نفسیاتی اور ذہنی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا علاج دشوار ہوتا ہے۔''

(ظلال القرآن: ۱۸/ ۲۳)

''والدین! کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بچہ کسی مرض میں مبتلا ہو؟ اور وہ بھی

ایسے نفسیاتی امراض جن سے چھٹکارا بھی مشکل ہو؟ اس کا سبب کیا ہوتا ہے؟ یہی کہ والدین نے بچوں کو ان تین اوقات میں استیذان کی عادت نہیں ڈالی یا اس میں سستی اور کوتاہی کی، ان اوقات میں عموماً والدین کے ستر کھلے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استیذان کی عادت بچوں کو سکھایا کرتے تھے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نبی کریم ﷺ کا خادم تھا۔ میں بغیر اجازت لیے آجاتا تھا، ایک دن میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹا! اب یہ امر آچکا ہے کہ ''بغیر اجازت کے ہرگز اندر نہ آؤ۔''

لہٰذا والدین پر یہ بھی واجب ہے کہ اپنے بچوں کے سامنے ہر وقت اپنے ستر کو ڈھانک کر رکھا کریں، تاکہ یہ چیز بچوں کو فطری طریقہ پر چلنے میں مددگار بن سکے، اور ان میں ہیجان آمیز کیفیات راہ نہ لیں، ہمیں پرہیز بھی کرنا چاہیے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کو بسر وچشم قبول بھی کرنا چاہیے۔

نابالغ بچوں کا حکم:

جو نابالغ بچے عورتوں کے محاسن اور قبائح سے واقف نہیں ہیں اسی طرح وہ نابالغ بچیاں جن میں ابھی بلوغ کی علامات ظاہر نہیں ہوئیں ان کے لیے ایک خاص حکم ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ
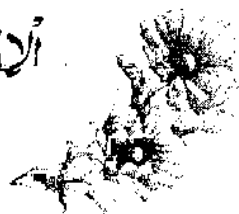
النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [النور: ٣١]

''اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مواقع کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو، یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں اور اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور اے مسلمانو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بچے آتے تھے اور ان کا لباس دیکھتے تھے۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اور عبید بن عمیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے تھے اور وہ ثُبیر (پہاڑ) کے اندر بیٹھی ہوتیں، میں نے پوچھا کہ اس وقت ان کے حجاب کی کیا صورت ہوتی؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ترکی خیمہ میں ہوتیں آپ کے سامنے پردہ ہوتا جو ہمارے اور ان کے درمیان حائل ہوتا، اور انہوں نے کہا کہ میں نے بچپن میں ان کو عصفر سے رنگی ہوئی قمیض پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ٥/ ٦٧)

دوسرا اصول:

نگاہیں پست رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی عادت ڈالنا

آنکھیں بچوں کے لیے کھڑکی کی طرح ہیں جس سے وہ باہر کی دنیا کو دیکھتے ہیں، پھر ان کی آنکھیں جو کچھ باہر دیکھتی ہیں وہ ان کے ذہن پر نقش ہو جاتا ہے، لہٰذا بچوں کو تمام اندرونی اور خارجی قابلِ ستر چیزوں سے نگاہیں نیچے رکھنے کا عادی بنا دیا جائے کہ اس کی تمام

حرکات وسکنات اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہیں۔ جیسا کہ ایک صالح طفل یعنی عبد اللہ التستری جو سونے سے پہلے یہ ورد کیا کرتے تھے ''اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے'' اس عمل سے بچہ اپنے دل میں ایمانی حلاوت محسوس کرتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ غفلت کا شکار ہو کر لڑکیوں کو بنظر شہوت دیکھنے لگتا ہے، ایسے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا کیا عمل رہا ہے، سنئے!

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''فضل بن عباسؓ، حضورِ اکرم ﷺ کے ردیف تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت مسئلہ پوچھنے آئی تو فضل اس کو اور وہ فضل کو دیکھنے لگی، (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ نے فضل کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا۔''

(الکنز ٥/١٨٨، صحیح ابن خزیمة ٤/٢٦١)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں مزدلفہ سے منیٰ تک پیغمبر اسلام ﷺ کا ردیف تھا، اس دوران کہ آپ ﷺ چلے جا رہے تھے کہ ایک دیہاتی آدمی سامنے آیا جس نے اپنی خوبصورت بیٹی کو اپنا ردیف بنایا ہوا تھا، میں اس کی طرف دیکھنے لگا، آنحضور ﷺ کی مجھ پر نظر پڑی تو میرے چہرہ کو اس کے چہرے سے پھیر دیا، میں دوبارہ دیکھنے لگا تو آپ ﷺ نے بھی دوبارہ میرے چہرے کو اس کے چہرہ سے پھیر دیا، اس طرح تین مرتبہ ہوا، میں باز نہیں آ رہا تھا، آپؐ مسلسل تلبیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی رمی فرمائی۔ (المسند ١/٢١١)

زنجویہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کے ردیف تھے، آپ ﷺ نے اپنے دستِ اقدس سے اس کا چہرہ پھیرا اور فرمایا:

''اے بھتیجے! یہ ایسا دن ہے کہ جو شخص اس میں اپنی نگاہیں پست رکھے اور شرمگاہ کی حفاظت کرے اور زبان کی بھی تو اس کی بخشش کر دی جاتی ہے۔''

(مسند ابی یعلی ١/٢٦٤)

ابن جریر کی روایت میں جو کہ ''تہذیب الآثار'' میں منقول ہے، اس طرح وارد ہوا ہے کہ:
عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے چچا زاد بھائی کا چہرہ پھیرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نوعمر لڑکی اور نوعمر لڑکے کو دیکھا تو مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں ان کے درمیان شیطان نہ آ گھسے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

''فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ردیف تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو فضل اس کی طرف اور وہ فضل کی طرف دیکھنے لگی، آنحضور ﷺ نے فضل کے چہرے کو دوسری جانب پھیر دیا، اس عورت نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے، میں اپنے والد کو بہت بوڑھا پاتی ہوں تو آیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں''۔

(رواہ ابن خزیمة فی صحیحه ٤/٣٤٣، و رواہ البخاری و مسلم)

ان احادیث سے پتہ چلا کہ ہر موقع پر بچوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا عادی بنانا چاہیے، تاکہ بچوں کی جنسی قوت زور نہ پکڑے اور اس سے نقصان واقع نہ ہو، کیونکہ بسا اوقات یہ چیز جسمانی، نفسیاتی اور معاشرتی اور اخلاقی مضرات کا سبب بنتی ہے۔

شیخ عبد الحمید کشک رحمۃ اللہ علیہ نے نگاہیں پست رکھنے کے متعلق المانیہ کے کسی عالم کا قول اپنے خطاب میں ذکر کیا ہے اور وہ اس جنسی جذبہ کا واحد علاج ہے: ''میں نے علم جنسیات اور اس کی ادویات کی خوب چھان پھٹک کی مگر کتاب اللہ کے اس فرمان سے بڑھ کر کوئی چیز کارگر اور مفید نہیں پائی جو کتاب، محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، وہ فرمان یہ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النور: ٣٠]

''آپ ﷺ فرما دیں مسلمانوں کو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں

کی حفاظت کریں، یہ بات ان کے لیے زیادہ پاکیزگی والی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔"

سترِ عورت کی عادت تو بچہ کو اس وقت ہی ہوجاتی ہے جب اسے نماز کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ اس وقت ضروری ہوتا ہے کہ اس کا لباس ساتر عورت (قابل ستر چیزوں کو ڈھانکنے والا) ہو، تا کہ اس کی نماز بچپن سے ہی درست اور صحیح ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بچہ کی پرورش اس طرح ہوگی کہ اسے ستر عورت سے لگاؤ ہوگا خواہ بچہ ہو یا بچی، بچہ بھی ایسا لباس پہنے گا جو اس کے لیے ساتر عورت ہو اور بچی کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ بچی کے لیے ایک اور بات زائد ہے کہ اسے حجاب کی عادت ڈالی جائے، پس وہ حجاب سے نماز کا آغاز کرے گی، یوں بچہ اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور نفسیاتی طور پر بھی مہذب بن کر نشوونما پائے گا۔

تیسرا اصول:

بستر الگ کرنا

بچوں کی جنسی اصلاح وتہذیب کے لیے اسے (بستر الگ کرنا) بنیادی رکن کی حیثیت حاصل ہے، دیگر تمام مذاہب عالم میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، اس اصلاح وتہذیب کا اہتمام صرف ہمارے دین محمدی میں ہے، چنانچہ امام ابوداود رحمہ اللہ سند حسن کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس برس کے ہوجائیں تو اس پر ان کی سرزنش کرو اور ان کے بستر الگ کردو۔"

مستدرك الحاكم (١/ ٢٠١) کی روایت میں یوں ہے:

"جب تمہاری اولاد سات سال کی ہوجائے تو ان کے بسترے الگ کردو اور جب دس سال کے ہوجائیں تو نماز کے معاملہ میں ان کی سرزنش کرو۔"

(رواه الدارقطني: ١/ ٢٣٠)

دس برس کی عمر میں ان کے بستر اس لیے الگ کر دیے جائیں کہ اس عمر میں بچہ میں موجود جنسی قوت بڑھنی شروع ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو بچے ایک لحاف میں نہ سوئیں یا ایک چارپائی (بیڈ وغیرہ) پر نہ سوئیں اور اگر بستر ایک ہو اور لحاف دو الگ الگ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ جتنے ایک دوسرے سے دور رہیں زیادہ بہتر ہے۔

علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"بستر ے الگ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ بچہ کے قریب البلوغ ہونے کے ایام ہیں، اس لیے کوئی بعید نہیں کہ مضاجعت (اکٹھے لیٹنا) مجامعت کی خواہش تک پہنچ جائے، اس لیے ضروری ہے کہ ایسا ہونے سے پہلے ہی فساد کی راہ کو روک دیا جائے۔" (حجة الله البالغة: ١/ ١٨٦)

والدین اگر اس سلسلہ میں غفلت کا ارتکاب کریں گے تو بسا اوقات ان کی غفلت کے باعث معصوم بچے کسی تباہی اور بربادی کی طرف جاسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک واضح حکم ہمارے سامنے پیش فرمادیا کہ "فرّقوا" یعنی ان کے بستر الگ الگ کردو۔ مومن کا کام تو حکم کی بجا آوری ہوتا ہے، ایسی شاندار اور بے مثال پیغمبرانہ راہنمائی کے مقابلہ میں مشرقی اور مغربی تربیت کی کیا حیثیت؟!

چوتھا اصول:

دائیں کروٹ پر سونا

مسنون طریقہ کی اتباع میں دائیں کروٹ کے بل سونا بچوں کو سونے کے دوران بہت سی جنسی کیفیات سے بھی دور رکھتا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کے بل سونے کو شیطان کا سونا قرار دیا ہے، جب بچہ پیٹ کے بل سوتا ہے تو اس سے اس کے اعضائے تناسل میں تحریک پیدا ہوتی ہے جو اس کی شہوت کو ابھارتی ہے، لہٰذا جب والدین، بچوں کو اس حالت میں سویا ہوا دیکھیں تو ان کی حالت کو تبدیل کر دیں اور ان کے دل میں دائیں کروٹ کے بل سونے کی چاہت پیدا کریں اور سینہ کے بل سونے سے دور رکھیں، علاوہ ازیں اس سے بہت
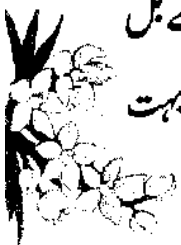
سے جسمانی امراض جنم لیتے ہیں تمام اطباء بھی پیٹ کے بل نہ سونے کی نصیحت کرتے ہیں۔

پانچواں اصول:

مردوزن کے اختلاط اور جنسی ہیجان آمیز مجالس سے دور رکھنا

اس قاعدہ کے مطابق کہ: "وبضدها تتميّز الاشياء" یعنی چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں'' ہم آپ کے سامنے اس اختلاط کا ایک یورپی تجربہ پیش کرتے ہیں، اور اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ پاکیزہ نفوس اس سے گھن کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ وہبی سلیمان الغاوجی نے مغربی تجربہ کا ذکر کیا ہے اور اس ناکام تجربہ کو والدین اور مربیین کے سامنے پیش کرتے ہیں، اس لیے کہ کمزور مسلمانوں کے نفوس یورپی تجربات کو اہمیت کی نظر سے دیکھ کر اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور مسجدوں اور خطبات میں واعظین کے وعظ سے ان کے کان بھاری ہوتے جاتے ہیں، حالاں کہ وہ خود اختلاطِ مردوزن کی وبا سے دوسروں کو ڈراتے ہیں۔

لیجیے! اب آپ کے سامنے ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ بے شک اس میں عبرت کا سامان ہے اس کے لیے جو کان لگا کر سنے اور وہ حاضر بھی ہو، چنانچہ شیخ وہبی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے استادِ کبیر احمد مظہر نے بیان کیا ہے کہ جب وہ چند سال پہلے بلجیم کسی علمی سفر کے لیے گئے تھے تو انہوں نے وہاں ایک پرائمری سکول دیکھا جس کی تمام طالب علم، لڑکیاں تھیں، انہوں نے خاتون پرنسپل سے پوچھا کہ تعلیم کے اس مرحلہ میں بچیوں کے ساتھ بچے شامل نہیں ہیں، دونوں کا اختلاط نظر نہیں آتا؟ اس نے کہا کہ ہم نے بچوں کے اختلاط کے نقصانات محسوس کیے ہیں، حتیٰ کہ اس پرائمری مرحلہ کی عمر میں بھی۔''

اگر آپ اس بات کی تصدیق نہیں کرتے تو درج ذیل امور کو پڑھ لیجیے تو قاضی لندسی اپنی کتاب ''نسل نو کی سرکشی'' میں لکھتے ہیں کہ امریکا میں بچیاں وقت سے پہلے ہی قریب البلوغ ہو جاتی ہیں، اور جو کنواری لڑکی کی عمر کی ہوتی ہے اس میں جنسی شعور بہت زیادہ ہوتا ہے۔''

قاضی لندسی بطور نمونہ کے ۳۱۲ بچیوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان میں سے ۲۵۵ لڑکیاں وہ ہیں جن کی عمریں گیارہ سال سے تیرہ سال تک کی ہیں اور وہ بالغ ہوچکی ہیں، ان میں جنسی شہوت کی وہ علامات پائی جاتی ہیں جو عام طور پر اٹھارہ یا اس سے زیادہ عمر کی لڑکی میں موجود ہوتی ہیں۔''

ڈاکٹر ادیت ہوکر اپنی کتاب ''جنسی قوانین'' میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ بات کوئی عجیب یا شاذ و نادر نہیں ہے بلکہ مہذب طبقوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ سات یا آٹھ سال کی لڑکیاں آپس میں آشنائیاں (دوستیاں) کرتی ہیں بلکہ بسا اوقات لڑکوں کے ساتھ بدکاری میں مبتلا ہوتی ہیں۔''

قاضی لندسی امریکی نے ۴۵ فیصد سکولز کی لڑکیوں کا تخمینہ لگایا ہے کہ اس قدر لڑکیاں فارغ ہونے سے پہلے ہی گندی ہوچکی ہوتی ہیں، اور یہ تناسب بڑی کلاسوں میں اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

''ہائی سکول میں لڑکے کے جذبات لڑکی سے کم ہوتے ہیں، وہاں لڑکیاں ہمیشہ خود ہی آگے بڑھ کر خود کو پیش کرتی ہیں اور لڑکوں کو آمادہ کرتی ہیں اور لڑکے کا کام صرف اس کی خواہش کو پورا کرنا اور بات کو ماننا ہوتا ہے۔'' (المرأة المسلمة، ص ۲۴۳)

چھٹا اصول:

غسل کے فرائض اور اس کی سنتیں سکھانا

جب لڑکا یا لڑکی قریب البلوغ ہونے لگیں تو والدین پر واجب ہے کہ انہیں جنابت اور غسل کے فرائض اور اس کی سنتوں کی تعلیم دیں۔ اسی طرح اس کے اسباب وغیرہ بتائیں، یعنی ماں باپ اس وقت بچوں کو فقہ کی کتاب میں سے غسل کے جملہ احکام سکھائیں اور ان امور کو اطمینان کے ساتھ بیان کرنا زیادہ بہتر ہے، اور بچوں کو زہر قاتل چیز سے بھی آگاہ کریں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص اسلام کے ماحول میں نشوونما پاتا رہا لیکن اس نے جاہلیت کو نہ پہچانا تو اسلام کے دستے ایک ایک کرکے ٹوٹتے جائیں گے۔''

لہٰذا یہ بات ضروری ہے کہ باپ اپنے بچہ کو اور ماں اپنی بچی کو فقہ الاسلام کے متعلق احادیث رسول ﷺ بیان کریں کہ یہ مادہ منویہ جو انسانی جسم سے نکلتا ہے اس کے متعلق شرعی احکام کیا ہیں اور انسان اس کے پیش آنے پر کیا کرے؟

مطلب یہ ہے کہ انہیں سکھائیں کہ تکلیف (مکلّف بننا) کا مرحلہ چند فرائض اور نواہی سے شروع ہوتا ہے اور پھر انسان کا ہر چھوٹے بڑے قول وعمل پر محاسبہ ہوتا ہے اور یہ کہ دو فرشتے اس پر مقرر ہیں جو اس کی نیکیاں اور بدیاں نوٹ کرتے ہیں، علاوہ ازیں نصیحت آمیز باتیں بتائیں جو بچوں کو نیک اعمال کی طرف راغب اور بُرے اعمال سے کراہت پیدا کریں۔

ساتواں اصول:

سورۂ نور یاد کرانا

جب بچہ دس سال کا ہوجائے تو دوسرے بھائیوں سے اس کا بستر الگ کردیا جائے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض جنسی علامات رفتہ رفتہ ظاہر ہوتی ہیں، اس عمر میں بچہ کے اندر ایمانی اور نفسیاتی دفاعی قوت پیدا کی جائے تاکہ اس (دفاعی سسٹم) سے برے کاموں سے بچنے کے لیے اس کے اندر ضبط وکنٹرول مضبوط پیمانہ پر استوار ہو، ہمارے اسلاف اپنے بچوں کو سورۂ نور مع تشریح کے ذکر کرتے اور بلوغ سے پہلے ان کو اور بالخصوص لڑکیوں کو یاد کراتے تھے اور یہ چیز ان کے لیے بطورِ دفاع کے ہوتی تھی۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ اور عورتوں کو سورۂ نور کی تعلیم دو۔''[1]

[1] (رواہ سعید بن منصور فی سننه والبیهقی فی شعب الایمان، دیکھئے الجامع الصغیر ۴/ ۳۲۸)

جاحظ رحمۃ اللہ علیہ وضاحت کرتے ہیں کہ:

''معلّمین لڑکیوں کو سورۃ النور کی تحفیظ کا خاص طور پر اہتمام کرتے تھے۔''

(البيان والتبيين: ٢/٩٢)

امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب کو حکم نامہ لکھا کہ:

''کوئی مسلمان عورت حمام میں ہرگز داخل نہ ہو سوائے مرض کے، اور اپنی عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ۔'' (مصنف عبد الرزق ١/٢٩٥)

آٹھواں اصول:

جنسی امور کی صراحت کرنا اور فحش کاموں سے دور رکھنا

ہم کہتے ہیں کہ بچہ کو سورۃ النور کی تعلیم دی جائے اور اسے یہ سورۃ حفظ کرائی جائے جو اس کے لیے جنسی اصلاح اور اخلاقی تربیت کو متضمن ہے، اور اسے فحش کاموں میں مبتلا ہونے سے بچایا جائے۔

غسل کے فرائض وسنن بتانے کے بعد اسے بے حیائی کے کاموں میں مبتلا ہونے پر سختی سے منع کیا جائے، اور اس بات کو خوب وضاحت سے ذکر کیا جائے اور یہ وعظ ونصیحت اس علاقہ کے اعتبار سے ہو جہاں بچہ رہتا ہے، آیا وہ مغرب اور امریکا جیسے آزاد ملک کا باسی ہے یا کسی اسلامی ملک کا رہنے والا ہے؟ نیز اس خاندان کے مطابق جس خاندان میں وہ بالغ ہوا ہے، آیا وہ خاندن اسلامی ہے یا آزاد خیال، اگر اس کا خاندان آزاد خیال ہو تو اس صورت میں بالغ بچہ کو یہ بتانا ضروری ہوگا کہ زنا کیا ہوتا ہے تاکہ وہ اس سے پرہیز کر سکے اور اس سے دور رہ سکے، اگر وہ کہے کہ اسے زنا کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے، اس کے کیا احکام ہیں؟ تو اس کے سامنے مندرجہ ذیل حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیجیے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ، ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک قریشی نوجوان، بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے، (یہ سن کر) تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اسے زجر وتوبیخ

کرنے لگے اور کہنے لگے کہ باز آؤ باز آؤ...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اسے قریب کرو'' وہ کچھ قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم یہ چیز (زنا) اپنی والدہ کے لیے پسند کرتے ہو''؟ اس نے کہا کہ یارسول اللہ! اللہ مجھے آپ ﷺ پر فدا کرے، خدا کی قسم! میں یہ پسند نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''دوسرے لوگ بھی یہ چیز اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ: ''کیا تم یہ چیز اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتے ہو''؟ اس نے کہا کہ یارسول اللہ! اللہ مجھے آپ ﷺ پر قربان کردے، خدا کی قسم! میں اسے بھی پسند نہیں کرتا، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ''دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ: ''کیا تم یہ چیز اپنی بہنوں کے لیے پسند کرتے ہو''؟ اس نے یہی جواب دیا کہ یارسول اللہ! اللہ مجھے آپ ﷺ پر قربان کرے، میں یہ پسند نہیں کرتا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ ''کیا تم یہ چیز اپنی پھوپھی کے لیے پسند کرتے ہو''؟ اس نے کہا کہ یارسول اللہ! اللہ مجھے آپ ﷺ پر فدا کردے، میں یہ پسند نہیں کرتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اور لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''کیا تم یہ چیز اپنی خالہ کے لیے پسند کرتے ہو''؟ اس نے یہی کہا کہ یارسول اللہ! اللہ مجھے آپ ﷺ پر قربان کرے، میں یہ پسند نہیں کرتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''دوسرے لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے'' (راوی) کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے اس نوجوان پر اپنا دست اقدس رکھا اور فرمایا کہ: ''اے اللہ! اس کا گناہ معاف کردے، اس کے دل کو پاک کردے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما''۔ (راوی کا) بیان ہے کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کسی چیز کی طرف التفات بھی نہیں کیا۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحة، رقم: ٣٧٠)

اسی طرح اس بچہ کو زنا کی سزا اور اقامت حد کے بارے میں بتائیں:

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ

دونوں فرماتے ہیں کہ دو دیہاتی آدمی، رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ میرا یہ بیٹا اس کا اجیر (مزدور) تھا کہ اس نے اس کی عورت (بیوی) سے زنا کرلیا، میں نے اپنے بیٹے کے فدیہ میں اس کو سو بکریاں اور ایک باندی بھی دے دی، میں نے اہل علم سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے اور جلاوطنی کی سزا ہے، اور اس عورت پر رجم کی سزا ہے، (یہ سن کر) رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے (حکم کے) مطابق فیصلہ کروں گا: وہ باندی اور بکریاں تجھے واپس کردی جاتی ہیں اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور جلاوطنی کی سزا ہوگی اور اے اُنیس (قبیلہ اسلم کا ایک شخص) اس عورت کو لے جاؤ اگر یہ اقرار کرلے تو اسے رجم کردو۔''

نواں اصول:

جلدی شادی کرنا

اس دورِ حاضر میں جلدی شادی کرانے کی جو برائیاں بھی بیان کی جائیں اس کی کچھ پرواہ نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ اس کی خوبیاں اس پر فائق اور زیادہ ہیں، بالخصوص جب مالی طور پر اسے تحفظ بھی حاصل ہو، جیسے والدین کی معاونت ہو یا خود اس نوجوان کی کمائی موجود ہو، اس وقت امت مسلمہ جتنے نفسیاتی اور معاشرتی امراض و مسائل میں مبتلا ہے اس کا سبب شادی میں تاخیر کرنا ہے اور یہ اس کا طبعی نتیجہ ہے، ہم اس مسئلہ کی زیادہ چھان بین یا اس پر زیادہ بحث و مباحثہ کرنا نہیں چاہتے، ہمارے لیے تو بس اسلاف امت کی زندگیاں نمونہ ہیں، اس لیے ہم اس کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جن کو امام و محدث عبدالرزاق (المتوفی ۲۱۱ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مصنف'' میں باب نکاح الصغیرین کے تحت ج۶ ص۱۶۲ پر ذکر کیا ہے۔

1: حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب نکاح ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال کی تھی اور نو سال کی عمر میں اپنے کھلونوں

سمیت رُخصتی ہوئی اور وصالِ نبوی ﷺ کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔

[۲]: ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کو ان کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ چھوٹی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ ان کا مقصد انکار ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بات کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اسے آپ کی طرف بھیج دیتا ہوں، پس اگر وہ راضی ہوئی تو وہ آپ کی بیوی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے اور اس کی پنڈلی سے کپڑا ہٹایا تو اس نے کہا کہ چھوڑو، اگر آپ امیر المؤمنین نہ ہوتے تو میں آپ کی گردن پر زور سے مارتی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بیٹی سے نکاح کرنے کا سبب یوں بیان فرمایا: ''عکرمہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا وہ ایک بچی تھی جو دوسری بچیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ (نکاح کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دوستوں کے پاس آئے تو دوستوں نے برکت کی دعا دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے کسی خواہش نفس کی وجہ سے نکاح نہیں کیا بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تمام سبب ونسب ختم ہو جائیں گے بس میرا سبب اور نسب باقی رہے گا۔'' اس لیے میں نے چاہا کہ میرے اور اللہ کی نبی ﷺ کے درمیان سبب اور نسب قائم ہو جائے۔''

[۳]: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب والد حضرات چھوٹے بچوں کا نکاح کر دیں تو ان کا نکاح جائز ہوگا۔

(قال عبد الرزاق وبه نأخذ)

[۴]: ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''جب باپ اپنے

دو چھوٹے بچوں کا نکاح کردے تو ان بچوں کو بڑے ہو کر (اس نکاح کو باقی رکھنے کا) اختیار ہوگا۔"

٥: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے چھوٹے بیٹے کا نکاح مصعب کی چھوٹی بیٹی سے کیا۔

٦: ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے اپنے چھوٹے بیٹے کا نکاح کیا، اس وقت اس کی عمر پانچ سال تھی اور اس کی چھ سال (ممکن ہے کہ درست اس طرح ہو کہ میرے والد نے اپنی بیٹی کا نکاح پانچ سال کی عمر میں چھ سال کے بچہ سے کیا) پھر بیٹا فوت ہو گیا اور اس کی بیوی کو وراثت میں چار ہزار کے قریب دینار ملے۔

ایک فقہی سوال: بچی کی شادی کی عمر کی حد کیا ہے؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شادی کی حد یہ ہے کہ لڑکی جماع کی طاقت رکھتی ہو اور یہ بات اختلافِ مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، اور اس کے لیے عمر کی قید اور حد نہیں ہے، اور یہی قول صحیح ہے، حدیث عائشہ میں بھی اس کی تحدید کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی نو سال سے پہلے اس کی طاقت کی عمر میں ممانعت موجود ہے اور نہ ہی اس میں اس عورت سے نکاح کی اجازت کا بیان ہے جو اس کی طاقت نہ رکھتی ہو اور وہ نو سال کی عمر میں بالغ ہو چکی تھیں۔" (بذل المجهود فی حل ابی داود ١٥٤/١٠)

خاتمہ:

بلوغ کی علامات

سنِ بلوغ اور سنِ تکلیف میں داخل ہونے کی دو علامتیں ہیں: (١) احتلام (٢) زیرِ ناف بالوں کا نکل آنا۔

❶ احتلام……: آیت کریمہ ہے:

﴿وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ [النور: ٥٩]

''اور جب تم میں سے بچے بالغ ہوجائیں تو وہ بھی ان کی طرح اجازت لیا کریں جیسا کہ ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے ہیں۔''

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد کیا ہے کہ

''احتلام کے بعد یتیمی ختم ہوجاتی ہے اور صبح سے شام تک چپ کا روزہ کوئی چیز نہیں۔''

❷ زیرناف بال کا نکل آنا...... حضرت عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''قریظہ کی جنگ کے موقع پر ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو جن کے زیرناف بال اُگ چکے تھے انہیں قتل کردیا گیا اور جن کے ابھی نہیں اُگے تھے ان کو رہا کردیا گیا، میں بھی ان میں شامل تھا جن کے زیرناف بال نہیں اُگے تھے، چنانچہ مجھے چھوڑ دیا گیا۔'' (رواه الخمسة وصحّحه الترمذی)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''پس جو احتلام والا (بالغ) تھا یا جس کے زیرناف بال اُگ چکے تھے اُنہیں قتل کیا گیا اور جن کے نہیں اُگے تھے انہیں چھوڑ دیا گیا۔'' (رواه احمد والنسائی)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مشرکین کے بوڑھوں کو قتل کردو اور ان میں شرخ کو زندہ رہنے دو۔''

شرخ ان بچوں کو کہتے ہیں کہ جن کے زیرناف بال نہ اُگے ہوئے ہوں۔

(رواه الترمذی وصححه)

❸ بچہ جب پندرہ سال کا ہوجائے تو اس پر حدود قائم کی جائیں گی...... جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الخلافیات'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کو نقل کیا ہے۔

خاتمہ:1

والدین سے نبی کریم ﷺ کا خطاب

حضور نبی کریم ﷺ کا یہ خطاب والدین کی طرف متوجہ ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے چالیس احادیث کی شکل میں اس خطاب کو جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی تا کہ یہ احادیث مبارکہ ان کے لیے ذریعہ اصلاح بھی ثابت ہوں اور مشعل راہ بھی بن سکیں، اس سے قبل والدین کی جتنی ذمہ داریوں کا ذکر آیا ہے اس کا خلاصہ اور لب لباب اس خطاب میں آ گیا ہے، اور ان احادیث نبویہ میں والدین کی اصلاح و تربیت کے متعلق حضور نبی مکرم ﷺ کے اہتمام کا بیان ہے، تا کہ والدین اپنے بچوں کے لیے بہترین نمونہ بن سکیں۔ جیسا کہ والدین بچوں کی عمدہ تربیت کرتے ہیں تا کہ بچے قرآن و سنت اور اسلاف کی سیرت و کردار کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال سکیں اور بلند و فائق اور متوازن و معتدل عقلی اور نفسیاتی اصلاح و تہذیب کی جانب بڑھ سکیں۔

والدین کے لیے چہل حدیث

[۱]: شیخین رحمہما اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے سنا: ''ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک اپنی رعایا کے بارے میں ذمہ دار ہے اور آدمی اپنے گھر کے لوگوں کا نگران ہے، اور اس کی رعایا کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس کی رعایا کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا، اور خادم نگران ہے اپنے مالک کے مال کا اور اپنی رعایا کے بارے میں ذمہ دار ہے، اور ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے۔

[۲]: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا ڈالتے ہیں، جس طرح جانور صحیح و سالم بچہ جنتا ہے، کیا اس بچہ کو تم مقطوع الاعضاء دیکھتے ہو؟ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۚ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ﴾ [الروم: ۳۰]

''اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت کی اتباع کرو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدا کردہ چیز میں تبدیلی نہیں ہوتی، یہی درست دین ہے۔''

[۳]: امام ترمذی رحمہ اللہ، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی انسان کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی جان قبض کر لی؟ وہ کہتے ہیں: جی ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا اس کے دل کا ٹکڑا قبض کر لیا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: جی ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر کیا کہا میرے بندے نے؟ وہ کہتے ہیں: اس نے تیری تعریف بیان کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن پڑھا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے کے لیے جنت میں گھر بنا دو، اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھ دو۔

[۴]: امام احمد رحمہ اللہ جید اسناد کے ساتھ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تو خود اپنی ذات کے لیے کھاتا ہے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو تو اپنے بچوں کو کھلاتا ہے وہ تیرے لیے صدقہ ہے، اور جو تو اپنی بیوی کو کھلاتا ہے وہ تیرے لیے صدقہ ہے، اور جو تیرے خادم کھاتے ہیں پس وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔''

[۵]: صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کیونکہ اس نے تمھیں پیدا کیا، عرض کیا کہ: پھر کون سا؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو، اس ڈر سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے۔'' عرض کیا کہ: کہ پھر کون سا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کہ تم اپنے ہمسائے کی بیوی کے ساتھ زنا کرو۔''

[٦]: امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیحین میں ''باب من طلب الولد للجهاد'' میں ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آج رات میں سو یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا، وہ سب کی سب شہسوار (اولاد) پیدا کریں گی جو اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے۔ ایک آدمی نے ان سے کہا: ان شاء اللہ کہہ دیں۔ انھوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔ پھر ان میں سے کسی عورت کو حمل نہیں ہوا، سوائے ایک عورت کے وہ بھی ادھورا بچہ لائی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے! اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سب کے سب شہسوار بن کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔

[۷]: امام طبرانی رحمہ اللہ، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اولاد کی خواہش کو ترک نہ کرے، کیونکہ جب آدمی مر جاتا ہے اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہوتی تو اس کا نام ونشان تک ختم ہو جاتا ہے۔

[۸]: امام احمد رحمہ اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! نرمی کرو، پس جب اللہ تعالیٰ کسی اہل بیت

کے لیے نرمی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کی راہ نمائی بھلائی پر کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے: ''جب ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی اہل بیت کے لیے بھلائی کا تو ان میں نرمی پیدا کردیتے ہیں۔

۹: امام بزار رحمہ اللہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر درخت کا ایک پھل ہوتا ہے اور دل کا پھل اولاد ہے۔ جو شخص اپنی اولاد پر رحم نہیں کرتا، اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جنت میں رحم دل آدمی ہی داخل ہوگا۔'' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رحم تو ہم میں سے ہر ایک کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''رحم دلی یہ نہیں ہے کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ہی ساتھی پر رحم کرے، بلکہ رحم دلی یہ ہے کہ تمام لوگوں پر رحم کرے۔''

۱۰: صحیحین میں ابومسعود عقبیٰ بن عمرو بدریؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے عرض کیا کہ میں فلاں آدمی کی وجہ سے جو ہمیں طویل نماز پڑھاتا ہے، صبح کی نماز سے لیٹ ہوجاتا ہوں۔ یہ سن کر میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے، اس سے پہلے اتنی غضب ناک حالت میں نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگو! تم میں بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں، جو تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے، اس کو مختصر نماز پڑھانی چاہیے، کیونکہ اس کے پیچھے بوڑھے، بچے اور ضرورت مند لوگ ہوتے ہیں۔

۱۱: امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب انسان فوت ہوجاتا ہے، اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں۔ صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے دوسرے نفع اُٹھاتے ہوں یا نیک اولاد جو اس کے لیے دُعائے خیر کرتی ہو۔''

۱۲: امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ، معاویہ بن قرۃ کے حوالے سے ان کے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس کے پاس اس کا بیٹا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: ''کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟'' اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ

آپؐ سے اسی طرح محبت کریں، جس طرح میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ نبی ﷺ نے اس کے بعد اس شخص کو غیر حاضر پایا تو پوچھا: ''فلاں کے بیٹے کا کیا ہوا؟ تو لوگوں نے بتایا کہ ''یا رسول اللہ وہ فوت ہوگیا۔'' حضور ﷺ نے اس کے والد سے فرمایا: ''کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے کسی بھی دروازے پر پہنچو اور اس بچے کو وہاں اپنا منتظر پاؤ؟ اس آدمی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بات میرے لیے خاص ہے یا کہ ہم سب کے لیے ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تم سب کے لیے ہے۔''

۱۳: مسند ابی یعلیٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو مال و اولاد اور اہل عیال میں سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں اور وہ مَا شَآءَ اللّٰہُ لا قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ کہتا ہے تو موت کے سوا اس پر کوئی آفت نہیں آتی۔

۱۴: امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''الشعب'' میں حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہما نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہے تو اس سے اُمّ الصبیان (مرض) دور کر دیا جاتا ہے۔''

۱۵: صحیحین میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس گیا تو آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کے ساتھ اس کی تحنیك کی۔ اور بخاری میں یہ اضافہ ہے کہ ''اور اس کے لیے برکت کی دُعا کی، پھر میرے حوالے کر دیا۔''

۱۶: سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ محبوس ہوتا ہے۔ ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے اور اسی دن اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال مونڈے جائیں۔''

۱۷: حاکمؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب بچہ بولنا شروع کرے تو سب سے پہلے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ کے الفاظ سکھاؤ اور موت کے وقت بھی

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرو۔"

۱۸: طبرانی رحمہ اللہ اور ابن نجار رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بچوں کو تین چیزیں سکھاؤ۔ اپنے نبی ؐ کی محبت، آل بیت کی محبت اور قرآن کی تلاوت۔ کیونکہ حاملین قرآن اس دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے، جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا اور وہ انبیاء اور اصفیاء کے ساتھ ہوں گے۔"

۱۹: حاکم اور ابو داؤد رحمہما اللہ نے ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو، جب وہ سات سال کے ہوں اور دس سال کے ہونے پر ان کو مارو اور ان کے بستر الگ کرو۔"

۲۰: ابن حبان رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ساتویں دن لڑکے کا عقیقہ کیا جائے اور نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال دُور کیے جائیں، پھر جب چھ سال کا ہو جائے، اس کو ادب سکھایا جائے، جب نو سال کا ہو جائے تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے، جب تیرہ سال کا ہو جائے تو نماز روزے پر اس کی سرزنش کی جائے اور جب سولہ سال کا ہو جائے تو اس کا باپ اس کی شادی کر دے، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کے یہ کہے: "میں نے تجھے ادب سکھا دیا اور تعلیم دے دی اور تیرا نکاح کر دیا، اب میں دنیا کے فتنے اور آخرت کے عذاب سے تجھے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔"

۲۱: شیخین رحمہما اللہ نے ربیع بن معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں محرم کی صبح انصار کی بستیوں کی طرف یہ پیغام بھیجا: "جس نے روزے کی حالت میں صبح کی ہو، اس کو روزہ پورا کرنا چاہیے۔ اور جس نے افطار کی حالت میں صبح کی ہو اس کو بقیہ دن روزہ رکھنا چاہیے۔" (راویہ کہتی ہیں کہ) ہم اس کے بعد عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی رکھواتے تھے اور ہم مسجد میں جاتی تھیں اور بچوں کے لیے اُون کے کھلونے بناتی تھیں۔ جب کوئی بچہ

کھانے کی وجہ سے روتا ہم اس کو کھانا دے دیتے۔ حتیٰ کہ یہ افطار کے وقت ہوتا۔

۲۲: مسلم، مالک، ابو داؤد اور نسائی رحمہم اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رَوحاء مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قافلہ والوں سے ملاقات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں، پھر ان لوگوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا رسول ہوں۔ پھر ایک عورت نے ایک بچہ اُٹھا کر پوچھا کیا اس کے لیے بھی حج ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اور اجر تیرے لیے ہے۔"

۲۳: ابو داؤد رحمہ اللہ نے عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان کے دادا سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت اپنے ساتھ ایک بچی لیے حاضر خدمت ہوئی، اس بچی کے ہاتھ میں موٹے سونے کے کنگن تھے۔ آپ نے اس عورت سے پوچھا کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم یہ بات پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے بدلہ میں آگ کے دو کنگن تجھے پہنائے، اس عورت نے سن کر وہ کنگن اُتار دیئے اور آپ کے سامنے رکھ دیئے اور کہا یہ دونوں اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہیں۔

۲۴: شیخین، امام مالک، امام نسائی اور امام ابو داؤد رحمہم اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور میں سے یا ایک صاع جَو میں سے مقرر کیا ہے جو ہر غلام آزاد چھوٹے بڑے پر لازم ہے۔

۲۵: امام نسائی رحمہ اللہ نے جعفر بن سلیمان رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت ثابت رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ملاقات کے لیے جاتے تھے، پھر ان کے بچوں کو سلام کرتے اور ان کے سروں پر دست اقدس پھیرتے اور ان کے لیے دُعائے خیر کرتے تھے۔

۲۶: امام ترمذی رحمہ اللہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع
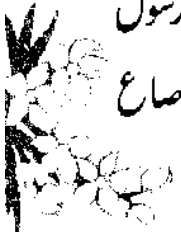
صدقہ و خیرات کرے۔

۲۷: ابن ماجہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اپنی اولاد کا اکرام کرو، ان کو اچھا ادب سکھاؤ۔''

۲۸: امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہمارے بڑے کا احترام اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری اُمت میں سے نہیں ہے۔''

۲۹: امام احمد رحمہ اللہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو شخص بچے سے کہے کہ ادھر آؤ میں تمھیں کچھ دوں، پھر اُسے کچھ نہ دے تو یہ بھی ایک جھوٹ ہے۔''

۳۰: شیخین رحمہما اللہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میرے تو دس بچے ہیں میں نے تو کسی کو کبھی بوسہ نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''

۳۱: دیلمی اور عساکر رحمہما اللہ، ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ چت لیٹے ہوئے ہیں اور ان کے سینے پر ایک بچہ یا بچی بیٹھی کھیل رہی ہے۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین اسے ہٹائیے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جس شخص کا بچہ ہو، اُس کو چاہیے کہ اس کی خاطر بچوں والی حرکت کرے۔''

۳۲: بخاری رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت والی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کر کے دونوں کو کشادہ کیا۔''

۳۳: ترمذی رحمہ اللہ نے عمرو بن شعیب کے حوالے سے ان کے دادا سے روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''خبردار! جو شخص مالدار یتیم کا ولی وارث ہو اُسے

چاہیے کہ اس مال کو تجارت میں لگائے، یونہی اس کو چھوڑے نہ رکھے کہ زکوٰۃ اس کو کھالے۔

۳۴: ابوداؤدؒ اور ابویعلیٰ، عوف بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
''میں اور وہ عورت جو اپنے شوہر سے بیوہ ہوجائے اور پھر اپنی اولاد کی دیکھ بھال میں لگی رہی۔ دونوں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔'' ابوداؤد میں اضافہ ہے کہ ''حسن و جمال اور عہدہ منصب والی عورت جس نے اپنے یتیم بچوں کی خاطر اپنے آپ کو روکے رکھا، حتیٰ کہ وہ بڑے ہوگئے یا فوت ہوگئے۔''

۳۵: ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو بیٹیاں اور دو بہنیں ہوں، پھر وہ ان کی اچھی تربیت کرے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرے، اس کے لیے جنت ہے۔''

ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جو شخص تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی پرورش کرے اور ان کو اچھا ادب سکھائے، اس کے لیے جنت ہے۔''

۳۶: ابوداؤدؒ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جس شخص کی بیٹی ہو پھر وہ نہ اس کو زندہ درگور کرے، نہ اُس کی اہانت کرے اور نہ ہی اس پر مذکر اولاد کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔''

۳۷: بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کے والد اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''

۳۸: حاکمؒ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم دوسروں کی عورتوں سے پاکدامنی اختیار کرو، تمہاری عورتیں پاکدامن ہوجائیں گی۔'' اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گی، اور جس کے پاس اس کا بھائی معذرت خواہی کے لیے آئے تو اُسے چاہیے کہ اس کی معذرت قبول

کرے، خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا۔ اگر ایسا نہیں کرے گا تو میرے حوض پر نہ آئے۔

٣٩: ابن عساکرؒ، واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، عثمان بن مظعونؓ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک چھوٹا بچہ بیٹھا ہے کہ جسے وہ چوم رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے کہا کہ اے عثمان! کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: خدا کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا میں تیری محبت میں اضافہ نہ کردوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں! آپ نے فرمایا: جو شخص اپنی اولاد میں سے چھوٹے بچے کے دل کو خوش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ خوش ہوجائے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُسے خوش کرے گا، یہاں تک کہ وہ خوش ہوجائے گا۔

٤٠: امام احمد، ابن ماجہ اور امام بخاری رحمہم اللہ نے الادب المفرد میں معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دس باتوں کی نصیحت فرمائی:

① اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا، خواہ تجھے قتل کردیا جائے اور جلا دیا جائے۔
② اپنے والدین کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا، اگرچہ وہ تمھیں حکم دیں کہ تم اہل وعیال اور مال و دولت سے دست بردار ہوجاؤ۔
③ فرض نماز جان بوجھ کر ہرگز نہ چھوڑنا، کیونکہ جو شخص فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑتا ہے وہ اللہ کے عہد و امان سے نکل جاتا ہے۔
④ شراب ہرگز نہ پینا، کیونکہ یہ ہر بُرائی کی جڑ ہے۔
⑤ معصیت سے احتراز کرنا، کیونکہ معصیت کی وجہ سے خدا کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔
⑥ میدانِ جہاد سے راہِ فرار اختیار کرنے سے احتراز کرنا خواہ تمام لوگ ہلاک ہوجائیں۔
⑦ جب لوگ اموات میں مبتلا ہوں اور تم ان میں موجود ہو تو تم ثابت قدم رہنا۔
⑧ اپنے اہل وعیال پر اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرنا۔
⑨ اولاد کو ادب سکھانے کی خاطر ان کے سروں سے اپنی لاٹھی نہ ہٹانا۔
⑩ لولاد کو اللہ کے معاملے میں ڈراتے رہنا۔

خاتمہ:2

بچوں سے نبی کریم ﷺ کا خطاب

احادیث نبویہ کا یہ ایک مجموعہ ہے۔ جسے میں نے اس لیے جمع اور مرتب کیا ہے، تاکہ مسلمان بچے اس مجموعے کو ذہن نشین کرلیں۔ یہ مجموعہ ان کے لیے ہدایت و رہنمائی اور درست طرزِ عمل کے سلسلے میں مشعل راہ ثابت ہوگا اور اس سے بچے تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے فیضانِ نبوت سے مستفید ہوں گے۔ نیز احادیث مبارکہ کا یہ مجموعہ (ان شاء اللہ تعالیٰ) والدین اور مربیین کے لیے مدد اور معاون ثابت ہوگا۔

بچوں کے لیے چہل حدیث

[۱]: امام طبرانی اور ابن النجار رحمہما اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنی اولاد کو تین چیزوں کا ادب سکھاؤ، اپنے نبیؐ کی محبت، آل بیت کی محبت اور تلاوتِ قرآن، کیونکہ حاملین قرآن اس دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے، جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، اس کے نبیوں اور برگزیدہ ہستیوں کے ساتھ۔''

[۲]: امام احمد اور شیخین رحمہم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''تو نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' اس آدمی نے کہا کہ اور تو کچھ نہیں البتہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ((انت مع من احببت .))...... ''یعنی تم اس کے ساتھ ہوگے جس سے تم محبت کرتے تھے۔''

بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا ہم بھی اسی طرح ہوں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں آپؐ کی اس بات پر کہ ((انت مع من احببت .)) اتنی خوشی ہوئی کہ کسی اور چیز پر اتنی خوشی نہیں ہوئی، کیونکہ میں نبی کریم ﷺ، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ ان سے محبت کرنے کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں گا۔''

[۳]: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بیت الخلاء گئے تو میں نے آپ ﷺ کے لیے وضو کا برتن رکھ دیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''یہ کس نے رکھا ہے؟'' آپ ﷺ کو بتایا گیا تو فرمایا: ((اللّٰھم فقھه فی الدین .))...... ''اے اللہ! اسے دینی فقاہت عطا فرما۔''

۴: امام ترمذی رحمہ اللہ نے ربیعہ بن شیبان رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے کیا یاد کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے ان احادیث میں سے ایک حدیث یہ یاد کی ہے کہ؛'' جو چیز تردد اور شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور اس چیز کو اختیار کرو، جو تمھیں تردد اور شبہ میں نہ ڈالے، کیونکہ سچائی میں اطمینان اور جھوٹ میں تردد اور شبہ ہوتا ہے۔

۵: امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں عہد رسالتؐ میں ایک لڑکا تھا، پس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کیا کرتا تھا، مجھے بیان کرنے سے بس یہ چیز مانع ہوتی کہ وہاں مجھ سے بڑی عمر کے لوگ موجود ہوتے۔''

۶: امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابوداود رحمہم اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: '' میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ایک درزی لڑکے کے پاس گئے، اس لڑکے نے ثرید کا پیالہ پیش کیا اور اس میں کدو پڑے تھے۔ (راوی) کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کدو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لینے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پس میں بھی کدو ڈھونڈ ڈھونڈ کر آپؐ کے سامنے رکھنے لگا، (راوی) کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں بھی ہمیشہ کدو کو پسند کرنے لگا۔''

۷: امام ترمذی رحمہ اللہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ؛'' اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں، تم اللہ (کے حقوق) کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ (کے حقوق) کی محافظت رکھو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرو، اور جب مدد مانگو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو اور یاد رکھو کہ اگر ساری مخلوق تجھے کچھ نفع پہنچانا چاہے، تو تجھے صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے، جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر تجھے کچھ بھی نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، قلم اُٹھا لیے

گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔''

ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ: ''تم اللہ (کے حقوق) کی محافظت رکھو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، تم خوشحالی میں اللہ کے احسان شناس بنو، وہ بدحالی میں تجھے پہچانے گا۔ اور خوب جان رکھو کہ صبر کے ساتھ نصرت اور مدد اور کرب و پریشانی کے ساتھ ہی کشادہ حالی اور سختی کے ساتھ آسانی رکھی گئی ہے اور جان لو کہ جو چیز تمھیں نہ مل سکی وہ حقیقت میں تجھے حاصل نہیں ہونا تھی اور جو چیز تمھیں حاصل ہوئی ہے وہ دراصل تجھ سے چوکنی نہیں تھی۔

[۸]: امام مسلم اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک نوجوان (آیا اور) اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں جہاد کرنا چاہتا ہوں مگر میرے پاس جہاد کا سامان نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''فلاں کے پاس جاؤ، اس نے سامانِ جہاد تیار کیا تھا مگر بیمار ہو گیا۔'' پس وہ نوجوان اس کے پاس گیا اور جا کر کہا کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو سامانِ جہاد تم نے تیار کیا ہے، وہ مجھے دے دو۔ اس آدمی نے (گھر میں) آواز دی کہ اے فلاں عورت! اسے وہ سامانِ جہاد دے دو جو میں نے تیار کیا تھا اور اس میں سے کچھ مت روکنا، پس خدا کی قسم! تم کوئی چیز نہیں روکو گی تو ہمارے مال میں برکت دی جائے گی۔''

[۹]: امام طبرانی رحمہ اللہ نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص عبادت میں پروان چڑھتا ہے، حتیٰ کہ اسے موت آجاتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ننانوے صدیقین کا اجر عطا کرتے ہیں۔''

[۱۰]: امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ، حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات سکھائے، جسے میں وتر کی نماز میں پڑھا کروں، (وہ کلمات یہ ہیں): ((اَللّٰهُمَّ اهْدِنِىْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِىْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِىْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِىْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِىْ شَرَّمَا قَضَيْتَ، فَاِنَّكَ تَقْضِىْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ

وَّالَيْتَ ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ .))

١١: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''بیٹا! نماز میں ادھر اُدھر نہ دیکھا کرو، کیونکہ نماز میں ادھر اُدھر متوجہ ہونا باعث ہلاکت ہے۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہی ہو تو نفل نماز میں کرلو، فرض نماز میں نہ کرو۔''

١٢: امام ابوداؤد اور حاکم رحمہما اللہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو، جب وہ سات سال کے ہوں اور دس سال کے ہو جائیں تو نماز کے معاملہ میں ان کی سرزنش کرو اور ان کے بستر الگ کردو۔''

١٣: ابن السنیؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک لڑکا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میں حج کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ساتھ چلے، پھر فرمایا کہ: ''اے لڑکے! اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا توشہ دے اور تجھے خیر کے کاموں میں لگائے اور تیرے غم دور کرے۔'' پھر جب وہ لڑکا، آنحضورؐ کے پاس (حج کرکے) واپس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے لڑکے! اللہ تعالیٰ تیرا حج قبول کرے، تیرے گناہ معاف فرمائے اور تجھے اپنے نفقہ (خرچ) کا بدل عطا کرے۔''

١٤: امام احمد، امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ، ثابت البنانی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، جب خدمت سے فارغ ہوا تو میں نے (دل میں) کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیلولہ فرمائیں اور میں بچوں کے پاس جاؤں، جو کھیل رہے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور اپنے کسی کام پر بھیج دیا، میں اس کام کے سلسلہ میں گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سایہ میں بیٹھ گئے، حتیٰ کہ میں واپس آ گیا، میں اپنی والدہ کے پاس جس وقت آیا کرتا تھا، اس وقت پر نہ آسکا، جب میں والدہ کے پاس آیا تو انھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی کام کے سلسلہ میں مجھے بھیجا تھا۔ والدہ نے

پوچھا کہ وہ کام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ وہ آپ کا ایک راز ہے۔ والدہ نے کہا کہ پس تم رسول اللہ ﷺ کے راز کی حفاظت کرو۔ ثابت البنانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر میں وہ راز لوگوں میں سے کسی کو بتاتا یا اسے بتانا شروع کرتا تو اے ثابت! تجھے بھی ضرور بتا دیتا۔

۱۵: امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، امام نسائی اور امام ابو داؤد رحمہم اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر کھجور سے ایک صاع یا جَو سے ایک صاع مقرر فرمایا ہے، جو ہر آزاد، غلام چھوٹے بڑے پر لازم ہے۔''

۱۶: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بیٹا! جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو (اپنے گھر والوں کو) سلام کرو کہ اس سے تم پر بھی اور تمہارے گھر کے افراد پر بھی برکت ہوگی۔''

۱۷: امام مسلم اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۴۴/۳) حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ: ''میں نے سورۂ ق، رسول اللہ ﷺ سے سُن سُن کر یاد کی، آپ ﷺ یہ سورت ہر جمعہ میں پڑھتے تھے۔''

۱۸: امام بخاری رحمہ اللہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ؛ ایک یہودی لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ (ایک دفعہ) بیمار ہوگیا، آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے، پھر اس سے فرمایا کہ ''مسلمان ہو جاؤ'' وہ لڑکا اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا جو اس کے پاس ہی بیٹھا تھا، باپ نے کہا کہ ابوالقاسم ﷺ کی اطاعت کرو، چنانچہ وہ مسلمان ہوگیا، پھر نبی مکرم ﷺ یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے کہ اللہ کا شکر ہے، جس نے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات دے دی۔''

۱۹: ابویعلیٰ اور طبرانی رحمہما اللہ، عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، وہ غلاموں کی بیع کر رہے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اس کے سودے میں برکت عطا فرمایا فرمایا کہ اس کے معاملہ میں برکت دے۔''

[۲۰]: امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوش اخلاق تھے، میرا ایک بھائی، ابوعمیر اس کا نام تھا۔ آپ ﷺ جب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو فرماتے: ''اے ابوعمیر! تمہاری نُغیر کا کیا ہوا؟'' وہ اس نُغیر (چڑیا) سے کھیلا کرتا تھا اور بسا اوقات آپؐ ہمارے گھر میں ہوتے اور نماز کا وقت ہوجاتا تو جس چٹائی پر بیٹھے ہوتے، اسے صاف کرنے کا حکم دیتے، پھر پھونک مارتے (مٹی اور گرد وغبار کو)، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے اور ہم بھی آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوجاتے، پس آپ ﷺ ہمیں نماز پڑھاتے۔''

[۲۱]: امام ترمذی رحمہ اللہ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''والد اپنی اولاد کو حسن ادب سے زیادہ افضل اور بہتر تحفہ نہیں دے سکتا۔''

[۲۲]: ابن السنیؒ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ساتھ ایک لڑکا تھا، آپ ﷺ نے لڑکے سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرے والد ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے آگے نہ چلو اور نہ ہی انھیں برا بھلا کہنے کا سبب بنو اور نہ ان سے پہلے بیٹھو اور نہ ان کو ان کے نام کے ساتھ پکارو۔''

[۲۳]: طبرانی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب والد اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوش ہو تو بیٹے کو ایک جان آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ کسی نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ تین سو ساٹھ بار دیکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُ أَكْبَرُ.''

[۲۴]: امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ نے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص میری اُمت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑے کا احترام نہ

کرے اور ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے۔"

۲۵: امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اپنے بھائی کی طرف کسی ہتھیار سے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس فعل کو ترک کردے، اگر چہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہو۔"

۲۶: امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ نے عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دروازے پر اجازت لینے آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے، بلکہ دائیں جانب یا بائیں جانب ہوجاتے، پھر اگر اجازت دی جاتی تو ٹھیک، ورنہ واپس چلے آتے۔"

۲۷: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر پرورش ایک (چھوٹا) لڑکا تھا، میرا ہاتھ برتن میں گھومتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "اے لڑکے! بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ، پھر اس کے بعد میرے کھانے کا انداز ہمیشہ یہی رہا۔"

۲۸: امام احمد رحمہ اللہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بچے سے کہے کہ ادھر آؤ، تجھے کچھ دوں، پھر اسے نہ دے تو ایک جھوٹ (اس کے نامۂ اعمال میں) لکھ دیا جاتا ہے۔"

۲۹: امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "بیٹا! اگر تم صبح اور شام اس حال میں گزار سکو کہ تمہارے دل میں کسی کے لیے بھی کینہ نہ ہو تو ایسا (ضرور) کرو، پھر فرمایا: "بیٹا! اور یہ بات میری سنت میں سے ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا، اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔"

۳۰: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام احمد رحمہم اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی ہے، خدا گواہ ہے کہ (اس عرصہ دراز میں) آپ ﷺ نے مجھے اُف تک نہیں کہا اور نہ ہی کسی چیز کے متعلق فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ یا ایسا کیوں نہیں کیا؟

مسلم کی روایت میں اضافہ ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوش اخلاق تھے، آپ ﷺ نے ایک دن مجھے کسی کام کے لیے بھیجا، میں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نہیں جاؤں گا، لیکن میرے دل میں یہ خیال تھا کہ میں اللہ کے نبی ﷺ کے حکم کردہ کام کے لیے جاؤں گا، پس میں نکلا، یہاں تک کہ بچوں کے پاس سے گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ میرے پیچھے ہی آ رہے تھے، میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ ہنس رہے تھے، پھر فرمایا: ''اے اُنیس! جہاں میں نے تجھے جانے کا حکم دیا تھا، وہاں گئے تھے؟'' میں نے کہا کہ ہاں! یا رسول اللہ ﷺ! میں جاتا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا گواہ ہے کہ میں نے آپ ﷺ کی دس سال خدمت کی ہے۔ میرے علم میں نہیں کہ میں نے کوئی کام کیا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ یا میں نے کوئی کام نہ کیا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟''

احمد کی روایت میں اس پر اضافہ ہے کہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی ہے، آپ ﷺ نے مجھے کسی کام کا حکم دیا ہو اور میں نے اس میں سستی کر دی ہو یا اس کام کو ضائع کر دیا ہو اور آپ ﷺ نے مجھے ملامت کی ہو، (ایسا کبھی نہیں ہوا)، اگر آپؐ کے اہل بیت میں سے کوئی مجھے ملامت کرتا تو آپ ﷺ فرماتے، اسے چھوڑ دو، اگر مقدر میں ہوتا تو ضرور ہو جاتا۔''

[۳۱]: امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام بخاری "الادب المفرد" میں اور ابن حبان رحمہ اللہ اپنی صحیح میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کی تین بیٹیاں یا بہنیں یا دو بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ ان کی خوب پرورش کرے اور ان کے معاملہ میں صبر سے کام لے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

۳۲: امام مسلم رحمہ اللہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں جب پہلا پھل لایا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے کہ ''اے اللہ! ہمارے شہر میں، ہمارے پھلوں میں اور ہمارے مُد اور ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، برکت پر برکت، اس کے بعد آپ ﷺ وہ پھل حاضرین میں سے سب سے چھوٹے بچہ کو دے دیتے۔''

۳۳: امام بخاری رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں اور یتیم بچہ کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔'' آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کو کشادہ کیا۔

۳۴: امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی رحمہم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''

۳۵: ابویعلیٰ اور ابن عساکر رحمہما اللہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ: ''مدینہ تشریف آوری کے وقت مجھے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا، لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ بنونجار کا لڑکا ہے، جو قرآن آپؐ پر نازل ہوا ہے اس میں سے سترہ سورتیں اس نے پڑھ لی ہیں۔ پھر میں (زید) نے وہ سورتیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھیں، تو آپ ﷺ نے اسے بہت پسند فرمایا، پھر فرمایا: ''اے زید! تم میرے لیے یہودیوں کی کتاب (خط) سیکھ لو، کیونکہ خدا کی قسم! یہودی لوگ میرے خط کو نہیں مانتے۔ پس میں نے اسے سیکھ لیا، نصف ماہ نہ گزرا تھا کہ میں نے اس میں (عبرانی زبان سیکھنے میں) مہارت حاصل کرلی، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے لکھتا تھا، جب آپ ﷺ ان کو لکھتے اور جب (جواب میں) وہ آپ ﷺ کو لکھتے تو میں ان کے خطوط پڑھتا تھا۔'' نیز ابن ابی داؤد رحمہ اللہ، حضرت

زید رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تم سریانی زبان اچھی طرح سے جانتے ہو، کیونکہ (اس زبان میں) کچھ خطوط میرے پاس آتے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ راوی نے کہا کہ انھوں نے سریانی زبان سیکھ لی، انھوں نے سترہ دن میں زبان سیکھی۔

[۳۶]: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ کی حفظ و امان میں دیا کرتے تھے اور یہ دُعا پڑھتے تھے: ((أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَامَّةٍ وَّ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ.)) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تمہارے باپ (ابراہیم علیہ السلام) بھی ان ہی کلمات کے ساتھ اسماعیل اور اسحٰق علیہما السلام کو اللہ کی حفظ و امان میں دیا کرتے تھے۔

[۳۷]: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عباس کے بچوں، عبداللہ، عبید اللہ اور کثیر رضی اللہ عنہم کی صف بندی فرماتے، پھر فرماتے کہ؛ ''جو پہلے میرے پاس دوڑ کر پہنچے گا اسے اتنا انعام ملے گا۔'' چنانچہ وہ بچے دوڑتے، لپکتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک اور پشت مبارک پر آ گرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں چومتے اور سینے سے لگاتے۔

[۳۸]: امام بخاری، امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا؛ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ لینے آئی تو فضل اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی ان کی طرف دیکھنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا۔''

[۳۹]: امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک قریشی نوجوان حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت دیجیے، لوگ (اس کی بات سن کر) اس کی طرف لپکے اور اسے زجر و تنبیہ
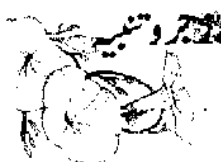
کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ٹھہرو، ذرا ٹھہرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اسے قریب کرو۔'' چنانچہ وہ آپ ﷺ کے قریب ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ: ''کیا تم یہ چیز اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟'' اس نے کہا کہ خدا کی قسم! نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ پر قربان کردے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اس کو اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا کہ: ''کیا تم یہ چیز اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتے ہو؟'' اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! نہیں، اللہ مجھے آپ ﷺ پر فدا کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ: ''کیا تم یہ چیز اپنی بہن کے لیے پسند کرتے ہو؟'' اس نے کہا کہ خدا کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے۔'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ: ''کیا تم یہ چیز اپنی پھوپھی کے لیے پسند کرتے ہو؟'' اس نے کہا کہ خدا کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ نہیں۔ اللہ مجھے آپ پر قربان کردے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لیے اسے ناپسند کرتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ: ''کیا یہ چیز تم اپنی خالہ کے لیے پسند کرتے ہو؟'' اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لیے اسے ناپسند کرتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس نوجوان کے سینہ پر رکھا اور فرمایا کہ: ''اے اللہ! اس کا گناہ معاف کردے، اس کا دل پاک کردے اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ رکھ۔'' راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اس نوجوان کا کسی چیز کی طرف التفات نہیں ہوا۔

[۴۰]: طبرانی رحمہ اللہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص اپنے والد کا فرماں بردار نہیں جو غضب آلود نگاہ سے اسے دیکھتا ہے۔''

دُعائیں

❁ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بعزته وجلاله تتم الصالحات .))

[رواه الحاكم وصححه]

❁ ((یارب لك الحمد كما ینبغی لجلال وجهك ولعظیم سلطانك .))

[رواه احمد وابن ماجة]

❁ ((اللّٰهم اغفرلنا وارحمنا وارض عنا وتقبّل منا وادخلنا الجنّة ونجّنا من النار واصلح لنا شأننا كله .))[رواه ابوداود۔ وابن ماجة]

❁ ((اللّٰهم احسن عاقبتنا فی الامور كلها واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاٰخرة .)) [رواه ابن حبان وصححه]

❁ ((اللّٰهم یامن اظهر الجمیل وستر القبیح یامن لا یؤاخذ بالجریرة ولا یهتك السِّتر یا عظیم العفو یا حسن التجاوز یا واسع المغفرة یا باسط الیدین بالرحمة یا صاحب كل نجویٰ یامنتهی كل شكویٰ یا كریم الصفح یا عظیم المنّ یا مبتدئ النِّعَم قبل استحقاقها یا ربنا ویاسیّدنا ویامولانا ویاغایة رغبتنا اسالك یا اللّٰه الا تَشْوِیَ خلقی بالنار .))

[رواه الحاكم فی المستدرك وصحّحه]

❁ ((اللّٰهم انی اسألك الثبات فی الامر واسألك عزیمة الرشد واسألك شكر نعمتك وحسن عبادتك واسألك لسانا صادقًا وقلبًا سلیمًا واعوذبك من شرما تعلم واسألك من خیر ما تعلم واستغفرك مما تعلم انك انت علام الغیوب .)) [رواه الترمذي۔ وابن حبان]

❁ ((اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا واکرمنا ولا تھنّا واعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علینا وارضنا وارضَ عنّا .))

[رواہ الترمذي والحاکم وصححہ]

❁ ((اللّٰھم اعنّا علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك .))

[رواہ الحاکم وصحّحہ]

❁ ((اللّٰھم اجعلنی صبورًا واجعلنی شکورًا واجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً .)) [رواہ البزّار باسنادٍ حسنٍ]

❁ ((اللّٰھم انّي اسألك علمًا نافعًا واعوذبك من علم لا ینفع .))

[رواہ ابن حبان وصحّحہ]

❁ ((ربّ اعنّی ولا تُعِنْ عَلیّ وانصرنی ولا تنصر علیّ، وامْکُرْلِیْ وَلا تمکر علیّ واھدنی ویسّر الھدیٰ لی، وانصرنی علی من بغیٰ علیّ، ربّ اجعلنی لك ذکّارًا، لك شکّارًا، لك رھّابًا، لك مطواعًا، لك مُخبتًا، الیك اوّاھا منیبًا، ربّ تقبّل توبتی واغسل حَوْبَتِیْ واجب دعوتی وثبّت حُجّتی، وسدّد لسانی واھد قلبی واسلل سخیمة صدری .)) [رواہ ابوداود والترمذي والنسائي وابن ماجة وابن حبان]

❁ ((اللّٰھم اغفرلی ذنوبی وخطیٔ وعمدی .)) [رواہ الطبرانی فی الاوسط]

❁ ((اللّٰھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمة امری واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح لی آخرتی التی الیھا معادی واجعل الحیاۃ زیادۃً لِّیْ فی کل خیر واجعل الموت راحةً لی من کل شرّ .))

[رواہ مسلم]

❁ ((اللّٰھم انّی اعوذبك من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء .))

[رواہ الترمذي وابن حبان]

اور سنن ترمذی میں " والادواء " کا بھی اضافہ ہے۔

(وقال حدیث حسن صحیح غریب)

- ((اللّٰهم انی اعوذبك من علم لا ینفع وقلب لا یخشع ودعاء لا یسمع ونفس لا تشبع .))

[رواه الحاکم فی المستدرك باسناد صحیح وابن ابی شیبة فی مصنّفه]

- ((اللّٰهم انّی اعوذبك من شرما عملت ومن شر ما لم اعمل .))

[رواه مسلم وابو داود والنسائی]

- ((اللّٰهم انی اعوذبك من القسوة والغفلة والقیلة والذلّة والمسكنة واعوذبك من الفقر والكفر والفسوق والشقاق والسمعة والریاء واعوذبك من الصمم والبكم والجنون والجذام وسيئ الا سقام .))

[رواه ابن حبان والطبرانی]

- ((اللّٰهم صلّ علی محمد وعلی آل محمد كما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم وبارك علی محمد وعلی آل محمد كما باركت علی ابراهیم وعلیٰ آل ابراهیم فی العالمین انك حمید مجید .)) [رواه مسلم]

كتبه

الراجی رحمة ربه

محمد نور بن عبدالحفیظ سوید

غفر الله له ولوالدیه وللمسلمین

مراجع ومصادر

نام مصنف		نام کتاب
امام فخر الدین رازیؒ		التفسیر الکبیر
امام قرطبیؒ		تفسیر القرطبی
حافظ ابن کثیرؒ		تفسیر ابن کثیر
شہید سیّد قطبؒ		فی ظلال القرآن
ابوالاعلیٰ مودودیؒ		تفسیر سورۃ النور
ابن الاثیرؒ		جامع الاصول
امام احمدؒ		مسند الامام احمد
حافظ ہیثمیؒ		مجمع الزوائد
ابن حمزہؒ		البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث
علی المتقی الھندیؒ		کنز العمال
شیخ یوسف الکاندھلویؒ		حیاۃ الصحابۃ
علامہ علی القاریؒ		شرح مسند ابی حنیفۃ
امام نوویؒ		ریاض الصالحین
امام مرتضیٰ الزبیدی		عقود الجواهر المنیفة
امام نوویؒ		الاذکار
شیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ		بذل المجهود فی حل سنن ابی داود
امام المنذری		الترغیب والترهیب
امام عبدالرزاقؒ		المصنّف
حافظ ابن حجر العسقلانیؒ		فتح الباری فی شرح صحیح البخاری
ابن السّنیؒ		عمل الیوم واللیلة
ابن تیمیہ الجدؒ		المنتقیٰ من اخبار المصطفیٰ
القنوجی البخاریؒ		حسن الاسوۃ
شیخ عبداللہ سراج الدین		سیّدنا محمد ﷺ
قاضی عیاضؒ		الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ
امام نوویؒ		شرح صحیح مسلم
امام بخاریؒ		الادب المفرد
امام سمعانیؒ		ادب الاملاء والاستملاء
امام ابن عبدالبرؒ		جامع بیان العلم وفضله

فیض القدیر	علامہ المناویؒ
الزهد والرقائق	امام عبداللہ بن مبارکؒ
الکلم الطیب	علامہ ابن تیمیہؒ
اقتضاء الصراط المستقیم	علامہ ابن تیمیہؒ
المنهل اللطیف فی اصول الحدیث الشریف	شیخ محمد بن علوی المالکیؒ
صحیح الجامع	شیخ محمد بن نوح نجاتیؒ
ضعیف الجامع	ناصر الدین الالبانیؒ
الکفایة فی علم الروایة	علامہ خطیب البغدادیؒ
الرحلة فی طلب الحدیث	علامہ خطیب البغدادیؒ
اصول الحدیث	ڈاکٹر عجاج الخطیبؒ
طبقات الحفاظ	امام السیوطیؒ
الدیباج المذهب فی معرفة اعیان المذهب	ابن فرحون تحقیق ڈاکٹر محمد
الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع	خطیب البغدادیؒ
القوانین الفقهیة	ابن جزیؒ الکلبیؒ
احکام المولود	ابن قیم الجوزیةؒ
حاشیة ابن عابدین	ابن عابدینؒ
حجة اللّٰه البالغة	شاہ ولی اللہ الدهلویؒ
فتح باب العنایة	شیخ عبدالفتاح ابو غدّہؒ
الزواجر عن اقتراف الکبائر	ابن حجر الهیثمیؒ
بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	امام کاسانیؒ
النهایة فی تفسیر غریب الحدیث	علامہ مجد الدین ابن الاثیرؒ
المعجم الوسیط	مجمع اللغة العربیة بالقاهرة
تربیة الاولاد فی الاسلام	عبداللہ علوانؒ
التربیة فی الاسلام	تحقیق ڈاکٹر احمد الاهوانیؒ
تاریخ التربیة الاسلامیة	د۔ احمد شلبیؒ
الاحیاء فی علوم الدین	امام الغزالیؒ
منهج التربیة الاسلامیة	استاذ محمد قطبؒ
تجربة التربیة الاسلامیة	د۔ سعید رمضان البوطیؒ
انجح الوسائل فی تربیة النشء تربیة اسلامیة خالصة	امام حسن البناءؒ
اصول التربیة	
الاسلامیة واسالیبها	عبدالرحمن النحلاویؒ
السعادة العظمیٰ	شیخ محمد خضر حسینؒ
دراسات فی الشریعة الاسلامیة	شیخ محمد خضر حسینؒ

الهداية الاسلامية	شيخ محمد خضر حسينؒ
المرأة المسلمة	شيخ سليمان الغاوجيؒ
تاريخ ادب العرب	اديب مصطفى صادق الرافعيؒ
صفحات من صبر العلماء	شيخ عبدالفتاح ابو غدةؒ
رسالة المسترشدين	شيخ عبدالفتاح ابو غدةؒ
الروض الأنف	امام سهيليؒ
محمدؐ رسول الله (ﷺ)	محمد رضا
الطريق إلى المدينة	مفكر اسلام ابو الحسن على الندويؒ
الرسالة القشيرية	امام القشيريؒ
النوادر السلطانية(سيرة صلاح الدين)	تو أم الدين ابو الفتح على بن محمد المعروف به البنداريؒ
تلاوة القرآن المجيد	شيخ عبدالله سراج الدين
مقدمة ابن خلدون	ابن خلدونؒ
المستطرف من كل فن مستظرف	شهاب الدين الابشيهيؒ
رجال الفكر والدعوة	مفكر اسلام ابو الحسن الندويؒ
مؤتمر بحوث رسالة المسجد	رابطة العالم الاسلامي مكة المكرمة
تنبيه المغترين	امام الشعرانيؒ
بر الوالدين	شيخ الحناويؒ
نبى الهدى والرحمة	شيخ محمد عبدالسلام
تحقيق القضية في الفرق بين الرشوة والهدية	شيخ عبدالغني النابلسيؒ
الاعتقاد علي مذهب اهل السنة والجماعة	حافظ ابو بكر احمد بن الحسين البيهقيؒ
انباء نجباء الابناء	ابن ظفر المغربي المكيؒ
سلسلة الاحاديث الصحيحة	امام الباني
المستدرك علي الصحيحين	حاكم النيسابوريؒ
فهارس المستدرك	محمد سعيد بسيونيؒ
صحيح ابن خزيمة	ابن خزيمةؒ
الاصابة في تمييز الصحابة	ابن حجر عسقلانيؒ
سنن الدار قطني	تحقيق عبدالله هاشم
فهارس سنن الدار قطني	عظيم آبادى
مسند ابى يعلىٰ الموصلي	تحقيق حسين اسد
نصيحة الملوك	ابو الحسن الماورديؒ
العلماء العذاب	شيخ عبدالفتاح ابو غدةؒ
تيسير الوصول	ابن الديبع
عدة الحصن الحصين	امام ابن الجزرى الدمشقيؒ
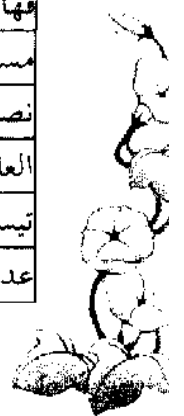
عمل اليوم والليلة		امام النسائیؒ
دیوان "امّی"		شاعر بهاء الدين الاميری
غمز عيون البصائر شرح اشباه النظائر		ابن نجيم شرح الحمویؒ
سنن سعيد بن منصور		تحقيق حبيب الرحمن الاعظمیؒ
كتاب العيال		حافظ ابن ابی الدنیاؒ
التراتيب الادارية		امام كتانیؒ
المحتاج فی شرح المنهاج شرح الخطيب		
الشربينی علی المنهاج		امام نوویؒ
الجامع فی السيرة النبوية		استاذه سميره زاهد
سبل الهدی والرشاد فی سيرة خير العباد		امام محمد بن يوسف الصالحیؒ
صحيح السيرة النبوية		ابراهيم العلیؒ
نسيم الرياض فی شرح الشفاء		قاضی عياض شهاب الدين الخفاجیؒ
رسالة ابی حنيفة الیٰ عثمان البتی لامع الدراری علی جامع البخاری		تحقيق محمد زاهد كوثریؒ
المهذب (فی الفقه الشافعی)		امام الشيرازیؒ
حجة الله علی العالمين فی معجزات		
سيّد المرسلين		شيخ يوسف النبهانیؒ
شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية		ضبط و تصحيح۔ محمد عبدالعزيز الخالدیؒ
كتاب فضائل القرآن		ابو عبيد القاسم بن سلام الهرویؒ
برنامج صحيح البخاریؒ		شركة صخر العالمية
برنامج الحديث الشريف		شركة صخر العالمية
عودة الحجاب		
كتاب المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسلم		امام حافظ ابو العباس القرطبیؒ